مختلف مضامین

۱۱

علّامہ نصیرالدّین نصیر ہونزائی

کے ٹرانسکرائب لیکچرز

تمہید

استادِ بزرگوار علامہ صاحب قبلہ نے اپنی صد سالہ عمرِ گرانمایہ میں اپنی زبانِ فیض بار اور قلمِ جواہر نگار سے کتابوں کے علاوہ آڈیو لیکچرز کی صورت میں ایک بیش بہا خزانہ عالمِ انسانیت کے لئے عطا کیا ہے۔ اِن لیکچرز کی اہمیت کے حوالے سے آنجناب خود فرماتے ہیں:

''ہمارے کیسٹوں میں جو تقاریر ہیں وہ بنیادی اور اساسی مواد کا کام دیں گے، یعنی اُن سے اسماعیلی مذہب پر ریسرچ میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ میرے نزدیک ہر کیسٹ کا مواد ایک کتابچہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں بڑی اہم باتیں ریکارڈ ہوئی ہیں۔ کیسٹوں کے قیمتی مواد کو محفوظ کر لینا ضروری ہے، کیونکہ یہ ہماری پیاری جمعیت کی دولت ہے، یہ ہمارے علمی سرمایے کا ایک اہم حصّہ ہے، اور ہم کو یقین ہے کہ مستقبل میں ہمارے ان علمی کاموں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہونے والا ہے، ہماری تحریروں کے ایک ایک پُرزے پر ریسرچ ہوگی، کیونکہ ہماری نگارشات میں امامِ عالیمقامؑ کی نورانیت و روحانیت براہِ راست کارفرما ہے''۔ (غیر مطبوعہ)

استادِ گرامی قبلہ کی اِس روشن ہدایت کے پیشِ نظر اِن گرانمایہ دُرّ و مرجان کو ضبطِ تحریر میں لانے کا انتہائی اہم اور دقیق کام استاد بحر العلوم صاحب کی سرپرستی میں شروع کیا گیا ہے۔ اور آپ نے اِس سلسلے میں خانۂ حکمت کے تمام سینٹرز میں جا کر اس کام کی اہمیت کے حوالے سے آگاہی اور رہنمائی فرمائی ہے اور ناچیز کو اِن لیکچرز کو تحریر میں لانے اور منظم کرنے کی ذمہ داری دی ہے اس سلسلے میں کئی احباب انتہائی جانفشانی سے کام کر رہے ہیں۔ ان خزائن کو جماعت اور دنیائے انسانیت تک پہنچانے کے لئے محترم مصطفیٰ مومن صاحب نے اسے (ebook) کی صورت میں پیش کرنے میں ہماری مدد فرمائی ہے۔

ناچیز نسرین اکبر

مختلف مضامین ۔ ۴

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	لیکچر نمبر	صفحہ نمبر
۱	ذکر و فکر، طہارت	۳۱	۱
۲	مومن کے باطن میں نورِ امامت کا طلوع ہونا	۳۲ الف	۱۸
۳	مومن کے باطن میں نورِ امامت کا طلوع ہونا	۳۲ ب	۳۲
۴	سائنس اور روحانیت، مقالہ: سجود میں سکون	۳۳	۴۱
۵	آسمان اور زمین کی کلیدیں، حقیقی علم کے حصول کے لئے تیاری	۳۴	۶۱
۶	اعتکاف، امام کی محبت، قصّۂ موسیٰؑ اور خضرؑ	۳۵	۷۵
۷	بہشت کی شناخت، خدا کی زبان	۳۶	۹۳
۸	روح کی حقیقت، انبیاء علیہم السّلام کی عبادت	۳۷	۱۰۴
۹	روحانی تائید، حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کا واقعہ	۳۸	۱۱۳
۱۰	مساواتِ رحمانی	۳۹	۱۳۲
۱۱	جمعیّت کی ترقی امامؑ کی تائید سے، خانۂ کعبہ = امامِ زمانؑ، سنتِ الٰہی، سورۂ لہب کی تاویل	۴۰	۱۴۱

Click here
for Audio

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی ق س کا پُرحکمت بیان

عنوان: ذکروفکر، طہارت

کیسٹ نمبر: ۳۱ تاریخ: ۶/اپریل/۱۹۷۹، کراچی

نامِ بزرگ پرعقیدت اور محبّت سے صلوات پڑھئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّد۔

مومنانِ گرامی قدر! جیسا کہ آپ نے سنا مجھے ذکر اور فکر کے بارے میں کچھ خیالات عرض کرنا ہیں مومنین! ذکر اور فکر ایک بہت بڑا موضوع ہے اور اِس کے سلسلے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے،لیکن وقت کے لحاظ سے میں کچھ خلاصہ بیان کروں گا کہ ذکر کس چیز کا نام ہے اور فکر کس کو کہتے ہیں ۔ چنانچہ ذکر ایک عربی لفظ ہے جو"یاد" کو کہتے ہیں اور یہاں پر اِس سے مُراد خدا کی یاد ہے یعنی پروردگارِ عالم کو یاد کرنا ذکر ہے ۔قرآنِ مقدّس کے اندر ذکر کی بہت بڑی اہمیت بتائی گئی ہے یہاں تک کہ اِس کو شرعی عبادت سے اُوپر کا درجہ دیا گیا ہے، وہ آیت یہ ہے جو ارشاد ہوا ہے کہ: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَر (۲۹:۴۵) ۔بے شک نمازِ ظاہر کی یہ حد ہے کہ اُس کے بجالانے سے کوئی مومن، کوئی مسلمان بُرائیوں سے اور بے حیائیوں سے رُک سکتا ہے یا کہ نمازِ شرعی کا یہ مقام ہے، اُس کی رسائی یہ ہے، اُس کا نتیجہ اور ثمرہ یہ ہے کہ اِس کی ادائیگی سے ایک انسان بُرائیوں سے اور بے حیائیوں سے باز آتا ہے، نماز اُس کو بُرائیوں سے اور بے حیائیوں سے روکتی ہے، بچاتی ہے اور ذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَر (۲۹:۴۵) یعنی خدا کی یاد بہت عظیم ہے ۔آپ جانتے ہیں کہ اکبر کے معنی کیا ہیں؟ سب سے بڑا،سب سے اُوپر اور سب سے عظیم، جب ہمیں یہ بتایا گیا کہ یہ کلمات ایک قسم کی تیاری ہے تو پھر ذکر کی اِس تیاری کے بعد جو اللہ تعالیٰ کے حضور سے میوہ ملنا چاہیئے، جو پھل ملنا چاہیئے وہ اِس کے لئے چارۂ کار ہے ۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ ذکر میں معجزات ہیں، اللہ تعالیٰ کے عجائبات ہیں، ذکر سے رُوحانیت کا دروازہ کھل جاتا ہے ۔

دُوسرے ارشاد میں فرمایا گیا ہے کہ: اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡب (۱۳:۲۸) ۔آگاہ رہو کہ اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے، دلوں کو تسلّی حاصل ہوتی ہے ۔اب اگر پوچھا جائے کہ دلوں کا سکون کیا ہے؟ یعنی ذکر کے نتیجے میں جو سکون ملے گا، جو دل کو تسلّی ملے گی وہ کس نوعیت کی ہوگی؟ اُس میں کیا کیا چیزیں ہوں گی؟ تو پھر قرآن کی روشنی میں ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ بندۂ مومن اُس وقت دلی سکون حاصل کرتا ہے یا کہ بندۂ مومن کو سکون اُس حالت میں حاصل ہوتا ہے جب کہ اُس کو خدا کا دیدار حاصل ہو، جب کہ اُس کو رُوحانیت میں ترقّی [حاصل] ہو، جب کہ وہ گناہوں سے چھٹکارا پائے، جب کہ اُس کو آخرت کا یقین ہو، جب کہ وہ یہ یقین کرے کہ اُس کے گناہ معاف ہو گئے ۔ایسا جب سکون آتا ہے تو اُس کو حقیقی سکون کہا

جاتا ہے اور اِس کے علاوہ اطمینانِ قلبی کے سلسلے میں قرآن کے اندر ایسے ایسے موضوعات ہیں کہ اُن موضوعات کا اِس ذکر کے ساتھ کنیکشن ہوتا ہے، رابطہ ہوتا ہے، واسطہ ہوتا ہے۔

تو دیکھئے! قرآن کے اندر دو زبانیں ہیں ایک زبان عام ہے انسانوں کی زبان وہ عربی زبان اور ایک دُوسری زبان بھی ہے جو خدائی زبان ہے۔ تو خدائی زبان کون سی ہے؟ ابھی تک آپ نے جو دیکھا دُوسروں نے جو دیکھا پتا نہیں چلا کہ قرآن کے اندر ایک اور زبان ہے، میں کہتا ہوں کہ خدا کی جو زبان ہے وہ حکمت کی زبان ہے۔ ابھی اس چھوٹی سی آیت (۲۸:۱۳) کے اندر خدا زبانِ حکمت سے فرما رہا ہے کہ ذکر سے تم کو کوئی سکون ملے گا، دل کا سکون، دل کی خاطر جمعی اور تسلی [ملے گی] اور اُس کے اندر بہت کچھ ہوگا، تمہارے لئے بہت کچھ رُوحانی دولت ہوگی۔ ہم کیسے جانیں، کیسے سمجھیں کہ دل کے سکون کے اندر کیا کیا چیزیں ہیں، ہم قرآن سے پوچھتے ہیں، ہم قرآن میں دیکھتے ہیں، ہم قرآن میں تلاش کرتے ہیں تو قرآن ہی ہم کو بتاتا ہے، ایک جگہ پر ذکر آیا ہے کہ حضرت ابراھیمؑ نے خدا سے سوال کیا کہ یاربّ! آپ مجھے مُردوں کا جِلانا [یعنی] زندہ کر دینا بتایئے کہ کس طرح آپ مُردوں کو جِلاتے ہیں اُن میں واپس رُوح ڈالتے ہیں، جان ڈالتے ہیں اور اُن کو زندگی عطا کرتے ہیں تو میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو خدا نے فرمایا کہ اے ابراھیم! آیا تم یہ یقین نہیں رکھتے ہو، تم باور نہیں کرتے ہو کہ میں زندوں کو مارتا ہوں اور اسی طرح مُردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ ابراھیمؑ نے عرض کی پروردگار! میں تو ایمان کی حد میں، باور کی حد میں مانتا ہوں لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ مجھ کو اطمینان ہو۔ اب میں اطمینان و تسلّی کی بات بتلاتا ہوں کہ اطمینان کے کیا معنی ہوتے ہیں اور اس کی معنوی رسائی کہاں سے کہاں تک ہے۔ تو خداوندِ عالم نے مختصراً اُن کے سامنے مُردوں میں کس طرح جان ڈالی جاتی ہے وہ بتایا اور [وہ] رُوحانی طور پر بتایا، خدا نے فرمایا کہ اے ابراھیمؑ! چار پرندوں کو لے لو اُن کو ذبح کرو اور پھر اُن کا قیمہ بناؤ، آپس میں ملاؤ [پرندوں میں سے] ایک کوّے کو لینا، ایک بطخ کو لینا، ایک مور کو لینا، ایک مرغے کو لینا۔ اِن چار پرندوں کو ذبح کرو اور پھر اِن کو کوٹو قیمہ بناؤ اور پھر اِس مشترکہ قیمے سے چار ٹکڑے بنائیں، پہاڑوں پر رکھیں پھر اُن کو بلائیں وہ میرے حکم سے زندہ ہو کر آپ کے سامنے آئیں گے۔ یہ ہو امیرا مُردوں کو زندہ کر دینا لیکن یہ تاویلی بات ہے۔ تو خداوندِ عالم ظاہری دُنیا میں یہ معجزہ دکھانا نہیں چاہتا تھا، حضرت ابراھیمؑ کے من کی دُنیا میں، دل کی دنیا میں، اُس کے باطن میں، اُس کی رُوحانیت میں یہ معجزہ دکھانا چاہتا تھا تا کہ اُس کو رُوحانی طور پر سکون ہو، تو میں سکون اور تسلّی کی بات کرتا ہوں۔

اِس کی مُراد یہ تھی کہ حرام خوری= کوّا، فخر= مور، طمع= بطخ اور خواہش شہوانی= مرغا، اِن چار خواشات کو ابراھیمؑ نے مارا اپنے اندر جو نفس امّارہ کی چار شاخیں تھی یا کہ چار خواہشات تھیں، جب ابراھیمؑ نے اِن خواہشات کو ریاضت میں ڈالا [اور] نفس کشی کے طور پر اُن کو ختم کیا تو اِن کی جگہ پر چار فرشتے اُبھرے، جبرائیل، میکائیل، اسرافیل [اور] عزرائیل۔ جب اِن

بُری خواہشات کو مارا تو اِن کی جگہ پر چار فرشتے اُبھرے، چار پرندوں کے چار فرشتے ہو گئے، اِس کو ابراھیمؑ نے اپنی رُوحانیت کی آنکھ سے دیکھا، مشاہدہ کیا تو اُس کو اطمینان اور سکون حاصل ہوا یہ ہوا سکون اور ہم لوٹتے ہیں واپس آتے ہیں ذکر کے موضوع کی طرف جو خدا نے ارشاد فرمایا کہ: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱۳:۲۸)۔ آگاہ رہو ذکرِ الٰہی سے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ مجھے اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہے جب کہ میں امام کا دیدار نہ کروں، مجھے اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہے جب کہ میں یہ نہ دیکھوں کہ ہمارے بزرگوں کو کیا ملا، مجھے اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہے ذکر سے جب تک کہ مجھے رُوحانی علم کا پتا نہ چلے، مجھے اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہے جب تک کہ وہ چیز دیکھوں جو کہ اِس دُنیا میں دیکھنا چاہئے، تو دیکھا آپ نے کہ ذکر کے اندر کیا ہے؟ ذکر کے اندر بہت کچھ ہے، ذکر ایک پرواز ہے، ذکر ایک اُڑان ہے جس طرح سطحِ زمین سے کوئی جہاز اُڑان کرتا ہے (Fly) کرتا ہے اور آسمان کی بلندیوں میں جاتا ہے، جب کوئی پرندہ اُڑتا ہے اسی طرح ذکر ایک رَوِش ہے ایک رفتار ہے ایک پرواز ہے ایک اُڑان ہے عالمِ بالا کی طرف۔ اِس کے علاوہ میں بتاؤں [کہ] ذکر ایک رابطہ ہے، ذکر ایک کنیکشن ہے حضراتِ یزدان کے ساتھ یعنی خدا کے ساتھ۔ آپ نے دیکھا [کہ جب] آپ ریڈیو سیٹ کو کھولتے ہیں اور ڈائل کو گھوماتے ہیں نمبر کو برابر کرتے ہیں تب ہی تو اسٹیشن آتا ہے، تو ذکر میں یہ کوشش ہے کہ ہم نور کے اسٹیشن کے ساتھ رابطہ قائم کریں اور اُس میں سے (Catch) کریں سنیں توجہ دیں جو کچھ کہ سننا چاہئے۔ اِس کے علاوہ ذکر یاد کو کہتے ہیں اور یاد وہ چیز ہوتی ہے اور اُس شخص کی یاد ہو سکتی ہے جس کو کبھی ہم نے دیکھا ہو لیکن جہاں اگر ہم خدا کے متعلّق یہ سوچیں کہ اُس کو کسی نے نہیں دیکھا ہے تو پھر ذکر نہیں ہوتا ہے اور ذکر ہاں! اِس صورت میں ہوتا ہے کہ ہم امام کو خدا کا مظہر قرار دیں یا یہ کہ امام کو خدا کا زندہ نام مانیں اور پھر اُسی نام سے اُس کو پکاریں، یاد کریں، کیونکہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے کہ خدا کے سب نام یکسان نہیں ہیں، اُن میں سے کچھ نام اچھے ہیں بہترین ہیں پھر فرمایا جاتا ہے کہ: ''تم خدا کو اُس کے اچھے اچھے ناموں سے پکارا کرو'' (۷:۱۸۰)۔ تا کہ اُس کو تمہاری پکار اچھی لگے اور وہ خوش ہو کہ تم کو سُنے اور تمہاری حاجتوں کو منظور فرمائے تو ہمارے نزدیک خدا کا سب سے بڑا نام امام ہے، ہم امام کے وسیلے سے اللہ کو پکارتے ہیں اور اگر اللہ کا تصوّر کرنا چاہیں تو امام کے وسیلے سے ہم تصوّر کر سکتے ہیں۔ جس طرح کہ دیوار پر لکھا ہوا ہے اللہ یعنی ا، ل، ل، ہ = اللہ اِس کی طرف دیکھنا چاہئے وہ اللہ کا نام ہے اگر اُس کی طرف دیکھنا چاہئے اُس کو پڑھنا چاہئے اُس کو تصوّر میں لانا چاہئے تو اِس سے کہیں بڑھ کر خدا کے اُس زندہ نام کو تصوّر میں لانا چاہئے جو امام [خود] ہیں تو ہمارے [یہاں] ذکر کے یہ معنی ہیں۔

اِس کے علاوہ ذکر کی بہت [سی] قسمیں ہیں بہت قسمیں ہیں، آپ کو تعجّب ہوگا کہ اگر میں تفصیل سے ذکر کی قسمیں بتاؤں، آپ کو تعجّب کے علاوہ مزا بھی آئے گا آپ لُطف اٹھائیں گے، وہ یہ کہ آنکھ کا بھی ذکر ہے، کان کا بھی ذکر ہے، زبان کا بھی ذکر ہے، ہاتھ کا بھی ذکر ہے، پاؤں کا بھی ذکر ہے، دل کا بھی ذکر ہے۔ آنکھ کا ذکر یہ ہے کہ آیاتِ الٰہی میں آپ تعمّل

کریں، دیکھیں خدا کی صنعت و قدرت کو اِس کائنات میں دیکھیں، سورج کو دیکھیں، چاند کو دیکھیں اور دُنیا کی ہر چیز کو تعجّب کی نگاہ سے دیکھیں اور اُس میں خدا کی قدرتوں کا مشاہدہ کریں یہ ہوا آنکھ کا ذکر، کان کا ذکر یہ ہے کہ خدا کے کلام کو سُنیں، اُس کی ہدایات کو سُنیں، دین کی باتوں کو سُنیں، اچھی اچھی نصیحتوں کو سُنیں، علم کی اور حکمت کی باتوں کو سُنیں یہ ہوا کان کا ذکر اور پھر زبان کا ذکر یہ ہے کہ آپ خداوند کے نام کو جپتے رہیں خداوند کے نام کو پکاریں اُس کی بہت مناجات کریں اُس کی تعریف و توصیف کریں یہ ہوا زبان کا ذکر، پاؤں کا ذکر نیک مجالس کی طرف جائیں اور عبادت خانے کی طرف جائیں اور مذہبی مقامات پر اور مجالس میں جائیں یہ ہوا پاؤں کا ذکر، ہاتھ کا ذکر یہ ہے کہ کسی کمزور انسان کی دستگیری کریں، کوئی نیک کام کریں، کوئی اچھا کام کریں یہ ہوا ہاتھ کا ذکر اور دل کا ذکر یہ ہے کہ ہمیشہ خالق کے خیال میں رہیں اور خوفِ آخرت رکھیں اور اپنے امام کا تصوّر کریں اور اسی کے خیالات میں اسی کے تصوّرات میں محو ہو جائیں یہ ہوا دل کا ذکر اور اِس کے علاوہ ذکرِ خفی بھی ہے اور ذکرِ جلی بھی ہے۔

ذکرِ خفی یہ کہ آپ آہستگی سے خداوند کو یاد کریں یہ ذکرِ خفی ہے اور ذکرِ جلی یہ ہے کہ پکار پکار کر آپ اُس کو یاد کریں اُس میں بھی فائدہ ہے اِس میں بھی فائدہ ہے اِس کا الگ مقام ہے اُس کا الگ مقام ہے، تو میں بتاؤں، ذکرِ خفی اُس کو [کرنا] چاہیئے جو مٹ چکا ہو جو پگھل گیا ہو اور [جس کو] آہستگی سے بولنے سے مزا آتا ہو اور [جو] اپنے آپ میں ڈوب سکتا ہو اس کے لئے ذکرِ خفی ہے اور ذکرِ جلی اس کو [کرنا] چاہیئے جس کا نفس پاور فل ہے، طاقتور ہے، وہ کسی قدر دل سے سخت ہو چکا ہے لہٰذا وہ اپنی آواز سے اپنے آپ پر چنگاریاں برسانا چاہتا ہے اور اپنی آواز میں پگھل جانا چاہتا ہے تو اُس کو ذکرِ جلی چاہیئے اور پھر انفرادی ذکر ہے۔ آپ تنہائی میں ذکر کر سکتے ہیں اُس کی الگ خوبی ہے اور اِس کے علاوہ اجتماعی ذکر بھی ہے اِس کا الگ فائدہ ہے، اجتماعی ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اِس اجتماع کے اندر اچھے اچھے مومنین آتے ہیں اور مجموعی طور پر جب ذکر کیا جاتا ہے تو وہ ایک پاور بن جاتا ہے اور وہ ایک نور کی آگ بن جاتی ہے جس میں کہ آسانی کے ساتھ مومن پگھل سکتا ہے۔ ابھی ابھی جو آپ ذکر کر رہے تھے تو میں اس اجتماعی ذکر سے [یہ] محسوس کر رہا تھا جیسے کہ دریائے نور بہہ رہا ہے اور ٹھاٹھے مار رہا ہے اور ایک نور کا سمندر ہے متلاطم اُس میں سے موجیں اُٹھتی ہیں اس میں سے آوازیں آتی ہیں مجھ کو ایسا احساس ہوا۔

تو بہر حال ذکر کے بہت سے مقامات ہیں، اب میں تھوڑے سے منٹ [جو] چھوڑے گئے ہیں اُس میں فکر کی بات کروں گا۔ دیکھئے فکر پہلے نہیں ہے ذکر پہلے ہے، آپ ذکر کریں، ذکر کریں، ذکر کریں اُس کے بعد فکر کریں وہ فکر کیسی ہے؟ وہ فکر علمی ہو یا خدا کے بارے میں ہو تو اُس میں آپ کو رُوحانی مدد ضرور ملے گی چونکہ آپ ذکر کے وسیلے سے پار ہو گئے آپ نے تیاری کی اور دل کی کُدورتوں کو تاریکیوں کو آپ نے دُور کر دیا یا یہ کہنا چاہیئے کہ آپ نے دل کے آئینے کو ذکر کے (Cycle) سے ذکر کی رسّی سے صاف کیا اور ذکر سے آپ فکر کی طرف متوجّہ ہو جائیں گے تو اُس میں نور نظر آئے گا نور کی جھلکیاں دکھائی دیں گی۔ نہیں تو یعنی غیب سے ندا آنے کی اُمید ہے نہیں تو القاء یعنی اچھی اچھی باتیں دل میں اُترنے کی

اُمید ہے تو فکر اِس معنی میں ہے ۔آپ کے پاس کوئی علمی مسئلہ ہے [یا] آپ کے پاس کوئی دنیوی سوچ ہے تو کوئی بات نہیں ہے [آپ] ذکر کے بعد سوچ سکتے ہیں تا کہ اُس وقت ذکر کی روشنی میں آپ کا سوال حل ہو جائے ۔تو اِس لئے دین کی اہمیت بتانے کے لئے، دین کی قدر و قیمت بتانے کے لئے ذکر کے نتائج سے آگاہ کرنے کے لئے قرآن میں فکر کا بھی اشارہ کیا گیا ہے اور کچھ ایسے مومنین کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے یہ اپنا شیوہ بنالیا ہے کہ عبادت و بندگی کے بعد کہ ذرا وہ فکر کرتے ہیں ۔فکر کرتے ہیں کسی بھی دین کی بات میں کسی بھی علم کی بات میں کسی بھی اہم مسئلے میں وہ فکر کریں تو اُس میں اُن کی فکر جو ہے وہ روشن ہو جاتی ہے ۔ایک لحاظ سے انسان ایک ریڈیو کی طرح ہے لیکن جس طرح دُنیا کا کوئی ریڈیو بگڑ بھی جاتا ہے، خراب بھی ہو جاتا ہے تو اُس کے لئے چارۂ کار یہ ہے کہ کوئی (Mechanic) ہوتا ہے اُس کی اصلاح کرتا ہے اُس کی مرمّت کرتا ہے، اسی طرح انسان کی رُوح کی اصلاح عبادت و بندگی سے ہو سکتی ہے اور پھر اِس رُوح کے اندر جو قوتیں ہیں اور جو صلاحیتیں ہیں عبادت کے بعد، ذکر کے بعد، بندگی کے بعد وہ نتیجہ خیز ہو جاتی ہیں، کارفرما ہو جاتی ہیں، اُجاگر ہو جاتی ہیں، اِس کے لئے عبادت ہے اس کے لئے ذکر ہے ۔ یہاں تک کہ جہاد کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے کہ مجاہدین کو چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ خدا کو یاد کریں (۸:۴۵) کیوں؟ اِس لئے کہ اِس ذکر کے اندر جرأت ہے اِس کے اندر ہمّت ہے اِس کے اندر طاقت بھی ہے کیونکہ ذکر کے نتیجے میں فرشتے آتے ہیں مومن کے ساتھ رابطہ رکھتے ہیں، رُوحیں آتی ہیں، رُوحانی طاقتیں آتی ہیں اور مومن کی رُوح کے ساتھ اُن کا کنیکشن ہو جاتا ہے ۔

دُنیا میں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ دو آدمی آپس میں اُس وقت دوستی رکھتے ہیں جبکہ صفات میں دونوں قریب ہوں، کسی بھی صفت میں یا زبان کی نسبت سے یا قومیت کی نسبت سے، مذہب کی نسبت سے، عمر کی نسبت سے، پیشہ کی نسبت سے دوست ہو سکتے ہیں ۔اسی طرح جب ہم اپنی رُوح کو ذکر کے وسیلے سے پاک کریں گے، ذکر چونکہ خدا کا نام ہے جب خدا کا نام ہے تو اِس میں پاکیزگی کا مادّہ ہے پاکیزگی کا وسیلہ ہے، لہٰذا ہم اِس ذکر سے، ذکر کے پانی سے اپنے باطن کی تطہیر کر سکتے ہیں باطن کی دھلائی کر سکتے ہیں، جب ہم نے ذکر سے اپنے باطن کو پاک اور پاکیزہ بنایا تو اُس وقت عالمِ رُوحانیت کے ساتھ، فرشتوں کے ساتھ، رُوحوں کے ساتھ ہماری دوستی اور نسبت یا کہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور جب فرشتوں کے ساتھ، رُوحوں کے ساتھ ہمارا رشتہ ہوتا ہے کنیکشن ہوتا ہے تو اُس وقت ہم طاقتور ہو سکتے ہیں، لہٰذا یہی فلسفہ تھا جب خداوندِ عالم نے مجاہدین سے فرمایا کہ: ''تم جب جہاد میں جاتے ہو اُس وقت خدا کو بہت زیادہ یاد کرنا'' (۸:۴۵) ۔تا کہ تمہارے دل کے اندر جو خوف ہے جو خوفِ بے جا ہے وہ ختم ہو جائے اور تم کو آسرا ملے اور تمہاری اُمیدیں جو آخرت سے وابستہ ہیں وہ روشن ہو جائیں اور تم سے خوف چلا جائے کیونکہ خوفِ بے جا شیطان سے ہے اور جب تم ذکر میں مصروف رہو گے تو شیطان تم سے دُور بھاگے گا اور جب شیطان تم سے دُور بھاگ جائے گا تو اُس وقت تمہارے دل میں خوفِ بے جا، بے موقع اور بے محل جو خوف

ہے وہ نہیں ہوگا۔ اِس کے لئے میں نے اِس سلسلے میں زیادہ بات نہیں کی اور فکر کے بارے میں تھوڑی سی باتیں بتائیں۔

بہر حال یہ مومن کی دانشمندی ہے کہ وہ ہمیشہ ذکر میں مصروف رہے، ذکر منتشر بھی ہے اور مسلسل بھی ہے، مسلسل کا مطلب آپ ایک جگہ پر بیٹھتے ہیں اور مسلسل ذکر کرتے ہیں، منتشر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کام کاج کرتے ہیں اور جس قدر ہو سکے خدا کے نام کو پکارتے ہیں تو یہ منتشر ذکر بھی ہے۔ موقع ہو تو منتشر ذکر کرنا، موقع ہو تو مسلسل ذکر کرنا اور اپنے وقت پر اجتماعی ذکر کرنا۔ [صبح] اُٹھ کر جماعت خانے میں جو ہم تسبیح پڑھتے ہیں اور ستاڑے وغیرہ میں جو ہم تسبیحات پڑھتے ہیں وہ ذکرِ جلی ہے اور اجتماعی ذکر ہے۔ اسی طرح مومن کو چاہئے کہ وہ ذکر کرے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مومن کو، مسلمان کو کثرت سے خدا کو یاد کرنے کے لئے مختلف الفاظ میں مختلف دعائیں مقرّر کی ہیں تا کہ اِس سے ایک طرح سے ذکر ہو۔ ذکر بڑا عنوان ہے اور نماز اِس کی ایک شاخ ہے۔ نماز ذکر کہلا سکتی ہے کیونکہ یہ ذکر کے تحت ہے : وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (۲۰:۱۴)۔ موسیٰ اور ہارون علیھم السلام سے خدا نے ارشاد فرمایا تھا: کہ تم میری یاد کے طور پر نماز کو قائم رکھنا (۲۰:۱۴) اسی لئے نماز جو ہے وہ ذکر میں آسکتی ہے، ذکر میں شامل ہو سکتی ہے، ذکر کے گروپ میں شامل ہو سکتی ہے، لہٰذا نماز ایک برانچ ہے، نماز ایک شاخ ہے اور ذکر جو ہے وہ بہت بڑا ہے، ذکر کے لئے کوئی شرط نہیں ہے۔ اِس لئے کہ اِس کو ہر حالت میں موافق بنایا ہے (Adjust) جسے کہتے ہیں (Adjust) کیا ہے ہر حالت کے ساتھ اِس کو ساز گار بنایا ہے تا کہ مومن جیسی بھی حالت میں ہو اُس کے مطابق ذکر کرے۔ اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (۳۳:۴۱) میں خدا یہ چاہتا ہے کہ مومن کثرت سے خدا کو یاد کرے اور کثرت سے اُس وقت خدا کو یاد کیا جا سکتا ہے جبکہ ہم اِن ذکر کی شاخوں کو جانیں اور پہچانیں کہ آنکھ کا ذکر کیا ہے، کان کا ذکر کیا ہے، زبان کا ذکر کیا ہے، پاؤں کا ذکر کیا ہے اور اجتماعی انفرادی ذکر، ذکرِ جلی، ذکرِ خفی اِن تمام اذکار کو جب تک ہم نہیں سمجھیں تو ہم اپنے لئے ذکرِ کثیر کا مجموعہ نہیں بنا سکتے ہیں تو ذکرِ کثیر ضروری ہے چلتے پھرتے اور سوتے جاگتے کھاتے پیتے اور کام کرتے آرام کرتے ہر حالت میں خدا کو یاد کرنا ہے تا کہ اِس سے ذکرِ کثیر کی مقدار بن جائے اور انہی الفاظ کے ساتھ میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اور اِس سے پہلے میری گزارش یہ کہ آپ اپنے خداوندِ پاک کے بزرگ و برتر نام پر صلوات پڑھئے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّد۔

دل کی اس پاکیزگی کے بعد ہم کچھ علم کی باتیں کریں گے اور وہ ہماری باتیں بھی بس اسی موضوع سے متعلّق ہوں تو اچھی بات ہے یعنی ہم باطنی پاکیزگی کے بارے میں بات کریں گے۔ اسلام میں پاکیزگی کی بہت بڑی اہمیّت ہے، پاکیزگی سے مُراد نہ صرف ظاہری پاکیزگی بلکہ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی پاکیزگی ہے۔ کیونکہ مومن جانتا ہے کہ وہ صرف جسم نہیں ہے بلکہ وہ رُوح بھی ہے اور عقل بھی ہے، لہٰذا مومن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تین قسم کی پاکیزگیاں بجالائے یعنی تین قسم کی طہارت کرے، طہارت عربی میں پاکیزگی کو کہتے ہیں۔ جسم کی، رُوح کی اور عقل کی جبکہ ہم اِن تین چیزوں کا

مجموعہ ہیں یعنی عقل، رُوح اور جسم۔ عام لوگ صرف جسمانی پاکیزگی کی طرف توجّہ دیتے ہیں یعنی وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ لباس کو صاف اور ستھرا رکھیں، جسم کو پاکیزہ کریں اور مکان کو صاف رکھیں۔ اُن کی صفائی اور پاکیزگی بس اِس حد تک محدود ہوتی ہے لیکن مومن کے نزدیک رُوحانی اور عقلی پاکیزگی بنیادی چیز ہے اِس لئے کہ خدا کی ایک بہت بڑی صفت پاکی ہے، پاکیزگی ہے۔ جیسے اسمِ سبحان کے معنی اور قدّوس کے معنی سے ظاہر ہے کہ یعنی پاک، ہم اِس بات کو ضرور جانتے ہیں کہ خدا پاک ہے۔ خدا کا عُیوب سے عیبوں سے پاک ہونا یہ بات نہیں بلکہ خدا ہر چیز سے پاک ہے، جب خدا پاک ہے تو اُس کی دوستی صرف پاکوں کو نصیب ہوتی ہے، پاک کی دوستی پاک سے ہوتی ہے اور پاک کی دوستی ناپاکوں سے نہیں ہوتی ہے، اِس لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (۲:۲۲۲)۔ بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے دوستی رکھتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے دوستی رکھتا ہے۔ یہ سوچنے کا مقام ہے کہ خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ وہ توبہ کرنے والوں سے دوستی رکھتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے دوستی رکھتا ہے، اِس توبہ اور پاکیزگی کی کیا مناسبت ہے یا کہ توبہ اور پاکیزگی کا کیا رشتہ ہے، ایک ہی مقام پر اِن دونوں چیزوں کا ذکر کیوں ہوا اِس کا جواب [یہ] ہے کہ توبہ رُوحانی پاکیزگی کا نام ہے اور طہارت ظاہری پاکیزگی بھی ہوسکتی ہے اور باطنی پاکیزگی بھی، بہرحال توبہ اور طہارت کا ایک ساتھ ذکر اِس لئے آیا ہے کہ توبہ بھی پاکیزگی ہے اور طہارت بھی پاکیزگی ہے یعنی توبہ طہارت کی وضاحت ہے اِس لئے کہ اگر صرف لفظِ طہارت ہوتا تو لوگ اِس کو ظاہری پاکیزگی قرار دیتے لیکن خدا نے اِس کے ساتھ ساتھ توبہ کا بھی ذکر کیا ہے تاکہ لوگ سمجھ پائیں کہ اِس توبہ سے پاکیزگی ہے [یعنی] باطنی پاکیزگی مُراد ہے۔

ایک شخص اگر توبہ کرے تو اُس کی ظاہری نجاست تو دُور نہیں ہوتی ہے [تو] اُس کا تعلق باطن سے ہے۔ اب توبہ کیا چیز ہے؟ توبہ ترکِ گناہ ہے اور توبہ ندامت ہے، توبہ پشیمانی ہے اور توبہ کی ایک بہترین صورت ایک عمدہ کیفیت یہ ہے کہ بندگانِ خدا توبہ کے طور پر آنسو بہاتے ہیں گریہ وزاری کرتے ہیں لیکن گریہ وزاری کے لئے یہ وضاحت کافی نہیں ہے یہ تو صرف گریہ وزاری کے ایک ہی پہلو کی وضاحت ہوئی یا یوں کہنا چاہئے کہ اِس گریہ وزاری میں توبہ کا بھی پہلو ہے اور اِس کے سوا بھی ہے۔ کیونکہ گریہ وزاری عشق کے طور پر بھی ہوسکتی ہے، طلب یعنی مطالبہ کے طور پر بھی ہوسکتی ہے اور آگے بڑھنے کے لئے شوق اور جذبے کے طور پر بھی گریہ وزاری ہوسکتی ہے تو گریہ وزاری کے بہت سے معنی ہیں بہت سے معنی ہیں۔ اِس کے اندر اتنے سارے مطالب [یعنی معنی] ہیں کہ ہم مختصر سے وقت میں اِس کی تشریح نہیں کرسکتے ہیں۔

گریہ وزاری کی سب سے بہترین صفت یہ ہے کہ [یہ] ہزاروں نصیحتوں سے بڑھ کر ہے۔ مثلاً ایک بہت بڑا عالم، ایک بہت بڑا خدا رسیدہ بزرگ نے ہم کو تین چار گھنٹے تک علم کی باتیں بتلائیں اور رُوحانیت کی باتیں سمجھائیں تو بھی وہ ہمارے دل سے زنگ کو نہیں مٹا سکتا ہے، جتنا کام کہ گریہ وزاری سے ہوسکتا ہے۔ اگر ہم ایک گھنٹہ گریہ وزاری کریں اور

اُس میں جس قدر ہمارے دل کے اندر پاکیزگی آئے گی وہ اِس سے زیادہ ہے کہ ایک عالم تین چار گھنٹے تک ہم کو اعلیٰ سے اعلیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ علم کی باتیں بتلائے، اُس سے یہ بڑھ کر ہے اور میں بالکل سچ کہتا ہوں ۔مثال کے طور پر آپ باور کرتے ہیں کہ میں دونوں کام کرسکتا ہوں، علم کی باتیں بھی بتلاسکتا ہوں اور گریہ وزاری بھی کرسکتا ہوں لیکن ہم نے آپ نے اِس گریہ وزاری کے رستے کو کیوں اختیار کیا ہے، حالانکہ علم پر اتنا اعتراض نہیں جتنا کہ گریہ وزاری پر لوگوں کا اعتراض ہے ہم کیوں اِس پہلو کو چھوڑ کہ اُس پہلو کی طرف نہیں جاتے ہیں جس میں کہ کوئی اعتراض نہ ہو، لیکن نہیں ہم لوگوں کے کہنے پر کیوں بدل جائیں ۔ہمیں اپنے فائدے کو دیکھنا ہے، ہمیں اپنی ترقّی کو دیکھنا ہے، ہمیں دین کے اُصول کو دیکھنا ہے اور قرآن میں دیکھنا ہے کہ پیغمبروں کی سب سے بڑی خاصیت کیا تھی ۔آپ قرآن میں جائیں اور ترجمے کی مدد سے یا کسی دوست کے وسیلے سے آپ قرآن میں اُس (History) کو پڑھیں جو پیغمبروں سے متعلّق ہے کیونکہ قرآن کے اندر آپ جانتے ہیں کہ پیغمبروں کا ذکر آیا ہے اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ پیغمبروں کا کیا اُصول رہا ہے وہ کس طرح خدا سے مانگتے تھے اُن کی کیا کیا خوبیاں تھیں، گو کہ وہ خوبیاں خدا نے اُن کو پیغمبر ہونے بعد عطا کی تھیں یا بنیاد سے اُن کے پاس ایسی خوبیاں تھیں تو وہ خوبیاں کیا تھیں؟ ہم کو ماننا پڑے گا کہ پیغمبروں میں کامل انسانوں کی حیثیت سے خوبیاں ضرور تھیں تو وہ خوبیاں کیا تھیں ۔اُن کی بہت سی خوبیاں تھیں اور اُن میں بنیادی خوبی یہ تھی کہ وہ رات کو آنسو برساتے تھے، یہ صفت اعلیٰ درجے کے مومنین کی بھی ہے اور پیغمبروں کی بھی ہے، سب سے پہلے پیغمبروں کی صفت ہے ۔

اب اگر قرآن میں پیغمبروں کے اِس پہلو کو اُجاگر کیا گیا ہے اور اُن کی اِس صفت کی اللہ نے تعریف کی ہے تو پھر اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اِس میں ہمارے لئے نصیحت ہے، اِس میں ہمارے لئے ایک ہدایت ہے کہ ہم بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلیں تا کہ ہم رُوحانیت میں کامیاب ہو جائیں، اِس لئے ہم بعض دفعہ گریہ وزاری سے آغاز کرتے ہیں ۔ابھی میں نے کہا تھا کہ گریہ وزاری کی بہت سی تعریفیں ہیں تو میں وہ تعریفیں [بیان] کرتا ہوں ایک تعریف تو یہ ہوئی کہ انبیاء نے اِس طریقے کو اپنالیا تھا لیکن گریہ وزاری کی بہت سی قسمیں ہیں بہت سی قسمیں ہیں، سب سے پہلے یہ کہ گریہ وزاری دو حصّوں میں (Divide) ہو جاتی ہے ایک دُنیوی ایک دینی ۔تو دُنیوی طور پر گریہ وزاری ناجائز ہے یعنی کسی عزیز کے دُنیا سے گزر جانے کے بعد ہمیں رونا دھونا یہ بات منع ہے یہ تو دُنیوی بات ہوگئی اور دین کے پہلو سے اگر ہم گریہ وزاری کرتے ہیں تو یہ جائز ہے اور دُرست ہے ۔اب دین میں بہت سی قسمیں ہیں ایک یہ کہ ہم کسی امام یا کسی پیغمبر کی تکلیف کو سامنے رکھ کر گریہ وزاری کریں یہ بات بھی اچھی نہیں ہے اِس لئے اِس میں ہمارا تصوّر یوں ہوتا ہے کہ جیسا وہ مجبور تھا اور اُس پر ظلم ہوا وہ بے بسی میں چلا گیا اور اُس نے بہت سختی برداشت کی حالانکہ اُس میں ہمّت نہیں تھی اُس میں برداشت کا مادّہ نہیں تھا اور خدا نے اُس پر ظلم کیا، لوگوں نے اُس پر ظلم کیا، ایسا تصوّر ہوگا اور حالانکہ کسی کامل انسان کے بارے میں یہ تصوّر صحیح نہیں ہے ۔وہ تو ہمارے

لئے رحمت تھی اگر کسی پیغمبر پر امام پر کوئی تکلیف آئی ہے اور [وہ] ہمارے لئے ہدایت تھی۔ اِس بڑے بوجھ کو وہ نہ اُٹھائیں تو ہم کیسے اٹھا سکتے ہیں، سب سے پہلے وہ اُٹھائیں اور ہم اُن کو دیکھتے دیکھتے اٹھائیں پھر ہم کو یہ بوجھ آسان لگے گا اور دُوسری بات یہ ہے کہ وہ بے بس نہیں تھے، وہ مجبور نہیں تھے، اُن پر خدا کی طرف سے کوئی ظلم نہیں تھا، خدا کی طرف سے اُن پر رحمت ومہربانی تھی کہ خدا اپنے دوستوں کو اِس طرح آزماتا بھی ہے اور اِس طرح اُن کے نفس کو موقع نہیں دیتا ہے کہ دُنیا کی طرف مائل ہو جائیں یا شکوے شکایت کریں، وہ عبادت و بندگی کی طرف با آسانی رُجوع کر سکتے ہیں اور دُوسری طرف سے اُن کو عملی طور پر انسانوں کے لئے ہدایت کا نمونہ پیش کرنا ہے، اس لئے ہمیں اِس میں نہیں رونا چاہئے۔ اب پھر کیا رہا؟ اب رہا یہ کہ رونے کے لئے بہت سے اچھے موقعے ہیں، میں آپ کو چند مواقع کا نام بتلاتا ہوں۔ ہمیں آنسو بہانا چاہئے اللہ کی نعمتوں کو سامنے رکھ کر کہ اُس نے ہم پر کیسے کیسے احسانات کئے ہوئے ہیں، اُس کی کتنی کتنی عظیم نعمتیں ہیں، اگر ہماری باطنی آنکھ کام کرتی ہے اگر ہم میں کچھ بصیرت پائی جاتی ہے تو ہم خداوند کی نعمتوں کو دیکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے، ایک ایک کر کے ہم اُس کی نعمتوں کو دیکھ پائیں گے پھر ہمارا دل شکر گزاری کے انداز میں نرم ہو جائے گا اللہ کے احسانات کو دیکھ کر، یہ گریہ وزاری بہت شیرین ہے کہ خدا کی نعمتوں کو سامنے رکھیں اور آنسو بہائیں۔ بہت اچھی بات ہے، ایک چیز۔

دُوسرا موقع آنسو بہانے کا یہ ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کو سامنے رکھتے ہوئے آنسو بہائیں، بہت اچھی بات ہے۔ کیونکہ انسان ایسا نہیں ہے کہ وہ خدا کی طرح ہے، پیغمبر کی طرح ہے، فرشتے کی طرح ہے، انسان انسان ہے۔ ہم اپنی کوتاہیوں اور خامیوں سے یہ فائدہ اٹھائیں کہ ان کے تصوّر سے آنسو بہائیں تا کہ ہمارے گناہ جو ہیں وہ ثواب میں بدل جائیں اور بُرائیاں جو ہیں [وہ] نیکیوں میں تبدیل ہو جائیں۔ تیسرا موقع میں آپ کو بتاؤں ہمیں امام سے عشق ہونا چاہئے اور جس طرح ایک عاشق معشوق کے لئے روتا ہے اسی طرح رونا چاہئے دیدار کے لئے، ملاقات کے لئے، وصال کے لئے، نزدیکی کے لئے، گفتگو کے لئے، ملنے کے لئے، کتنا اچھا موقع ہے کہ ہم امام کے عشق میں روئیں، بڑا اچھا موقع ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ جب عاشق روتا ہے تو [یہ] ضرور ہے کہ معشوق کو رحم آتا ہے۔ ہم اگر مولا کے سچے عاشق ہیں اور ہم میں اُس کا حقیقی عشق ہے تو ضروری ہے کہ ہم کو رونا آئے گا اور ہمیں سیکھنا پڑے گا، ہم اگر کچّے ہیں، خام ہیں تو اور بات ہے ہم اگر پکّے ہیں اور سچّے ہیں تو ہم اپنے حقیقی معشوق کے دیدار کے لئے روسکیں گے اور اُس وقت اُس کو رحم آئے گا پھر ہم کو دیدار عطا کرے گا یہ تیسرا موقع تھا۔ چوتھا ایک موقع ہے گریہ وزاری کا وہ یہ کہ ہم پیروں اور بزرگوں کی ترقّی کو سامنے رکھیں اُن کی خدمات کو سامنے رکھیں اسماعیلی مذہب میں ترقّی کی جو امکانیت ہے اُس کو پیشِ نظر رکھیں، امام کس قدر ترقّی چاہتا ہے اُس کو پیشِ نظر رکھیں پھر اُس وقت ہم کو اپنی سستی کا غفلت کا احساس ہوگا۔ اسماعیلی مذہب میں رُوحانی ترقّی ہے اور پیروں نے بزرگوں نے ترقّی کر کے ہم کو بتایا امام نے بھی فرمایا کہ ترقی کے رستے رُکے ہوئے نہیں ہیں، ترقّی کے دروازے کبھی

بند نہیں ہوتے ہیں، امام کا فرمانا ہے کہ تم پیروں کی طرح ترقّی کر سکتے ہو، سلمان کی طرح ترقّی کر سکتے ہو، تو امام کی طرف سے یہ بالکل صاف بات ہوئی۔ اِس سے بہت سے سوالات کے لئے جواب مل گیا وہ یہ کہ نہ تو کوئی قسمت ایسی ہے جس سے ہم ترقّی نہ کر سکیں، نہ تقدیر کوئی چیز ہے نہ اور کوئی سبب ہے بلکہ اگر کوئی سبب ہے تو وہ ہماری سُستی ہے، ہماری غفلت ہے، ہماری کوتاہی ہے، ہمارے گناہ ہیں اور بس، تو پھر اُس وقت ہمارے اندر ایک جائز اور مناسب طمع پیدا ہو جائے گی، جذبہ پیدا ہو جائے گا، شوق پیدا ہو جائے گا اور جس کی بنا پر ہم آنسو بہا سکیں گے، یہ چوتھا موقع ہے اور اسی عنوان میں ہمیں رَشک ہونا چاہئے کہ ماضی میں ہمارے مذہب کے اندر کتنے بزرگ ایسے تھے جن کی اچھی ترقّی تھی اور حال میں بھی ایسے نمونے ہو سکتے ہیں، اسماعیلی مذہب کے اندر مشرق سے لے کر مغرب تک جب ہم نظر دوڑائیں گے، آپ سوچیں گے، آپ سنیں گے اور دیکھیں گے جماعتوں میں، جماعت خانوں میں، جماعت میں افراد ایسے بھی ہیں جن پر کہ ہم کو رَشک ہونا چاہئے، وہ اچھے ہیں، نیک ہیں، خدمتی ہیں، پرہیزگار ہیں، متّقی ہیں، شب خیز ہیں، سنجیدہ ہیں شرافت والے ہیں، فضیلت والے ہیں، تو اِن کی فضیلتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں رشک ہونا چاہئے اور گریہ وزاری کرنی چاہئے۔

تو اِس گریہ وزاری میں یہ سب مطالب آتے ہیں اور اِس میں بہت سے اور مزید فائدے ہیں اور اِس کی ایک مثال میں آپ کو بتلاؤں کہ دُنیا کی آبادی کا دارومدار بارش پر ہے، جب آسمان روتا ہے تو تب زمین ہنستی ہے، زمین ہنستی ہے اُس وقت جب کہ آسمان روتا ہے، ہمارا دل گویا زمین ہے ہمارا سر گویا آسمان ہے، جب بندۂ مومن کے سر کا آسمان روئے گا تو اُس کے دل کی زمین ہنسے گی۔ دل کی زمین کے ہنسنے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کے اندر باغ وگلشن پیدا ہو جائیں گے، زمین کے ہنسنے کے یہ معنی ہیں کہ بارش سے، پانی سے ساری دُنیا سرسبز ہو جاتی ہے، گل وگلزار ہو جاتی ہے یہ ہوا زمین کا ہنسنا۔ تو بندۂ مومن کے دل کی زمین کا ہنسنا اُس وقت ممکن ہے جب کہ اُس کے سر کا آسمان مینہ برسائے۔ اسی طرح ایک اور بات یہ ہے کہ دُنیوی طور پر دیکھا جائے تو بارش دو قسم کی ہے، ایک بارش وہ ہے جس سے کہ فصل تباہ ہو جاتی ہے یعنی کہ وہ بے وقت کی بارش ہے بغیر (Season) کی بارش ہے، جس طرح فصل کے کاٹنے پر بارش کا برسنا، پھلوں کے پکنے پر بارش کا برسنا، جس سے کہ فصل اور پھل تباہ ہو جاتے ہیں، اُس کو کہتے ہیں بے وقت کی بارش اور دُوسری بارش وہ ہے جو بروقت ہے اور برمحل ہے یعنی موقع کے مطابق ہے وہ موسمِ بہار کی بارش ہے یا کسی اور وقت کی بارش ہے جس میں کہ بارش کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے کہ زمین کی سرسبزی اور آبادی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مومن کے آنسو دو قسموں میں ہیں ایک یہ کہ وہ کسی دُنیوی نقصان سے روتا ہے، کسی عزیز کے گزر جانے سے روتا ہے، کسی دشمن کے ڈر سے روتا ہے، مال کے نقصان سے روتا ہے یہ بے وقت اور بغیر (Season) کی بارش کی طرح ہے، اُس سے ایمان تباہ ہو جاتا ہے اور دُوسری بارش وہ جو بروقت ہے تو اِس سے مومن کی وہ گریہ وزاری مُراد ہے جس کی وضاحت میں نے ابھی کی جو کہ مذہبی طور پر آنسو بہاتا ہے۔

ایک اور چیز میں آپ کو بتاؤں، آپ دیکھتے ہیں ایک شیر خوار بچّے کو، وہ دُنیا میں آتے ہی رونے کا آغاز کرتا ہے، یہ کیوں؟ جانوروں میں سے کسی جانور کا کوئی بچّہ روتا نہیں ہے، یہ خاصیت صرف انسان کی ہے کہ انسان ہی کا بچّہ روتا ہے اور کوئی بچّہ نہیں روتا ہے کسی بھی جانور کا کوئی بچّہ روتا نہیں ہے لیکن انسان کا بچّہ روتا ہے، کیا اِس سے ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اِس رونے میں بشری خاصیت ہے یا کہ انسانی فضیلت ہے، اِس لئے کہ اِس رونے میں کسی جانور کا کوئی بچّہ شریک نہیں ہے اور اسی میں دُوسری وضاحت یہ ہے کہ بچّہ جب پیدا ہوتا ہے تو اُس کو زبان نہیں آتی ہے، وہ بول نہیں سکتا ہے، اپنے دکھ درد کا اظہار نہیں کر سکتا ہے کسی حاجت کے بارے میں نہیں کہہ سکتا ہے، کوئی طلب نہیں کر سکتا ہے کوئی (Demand) نہیں کر سکتا ہے، کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، کہہ نہیں سکتا ہے کہ وہ سونا چاہتا ہے، کہہ نہیں سکتا ہے کہ اُس کو سردی لگ رہی ہے، کہہ نہیں سکتا ہے کہ اُس کے پیٹ میں تکلیف ہے، ہر ہر موقع پر اور ہر ہر حاجت کے لئے وہ رونے کو استعمال کرتا ہے، تو پھر اُس کی مہربان ماں سمجھتی ہے، اُس کی رونے کی زبان کو سمجھتی ہے، ہر بات کو سمجھتی ہے، تو گویا اس بچّے کے لئے اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہے اور بنیادی رحمت ہے۔ بچّے کی دُعا بھی یہی ہے، مناجات بھی یہی ہے، فریاد بھی یہی ہے، مطالبہ بھی یہی ہے، طلب بھی یہی ہے، گفتگو بھی یہی ہے اور ہر چیز، مانگنا بھی یہی ہے تو مہربان ماں اسی رونے کے ساتھ ساتھ سمجھتی ہے کہ سلانا ہے یا نہلانا ہے یا دودھ پلانا ہے، اُس کو جگانا ہے اور کیا کرنا ہے، کھولنا ہے یا اُس کو بند کرنا ہے سب باتوں کو وہ جانتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم راہِ خدا میں ایک طفلِ شیر خوار کی طرح ہیں تو ہمیں ایک حساب سے یہ کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ اچھے اچھے الفاظ میں خدا کو خوش کریں اور اُس کو اپنی گفتگو سے متأثر کریں پھر منوائیں۔ ہم یہ اقرار کیوں نہیں کرتے ہیں کہ اُس کے راستے میں ہم نہ تو چل سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں، نہ کچھ کر سکتے ہیں بس صرف ایک طفل شیر خوار کی طرح رو سکتے ہیں۔ ہم اپنے درجے کو اتنا پست اتنا (Low) کیوں نہیں رکھتے ہیں کہ ہم خود کو اُونچا قرار دیتے ہیں اُس کے ساتھ، قانون بازی کرتے ہیں، (Demand) کرتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے وہ بھی کریں جائز طریقے سے لیکن سب سے پہلے یہ کرنا چاہئے۔ جب ہم رُوحانیت کے راستے میں دودھ پیتے بچّے کی طرح ہیں اور اُس سے بڑھ کر نہیں ہیں ہم ایک بالغ انسان کی طرح تو نہیں ہیں، ہم کسی منزل پر نہیں ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہماری رُوحانی ماں ہم کو گود میں اُٹھائے، ہمارا رُوحانی باپ ہم پر مہربان ہو جائے، ہم کو اُٹھا کے کسی منزل تک پہنچائے، ہم اگر یہ چاہتے ہیں تو ہم کو رونا چاہئے۔ تو بس اسی ایک گریہ وزاری سے وہ خود سمجھے گا کہ ہمارے لئے کیا کرنا ہے پھر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہم رونے کی زبان میں اُس سے گفتگو کریں بس صرف روئیں جیسے ایک چھوٹا سا بچّہ ماں کے سامنے روتا ہے تو ماں سمجھتی ہے پھر ماں کو دُوسری زبان میں سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ خود بہتر سمجھتی ہے۔ اب ایسے میں اگر موقع ہے تو سجدے میں جائیں وہیں پر دن میں جو خامیاں آپ سے سرزد ہوئیں تھیں اُن کی معافی چاہیں اور ایک مومن کی نیند

سوجانے کے لئے دُعا گزاریں اور ایک حقیقی مومن کی طرح بروقت جاگنے کے لئے دعا کریں اور صبح کی جو عبادت ہے اُس میں کامیابی کے لئے دُعا کریں۔

دیکھ لینا! یاد رکھنا! اگر آپ یہ مسلسل عادت ڈالیں گے تو آپ کو اِس سے بہت فائدہ ہوگا۔ مثلاً یہ اِس لئے ضروری ہے کہ آج کل کا جو زمانہ ہے بہت ترقّی کا زمانہ ہے، ٹھیک ہے اسماعیلیوں کو اِس سے انکار نہیں ہے لیکن آپ کو کس مُوڈ میں سونا چاہئے اور سونے سے پیشتر کیا کرنا چاہئے؟ سونے سے پیشتر آپ کو پانچ منٹ نہیں تو تین منٹ خدا کو یاد کرنا چاہئے، یہ اِس لئے کہ آپ نیند کی دُنیا میں جاتے ہیں وہ موت کی طرح ہے، آپ قیامت میں چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ جو نیند ہے وہ چوبیس گھنٹے کا حساب کتاب ہے اور اِس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض دفعہ آپ خواب میں ڈر جاتے ہیں یا بُرا خواب دیکھتے ہیں۔ کیا اِس کے لئے مومن کو کچھ بندوبست نہیں کرنا چاہئے اور اِس لئے کہ آپ بعض دفعہ صبح نہیں جاگ سکتے ہیں پھر آپ کو پشیمانی ہوتی ہے اور دن بھر آپ کو یہ بات چبھتی ہے کہ آپ کیوں بروقت نہیں جاگے۔ اگر آپ کا یہ احساس ختم ہوگیا ہے اور ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ آپ کو احساس ہی نہیں ہے یہ بات الگ ہے، نہیں تو اگر آپ میں مومن کی نزاکتیں ہیں تو صبح کی عبادت جیسے ہی فوت ہوجائے گی تو آپ کو اِس کا احساس ہوجائے گا، اِس لئے شام کے وقت دُعا کرنی ہے اور اِس لئے بھی کہ صبح کے وقت آپ [جو] دُعا کریں گے وہ کامیاب ہوگی ذکر نہیں ہوگا اُس کے لئے بھی دُعا کرنی ہے اور نیند ایک موت ہے کیا معلوم انسان اُس نیند میں جائے اور پھر واپس دُنیا میں نہ لوٹے عجب نہیں اِس لئے کہ آپ دن میں کام کاج کرتے ہیں اور دُنیا والوں کے ساتھ کوئی بھی معاشرہ ہے معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہیں اور دُکان، اسکول، کالج جاتے ہیں تو اُس وقت بہت سے غیر لوگ بھی ہوتے ہیں اُن کے ساتھ ہم رہتے ہیں، بیٹھتے ہیں ٹھیک ہے لیکن ہمارے دل کے اندر قسم قسم کے آلے ہیں، ہمارے اندر ریکارڈنگ بھی ہے، ٹائپنگ بھی ہے اور فون جیسی کیفیت بھی ہے اور دُوربین جیسی کیفیت بھی ہے اور ٹی وی جیسی کیفیت بھی ہے اور بہت سی چیزیں ہیں۔

دن کو جہاں ہم چلتے ہیں پھرتے ہیں اُن کے نقشے ہمارے ذہن میں بیٹھ جاتے ہیں [یعنی] دُکان، بازار، گلی، کوچہ، باغ، درخت، لوگ، جانور، آسمان، زمین کی ہر چیز، یہ تو اچھا نہیں ہوا کہ ہم نے دن بھر وہ ریکارڈنگ کی۔ اب بس یہ چیز صبح عبادت کے وقت ایک قیامت برپا کرے گی، ہر چیز اسمِ اعظم کی طاقت سے زندہ ہوجائے گی اور وہ چیز بھی زندہ ہوجائے گی جس کو ہم نہیں چاہتے ہیں یعنی دُنیا والے، دوست، دشمن [اپنے] بیگانے ہر چیز، جس کو ہم نے سُنا، جس کو ہم نے دیکھا وہ سب ہمارے اندر ہے۔ اُس کو مِٹانے کے لئے کیا بندوبست ہونا چاہئے، اس کے لئے کوئی چارہ ہونا چاہئے وہ یہ کہ شام کو ہم ان چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس امکانیت کو سامنے رکھتے ہوئے خداوند سے یاری چاہیں اور اگر پُرتاثیر عبادت ہو تو یہ سب چیز مٹ جائے گی اور وہ عبادت ہمارے ذہن میں بیٹھے گی، خدا کا نام ہمارے دل میں بیٹھے گا، جب کہ

ہمارا دل اِس قابل ہو، جب کہ ہمارے اندر سعادت ہو تو یہ سب چیز کو مٹا کے ہمارے لئے خدا کا نام ایک جگہ بنالے گا پھر اسی کے ساتھ جب ہم سوئیں گے تو ہمارا سونا معجزانہ ہو جائے گا، ہمارے خواب اچھے آئیں گے اور اسی طرح ہم جاگیں گے خوشیوں کے ساتھ اُمنگوں کے ساتھ، شوق اور جذبے کے ساتھ، نئے جذبات کے ساتھ اور نئی اُمنگوں کے ساتھ ہم بیدار ہو جائیں گے، ان جذبات کی مدد سے ہم عبادت کی طرف دوڑ پڑیں گے اور وہاں عبادت میں بیٹھیں گے وہاں پر کامیابی ہوگی۔

تو مطلب یہ ہے کہ عبادت کو عبادت سے ملانا ہے اور رُوحانیت کی حرارت کو حرارت سے ملانا ہے، صبح کی عبادت سے ہمارے اندر جو حرارت و گرمی پیدا ہوتی ہے اُس کو برقرار رکھنا شام کی عبادت تک پہنچانا اور شام کی عبادت کو صبح کی عبادت سے ملانا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے اندر جو دین کا سرمایہ ہے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور وہ سرمایہ ہی نہ رہے ہمارے باطن کے اندر ایسی چیزیں آئیں کہ بس ہم اُن ہی کے ہو کر رہیں اُس وقت ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے، وہ یہی سبب ہے کہ دین نے ہم کو تاکید کی ہے کہ مومن کو چاہئے کہ وہ دائم الذکر ہو جائے۔ دائم الذکر ایک (Term) ہے، ایک اصطلاح ہے، دائم الذکر کسے کہتے ہیں؟ دائم الذکر کون ہے؟ دائم الذکر وہ مومن ہے جس کے دل کی زبان ہمیشہ مولا کا نام جپتی ہے، وہ اندر ایک آواز ہے، وہ اندر ایک روشنی ہے، وہ اندر ایک گفتگو ہے، وہی مشین گھومتی رہتی ہے، وہی ذکر چالو ہے، وہی زبان چلتی رہتی ہے پھر مجال ہے کہ کوئی دُوسری چیز آوے، کوئی دُوسری چیز نہیں آتی ہے۔ اِس لئے وقتاً فوقتاً گریہ وزاری اور ہمیشہ خدا کا نام یاد کیا جائے۔

قرآن نے یہ بتا دیا ہے کہ مومن کثرت سے خدا کو یاد کرے: اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (۳۳:۴۱)۔ خدا کو کثرت سے یاد کرو۔ اب دانا مومن کو سوچنا چاہئے کہ کس طرح کثرت سے خدا کو یاد کرے، اِس پر گفتگو ہونی چاہئے اس پر سوچنا چاہئے۔ بس قرآن نے اتنا کہہ دیا کہ تم کثرت سے خدا کو یاد کرو اور یہ نہیں بتایا کہ کن کن صورتوں میں اور کن کن اندازوں میں خدا کو کثرت سے یاد کرو۔ اِس کے کئی طریقے ہیں ایک تو یہ ہے کہ بس ہمیشہ ایک ہی نام کو جاپے جاپے جاپے اور چوبیس گھنٹہ وہی ایک نام جاپے یہ کثرت سے ذکر ہے اور کثرت سے خدا کو یاد کرنا ہے یا نہیں تو کچھ گنان پڑھے، کچھ کتاب پڑھے، کچھ نیک کام کرے، کچھ علم کی باتیں کرے اور کچھ اسم پڑھے، کچھ یہ اسم پڑھے، کچھ وہ اسم پڑھے یہ مومن کی مرضی ہے اور فرصت ہے، چاہے وہ ہمیشہ ایک ہی میوہ کھاوے کوئی حرج نہیں ہے، چاہے وہ مختلف میوے کھائے۔ اگر ایک ہی ذکر کرنے سے وہ ذکر جم جاتا ہے اور ہمیشہ چلتا رہتا ہے ٹھیک ہے اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو مومن خود کو مجبور کرے کہ کچھ گنان پڑھے کچھ اچھی دینی کتابوں کا مطالعہ کرے وہ بھی ذکر ہے، اُس میں دین کی باتیں اور امام کی باتیں ہیں اور کچھ کھُلی زبان سے خدا کو یاد کرے، کچھ دبی زبان سے خدا کو یاد کرے، کچھ دل میں خدا کو یاد کرے، کچھ آنکھ کا ذکر کرے، کچھ کان کا ذکر کرے، کچھ زبان کا ذکر کرے، کچھ پاؤں کا ذکر کرے، کچھ ہاتھ کا ذکر کرے تو (Total) اِس کا ذکرِ کثیر یعنی کثرت سے خدا کو یاد کرنا ہوگا مختلف احوال میں تو یہ دائم الذکر ہوا اور جو مومن دائم الذکر ہوتا ہے اُس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں آتی ہے

جو اُس کو ستاوے یا ذکر پر اثر انداز ہو جائے یا باطن کو تاریک کرے۔ یہ گریہ وزاری کی تعریف ہے تو وقتاً فوقتاً مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے باطن کو پاک و پاکیزہ بنائے جس طرح مومن ظاہری اور جسمانی طور پر ہاتھ پاؤں دھوتا ہے لباس کی شستہ شوی کرتا ہے اور ہر بار وہ ہاتھ دھو کے وہ کھانا کھاتا ہے، وہ نہاتا ہے، ہاتھ منہ دھوتا ہے، اِس طرح دل کی شستہ شوی یہ ہے کہ مومن گریہ وزاری کرے تا کہ عبادت و بندگی میں کامیابی حاصل ہو، سکون حاصل ہو اور تسلّی ہو اللہ سے نزدیکی حاصل ہو اور دل کی پاکیزگی ہو، یہ طہارتِ ظاہری اور باطنی کی بات تھی اور آپ قرآن میں جائیں تو طہارتِ ظاہر و باطن کی بہت بڑی اہمیت ہے اور ہم امام کو پیغمبر کو پاک اور معصوم مانتے ہیں یہ صحیح بات ہے، نہ صرف پیغمبر اور امام معصوم ہیں بلکہ اُس کے پرستار اُس کے پیروکار اُس کے فرمانبردار مومنین بھی پاک اور پاکیزہ ہیں۔

ایک مثال مجھے پیش کرنی ہے یہ تو آپ جانتے ہیں کہ سلمان فارسی کے لئے پیغمبر نے کیا ارشاد فرمایا ہے، وہ ارشاد فرمایا ہے کہ: سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہے، محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ میں سے ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اہلِ بیت کی شان میں قرآن میں کیا ارشاد فرمایا ہے، قرآن نے تو یہ فرمایا کہ: وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (۳۳:۳۳)۔ خدا نے اُن کو پاک و پاکیزہ بنایا۔ اب اِس بات کو اِس سے ملائیں کیا پیغمبر کے فرمانے کے بعد ہم باور نہیں کریں گے کہ سلمان فارسی بھی حسنؑ اور حسینؑ کی طرح پاک و پاکیزہ تھا اور اگر پاک و پاکیزہ تھا تو کس معنی میں اور کس حیثیت میں اور اس کا نتیجہ کیا ہونا چاہیئے، بس اُن کے باطن میں نور منوّر ہو رہا تھا پاک و پاکیزگی کے معنی یہ تاریکی نہیں تھی روشنی تھی علم تھا۔ جس طرح حسنؑ اور حسینؑ کا باطن پاک تھا، جس طرح فاطمہؑ کا باطن پاک اور پاکیزہ تھا کیا آپ باور کرتے ہیں۔ اب آیئے امام کے فرمان کی طرف کیا امام نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ: ''تم سلمان کی طرح ہو سکتے ہو'' آپ یاد کریں کسی فرمان کا، مجھے تو لگتا یوں ہے کہ امام نے یوں فرمایا ہے بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ: ''تم اہلِ بیت کی طرح ہو سکتے ہو'' (کچھ مندرا۔ ۲۸۔ نومبر۔ ۱۹۰۳ء)۔ اور دُوسری بات کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔ یہ تو محمد اور آپ کے بزرگ آل کے لئے ہے اور پیغمبر نے فرمایا کہ یہ تو سلمان تو ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں، اگر سلمان اہلِ بیت میں سے ہیں نہ صرف پاکیزگی میں اہلِ بیت میں سے ہیں بلکہ دُرود میں بھی اہلِ بیت میں سے ہیں۔ پھر آیئے امام کے فرمان کی طرف، اگر آپ کے لئے بھی یہ ممکن ہے کہ سلمان کی طرح ہو سکتے ہیں تو جب ہو سکیں گے تو آپ دُرود میں بھی شامل ہو جائیں گے اور پنجتن کی طرح پاکیزگی میں بھی شامل ہو جائیں گے، علم میں بھی اُن کے ساتھ شرکت کریں گے، نور میں بھی اُن کے ساتھ شرکت کریں گے، معرفت میں بھی اُن کے ساتھ شرکت کریں گے: سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ یعنی سلمان ہم اہلِ بیت میں سے ہیں، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اہلِ بیت کی جو زمین ہے جو دنیوی مال و متاع ہے اُس کو تقسیم کر کے اُس کو دے دیا جائے۔ وہ بات الگ ہے، سب سے پہلے اِس میں یہ معنی ہے کہ رُوحانی درجے میں، علم میں، پاکیزگی میں، نور میں، دُرود

میں اور ہر مرتبے میں ہمارے ساتھ ہے۔

پاکیزگی کا وہ سرا اِس حد تک جا رہا ہے، تو کیا اِس امکانیت کے باوجود ہمارے یہاں پاکیزگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟ جن کے مذہب میں یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ پیغمبر کی آل میں سے ہو سکتے ہیں [یا] جن کو یہ نظریہ نہیں ہے [یا] جن کا یہ عقیدہ نہیں ہے تو اُن کے لئے نہ تو پاکیزگی کا کوئی خاص بڑا نتیجہ (Result) ہے، نہ اُن کی کوئی اتنی بڑی اُمید ہے۔ ہم کو ہمارے امام نے یہ تعلیم دی ہے اور امکانی طور پر ہم کو اہلِ بیت کے ساتھ ملایا ہے اور یہ ہمارے اُوپر رکھا ہے کہ علمی طور پر اور عملی طور پر کوشش کر کے ہم خود کو اہلِ بیت کے ساتھ ملا سکتے ہیں یا نہیں۔ کیا امام کی بڑی مہربانی نہیں ہے کہ اُس نے ہمارے لئے آسان کر دیا اور ہمیں یہ نظریہ دیا، ہم کو یہ تصوّر دیا کہ ہم اہلِ بیت میں سے ہو سکتے ہیں، تو پھر صلوات میں بھی ہو سکتے ہیں، پاکیزگی میں بھی ہو سکتے ہیں، معرفت میں بھی ہو سکتے ہیں، نور میں بھی ہو سکتے ہیں، فضیلت میں بھی ہو سکتے ہیں اِس میں کیا بات ہے۔ بیٹا اپنے باپ سے خود کو قریب مانتا ہے اتنی بات ہے، اگر ہم نے گزشتہ مجالس میں مونور یالزم کی بات کی تھی آج ہم اسماعیلی عقیدے کی روشنی میں اور پاکیزگی کے تصوّر میں خود کو امام سے قریب تر ثابت کرنے کے لئے کوشش کی جاتی ہے یہ ممکن بات ہے۔ ہم پڑھتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ ہمارا تصوّر اس میں یہ ہے کہ ہم محمد اور آلِ محمد پر صلوات پڑھیں، ٹھیک ہے لیکن اِس کے اندر ہم خود بھی شریک ہیں۔ آپ قرآن میں دیکھیں میں آپ کو بتاتا ہوں خدا اور اس کے فرشتے مومنین پر صلوات پڑھتے ہیں۔ اگر صلوات کا پڑھنا یا دُرود کا بھیجنا مومنین کے لئے ممکن نہ ہوتا تو خدا نے کیوں فرمایا کہ خدا اور اُس کے ملائکہ مومنین پر دُرود بھیجتے ہیں صلوات پڑھتے ہیں۔ اِس سے اِس تصور کے سمجھنے میں آسانی ہو گئی کہ بے شک جہاں خدا اور اُس کے فرشتے صلوات پڑھتے ہیں مومنین کے لئے تو اِدھر سے بھی یہ ممکن ہے جو میں نے تشریح کی اُس میں بھی یہ بات ممکن ثابت ہوئی کہ صلوات میں مومنین کا حصہ ہے، دُرود میں مومنین کا حصہ ہے۔ خدا کے اور فرشتوں کے مومنین پر دُرود پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی تاویل امام ہے اور فرشتوں کی تاویل مومنین ہیں۔

امام ہمارے لئے دُعا کرتے ہیں تو یہ صلوات ہے، صلوات کے معنی دعا کے ہیں، امام دُعا پڑھتے ہیں ہمارے لئے دعا کرتے ہیں اِس دُعا میں ہمارے لئے صلوات ہے اور صلوات کے معنی رحمت ہیں اور صلوات کے معنی دُرود ہیں اور مومنین روئے زمین کے مومنین کے لئے دُعا کرتے ہیں یہ ہوا فرشتوں کا صلوات پڑھنا۔ تو ہر طرف سے وہی راستہ ہے جو مرکز ہے اسی مرکز کی طرف اُس میدان میں کہیں سے کوئی رُکاوٹ نہیں ہے اِس چوگرد سے ہم گھوم کے کسی ایک مرکز کی طرف آتے ہیں جو حقیقت کا مرکز ہے، تو اس سے مومنین کی فضیلت اور پاکیزگی ثابت ہے، وہ خود کو ایک اعلیٰ مقام تک پہنچا سکتے ہیں ان کی فضیلت ثابت ہے، ان کا مرتبہ مسلّمہ ہے، جب بات یہ ہے تو مومن کو کوشش کرنی چاہئے اور اس شخص کی کوشش بے سود ہے جس کا کوئی رستہ نہیں ہے جس کی کوئی فضیلت نہیں ہے جس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ جب مومن کے

لئے یہ مرتبہ ہے جب مومن کا یہ مقام ہے جب مومن کی یہ امکانیت ہے تو پھر سستی باعثِ نقصان ہے، باعثِ نقصان ہے۔

ایک چھوٹی سی مثال ہے مگر اس میں اچھے معنی ہیں، بادشاہ کا کوئی بیٹا تھا وہ گاؤں کے مکتب میں، اسکول میں بھیجا جاتا تھا اسکول میں جو پڑھانے والا تھا اُستاد تھا وہ رعیت کے بچوں سے کچھ اور سلوک کرتا تھا اور بادشاہ کے بیٹے سے کچھ اور سلوک کرتا تھا یعنی بادشاہ کے بیٹے پر وہ بہت ظلم کرتا تھا، بہت سختی ڈالتا تھا، کرتے کرتے ایک دن بادشاہ کے بیٹے سے نہ رہا گیا اُس نے اپنے باپ سے شکایت کی کہ معلم اتنا مارتا پیٹتا ہے بار بار ستاتا ہے، تو بادشاہ کو کچھ غصہ اور کچھ گلہ آیا اور معلم کو طلب کیا اور پوچھا کہ اُستاد ہمارا تو آپ پر بہت بھروسہ ہے اور جہاں رعیت کے بچوں سے آپ نرمی اور مہربانی کا سلوک اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں وہاں ہمارے بچے سے یہ سختی کیوں روا رکھتے ہیں، تو اُستاد بڑا دانشمند تھا اس نے بہت اچھا دانشمندانہ جواب دیا کہا کہ یا بادشاہ! رعیت کے بچوں کو رعیت بننا ہے اُن کو بادشاہ تو نہیں بننا ہے لیکن آپ کے فرزند کو کل بادشاہ بن جانا ہے اُس کے اُوپر بڑی بڑی ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی اس لئے اگر میں اس سے مہربانی کروں گا تو یہ میری اُس سے دشمنی ہوگی اور کل کو میری مہربانی کی وجہ سے اپنی سلطنت کو نہ سنبھال سکے گا اور دشمن اُس کے ہاتھ سے ملک کو چھین لیں گے اور رعیت برباد ہو جائے گی، لہٰذا میں اُس کو بادشاہ بنانا چاہتا ہوں، تو تب بادشاہ نے سمجھ لیا اور اُس پر بہت بہت مہربانی اور انعام کر کے اُس کو واپس کیا۔ آج اس مثال کے برعکس ہم اسماعیلی ہیں جو بادشاہ کے فرزند ہونے کے باوجود ہم خود کو رُوحانی سلطنت کے لئے تیار نہیں کر رہے ہیں ہم اِس مذہب سے اُلٹا فائدہ لینے کے لئے کوشش کر رہے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم اسماعیلی ہیں ہم کو نجات ملے گی اور امام سب کچھ کام کرے گا اِس تصوّر سے ہم خود کو نالائق اور نااہل بنانے کے لئے کوشش کرتے ہیں، اِس تصور سے ہماری وہ رُوحانی اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیتیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیتیں سلب ہو جاتی ہیں اور پھر بعد میں کہتے ہیں کہ ہماری رُوحانی ترقّی نہیں ہوئی، ہمارا یہ نہیں ہوا، ہمارا وہ نہیں ہوا، ہمارے پاس علم نہیں ہے اور ترقّی نہیں ہے۔ پھر اس سے ہمارے اندر ایک تصور پیدا ہوتا ہے کیا معلوم اسماعیلی مذہب کیسا ہے اور امام نے جو دینے کی چیز دی وہ معلوم نہیں کیسی ہے ہم اس کو بدلیں گے اور دوسری چیز لیں گے کہ جس میں وہ بہت زیادہ آسان ہو وہ پُر اثر ہو یہ کوشش کرتے ہیں اس سے ہمارے اندر یہ تصور ہوتا ہے کہ جو اگلی چیز تھی اس میں کم تاثیر تھی اس کی وجہ سے ہماری ترقّی نہیں ہوئی (Next) لے لیں گے اس سے ہمارا بہت فائدہ ہوگا چونکہ ہماری نفسیات ایسی ہی ہوتی ہے اس لئے امام ہماری نفسیات کے پیشِ نظر دُوسرا اسم دوسرا بول ہم کو عنایت کرتے ہیں اور وہ نہیں بتا سکتے ہیں کہ دیکھو اگلے میں اور پچھلے میں کیا فرق ہے وہ بھی اسم یہ بھی اسم [ہے کیا] یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ امام نے تم کو پہلے کمزور چیز دی اور پھر تمہاری کوشش سے پاورفل چیز دیں؟ یہ بات نہیں ہے حکمت کچھ اور ہے، وہ ہماری نفسیات ہے، وہ ہماری خواہش ہے وہ ہمارا باپ [ہے] اس لئے ہماری خاطر سے وہ اس چٹھی کو بدلاتے ہیں۔ اصل میں یہ کوتاہی یہ قصور ہمارا اپنا ہے کہ ہم

کوشش نہیں کرتے ہیں جیسا کہ میں نے کہا کہ ہم وہ بات دھرانے کی کوشش کرتے ہیں ، پدرم سلطان بود ، اس محاورے میں یوں لگتا ہے کہ کسی شخص نے اپنے باپ کے بادشاہ ہونے پر فخر کیا اور خود [تو] ناخلف تھا، نااہل [تھا] تو جب ضرورت پیش آئی تو اس نے باپ کا ذکر کیا کہ پدرم سلطان بود، میرے والد جو تھے وہ بادشاہ تھے، اگر ایسا شخص اپنی قابلیتوں سے ثابت کرتا کہ وہ بادشاہ کا بیٹا ہے تو اس کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی لوگ سمجھتے کہ یہ بادشاہ کا لڑکا ہے۔ عمل سے کہلانا چاہئے تھا اس کی کیا ضرورت تھی کہ وہ دُہرائے کہ پدرم سلطان بود، پھر لوگوں نے مذاق اُڑایا اور یہ محاورہ بن گیا اس کا ردِ عمل یہ ہوا یعنی اس کا اُلٹا ردِ عمل ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ ہماری ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں ہمیں کوشش کرنی چاہئے، محنت کرنی چاہئے علم میں آگے بڑھنا چاہئے سختی سے عبادت کرنی چاہئے تاکہ ہم رُوحانی ترقی میں آگے بڑھیں، دیکھتے ہیں کہ معجزہ کس قدر قریب ہے، رُوحانی معجزہ کس قدر قریب ہے، تو مومن اگر کوشش کرے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ رُوحانی ترقی نہ کر سکے ایسے چہرے، ایسی فضیلتیں، ایسے بچے، ایسے اسماعیلی، ایسے مومن، اسی عمر میں بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے عزم بالجزم کیا جائے کسی چیز کو نہ دیکھا جائے، بس اسماعیلی مذہب اور امام کی ہدایت کو دیکھیں اور بس میدانِ عمل میں کود پڑیں ہمت سے کام کریں سختی سے مشق کریں عادت ہو جائے گی بس، ایک دن ایسا بھی آئے گا اُس میں مومن محسوس کرے گا کہ کوئی اُس کو جگا رہا ہے آواز آ رہی ہے یہ عادت ہو جائے گی آواز آئے گی جگایا جائے گا ٹائم پر وہ بیٹھے گا، وہ (Set) ہو جائے گا پھر طاقت آئے گی اُس کو اِس طرح سنبھالے گی وہ (Set) ہو جائے گا پتا نہیں چلے گا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے جماعت خانے میں ہے یا باہر ہے، کس طرف منہ ہے مغرب کی طرف یا مشرق کی طرف شمال کی طرف یا جنوب کی طرف پتا نہیں چلے گا، اس کا جسم سُن ہو جائے گا، درد، دُکھ دُور ہو جائے گا اور اس کی روح پیشانی میں مرکوز ہو جائے گی اس کا ذکر پیشانی میں مرکوز ہو جائے گا اور ذکر خود بولنے لگے گا ایسا نہیں کہ روز بروز وہ بھاری سے بھاری ہوتا چلا جائے گا یہ ممکن ہے کہ وہ آسان سے آسان ہو جائے گا، یہ قرآن کا اشارہ ہے یہ امام کا فرمان ہے کہ جیسے جیسے مومن عبادت و بندگی میں ریاضت کرتا ہے محنت کرتا ہے اُس کے لئے یہ بوجھ آسان ہو جاتا ہے، پھر وہ ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ روحانی روشنی دیکھنے میں آتی ہے اور اس کو مشقت کا صلہ اور اجر کئی کئی گنا زیادہ ملتا ہے اور جس نجات کے لئے دُوسرے لوگ قیامت کا انتظار کرتے ہیں وہی نجات مومن کو اسی روز ملے گی جب کہ اس کو عبادت میں کامیابی حاصل ہو گی اور میرے خیال میں اتنی سی گفتگو کافی ہے۔ شکریہ مہربانی آپ نے توجہ سے سنا۔

یا علی مدد!

ٹائپنگ: اکبر علی پروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی (ق س) کا پُرحکمت بیان

عنوان: مومن کے باطن میں نورِ امامت کا طلوع ہونا

کیسٹ نمبر: ۳۲۔اے   تاریخ: ۳۰ / مارچ / ۱۹۷۹، کراچی

Click here for Audio

تو عزیزانِ من! اب مجلس کے اگلے حصّے کا آغاز ہوتا ہے، یعنی میری مُراد ہے کہ ہم مجلس کو دو اہم حصّوں میں تقسیم کریں گے۔ اگلے حصّے میں، میں جو کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں اُس کا موضوع ہوگا کہ مومن کے باطن میں نورِ محبّت کا طلوع ہو جانا، مومن کے باطن میں نورِ محبّت کا طلوع ہو جانا، آپ اندازہ کریں کہ کتنا عمدہ اور کس قدر عالیشان موضوع ہے، مومن کے باطن میں نورِ محبّت کے سورج کا طلوع ہو جانا۔ سب سے پہلے اِس موضوع کے لفظی معنی میں جائیں تو آپ کو خوشی محسوس ہوگی، اِس میں ایک ایسا عالیشان تصوّر ہے جس سے ہم کو پتا چلتا ہے کہ مومن کے باطن میں نور کے سورج کا طلوع ہو جانا کس طرح صحیح ہے۔ جس طرح اِس مادّی دُنیا میں جب سورج کے نکل جانے [یعنی] اُس کے طلوع ہو جانے کا وقت قریب آتا ہے تو اِس مادّی دُنیا کی تاریکیاں دُور ہو جانے لگتی ہیں اور رفتہ رفتہ سورج طلوع ہو جاتا ہے تو اُس وقت دُنیا کے اندر سوائے چند سایوں کے، تاریکی کا نام و نشان مِٹ جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بات سچ ہے کہ مومن کے دل میں بھی نورِ ایمان کا ایک سورج، نورِ محبّت کا ایک آفتاب طلوع ہو جاتا ہے اور ایسے سورج کے طلوع ہو جانے کے لئے کیا کیا شرائط ہیں یا مومن کی کیا کیا تیاریاں ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اِس مادّی کائنات کا سورج خود از خود طلوع ہو جاتا ہے، جب اُس کے طلوع ہو جانے کا وقت آجاتا ہے لیکن مومن کے دل کی دُنیا میں نورِ محبّت کا سورج خود از خود طلوع نہیں ہوتا، جب تک کہ مومن خود کو اِس کے لئے قابل نہ بنالے، اسی لئے میں نے اِس موضوع کو چھیڑا ہے، تاکہ حقیقی مومنین، اِس کی تیاری کو خوب سمجھیں اور خود کو اِس قابل بنائیں کہ اُن کے باطن میں نور کا سورج وقتاً فوقتاً طلوع ہو جائے۔

تو اِس سلسلے میں یہ گزارش ہے کہ مومن جب یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے دل کے اندر ایک ایسی عاجزی کی کیفیت مسلّط کرے، اپنے باطن میں ایسی حقیقی محبّت پیدا کرے [یعنی] کہ وہ امامؑ کی محبّت ہے وہ نور کی محبّت ہے، دین کی محبّت ہے اور اُس میں دیدار کا تصوّر ہے، امامؑ کی ملاقات کا تصوّر ہے۔ جب ایسی محبّت مومن اپنے آپ میں پیدا کرتا ہے تو اُس وقت اِس نور کے سورج کے طلوع ہو جانے کی امکانیت پیدا ہو جاتی ہے، جب مومن یقین رکھتا ہے، جب مومن بھروسہ کرتا ہے کہ امامؑ کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کو چاہتا ہے وہ ہر وقت اپنے رُوحانی فرزندوں پر اُمید سے، توقع سے زیادہ مہربان ہے، وہ رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ ہماری عاجزانہ دعاؤں کو سنتا ہے، ہماری گزارشات کو قبول فرماتا ہے، وہ اُن مومنین کی دعاؤں کو قبول

فرماتا ہے، جو یقین سے صداقت سے اور اخلاص سے دُعا گزارتے ہیں اور خود کو بہت ہی عاجز قرار دیتے ہیں۔ وہ منزلِ فنا سے خود کو قریب تر کر دیتے ہیں، منزلِ فنا سے میری مُراد [یہ] کہ بندۂ مومن خود کو کُچھ نہ سمجھے، بہت ہی محتاج، بہت ہی عاجز اور بہت ہی بے بس قرار دے، تب خداوندی رحمت جوش میں آتی ہے، یہ ایک قسم کی فنا ہے، اِس سے پیشتر بھی فنا کے سلسلے میں کافی وضاحتیں ہو چکی ہیں، تو فنا کوئی ایک قسم کی نہیں ہے، فنا بہت قسم کی ہے۔

جب مومن خود کو بہت ہی عاجز قرار دیتا ہے اور اپنی عبادتوں پر فخر نہیں کرتا ہے وہ ہر عبادت میں ہر خدمت میں کمی محسوس کرتا ہے، تو اُس وقت رحمتِ خداوندی قریب تر آتی ہے اور بندۂ عاجز کو گھیر لیتی ہے، اس لئے مومنین بالیقین سب سے پہلے اپنے دل کے اندر عجز وانکساری کا ایک ایسا انقلاب پیدا کریں کہ جس کی زد میں آ کر مومن کی انا کُچھ وقت کے لئے فنا ہو جائے۔ فنا مستقل بھی ہے [اور] عارضی بھی ہے۔ جس طرح کہ کوئلے کے ایک ٹُکڑے کو جب انگاروں کے درمیان رکھا جاتا ہے، تو اُس وقت وہ کوئلہ فنا ہو جاتا ہے اور اُس کا فنا ہو جانا یہ ہے کہ اُس کی سیاہی، تاریکی مٹ جاتی ہے اور وہ آگ کی بدولت نور بن جاتا ہے۔ دُنیا کی آگ میں یہ تاثیر ہے کہ ایک کوئلے کو اپنا کر اُس کی سیاہی کو اُس کی تاریکی کو دُور کر کے اُس کو اپنی ہم صفت بنا لیتی ہے تو کیا امامؑ کی سچّی محبّت اِس مادّی آگ سے کُچھ کم ہے کہ وہ کُچھ بھی نہ کر سکے ایسی بات نہیں ہے۔ یقین ہونا چاہیے کہ مومن بہت جلد اپنے آپ کو تبدیل کر سکتا ہے اور وہ اِس کے لئے محتاج بھی ہے، دیکھئے کہ عبادت کامیاب سے کامیاب بھی ہے اور ناکام سے ناکام بھی ہے۔ کامیاب ترین عبادت وہی ہے، جس میں کہ بندۂ مومن اپنی انا کو فنا کر سکے ہم تو فنا کے قائل ہیں ہم تو فنا کو چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے امامؑ نے فنا کا تصوّر اچھی طرح سے سمجھا دیا ہے، ہمارے امامِ عالی مقام حضرت مولانا سلطان محمد شاہ صلوت اللہ علیہ نے اپنی کتاب آپ بیتی میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اِنہوں نے انسانی زندگی کا تجزیہ کیا، یعنی عملی طور پر اُنہوں نے ایک عالی قدر انسان کی زندگی گزاری اور زندگی گزارتے ہوئے یہ دیکھا کہ کامیابی کا رستہ کونسا ہے۔ اُن کے نزدیک یہ بات محقق ہوگئی کہ انسان کو اگر کامیابی چاہئے تو دُوسرے میں خود کو فنا کر دینا چاہئے'' [آپ بیتی، ص: ۵۴۶]۔ یہ امامؑ کے بیان کا خُلاصہ ہے اب ہمیں چاہیے کہ اِس بات کو سمجھیں کہ امامؑ کے اِس ارشاد کے مطابق ہمیں کس میں فنا ہو جانا چاہیے۔ اپنے مانند ایک انسان میں فنا ہو جائیں تو بس ایسا ہی رہیں گے، ہمیں اگر فنا ہو جانا ہے اور اُس میں فائدہ ہے تو انسانِ کامل میں فنا ہو جانا چاہئے اور وہ انسانِ کامل پیغمبرؐ اور امامؑ ہیں۔ تو امامؑ کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم اپنے مرشدِ کامل میں فنا ہو جائیں، لیکن تعلیم کے بغیر، تربیت کے بغیر اور عملی مشقوں کے بغیر ہم کس طرح مرشدِ کامل میں فنا ہو سکتے ہیں، آپ دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی پیشہ، کوئی فن، کوئی علم، کوئی ہُنر مشق کے بغیر کورس کے بغیر، تعلیم کے بغیر کامیاب نہیں ہے۔

دُنیا کے کتنے پیشے ایسے بھی ہیں جن کو بارہا آزمانے کے باوجود، جن پر بار بار ریسرچ ہونے کے باوجود پھر بھی اُس میں ریسرچ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ زمینداری (Agriculture) کو دیکھئے اور ڈاکٹری کو دیکھئے اور دُوسرے پیشوں کو

دیکھئے ۔ہمیشہ سے اُن میں ریسرچ ہوتی رہتی ہے ۔اسی طرح بہت ممکن ہے کہ عبادت میں بھی ترقّی کی گنجائش ہو،مشقوں کی گنجائش ہو، ریسرچ کی گنجائش ہو، آج کل دُنیا کے بعض مما لک میں اسی رُوحانی ترقّی کے سلسلے میں ریسرچ ہو رہی ہے، مشقیں کی جارہی ہیں، تو میرا مقصد ہے کہ اگر ہم نے انسانِ کامل میں فنا ہو جانا ہے، تو اِس سلسلے کی تیاری چاہیے، اِس سلسلے کی تعلیم چاہیے، کورس چاہیے، تحقیق چاہیے یعنی ریسرچ چاہیے۔

عزیزانِ من، دُوسرے میں فنا ہونے کی ضرورت و اہمیت اِس لئے [بھی] ہے کہ بس خدا کی بادشاہی ہی ایسی ہے کہ ہر چیز گھومتی رہتی ہے، چکر کاٹتی ہے، ہر چیز خدا کی سلطنت میں روان دوان ہے، کسی چیز کو رُکنا نہیں چاہیے ۔اگر کوئی چیز رُکی تو اُس کی ترقّی نہیں ہوئی، كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۲۱:۳۳) کائنات و موجودات کی ہر ہر چیز ایک دائرے پر ہمیشہ سے گردش کرتی رہتی ہے، تو انسان بھی ارتقاء کے اِس دائرے پر ہر وقت گھومتا رہتا ہے اور اِس کی زندگی اسی میں ہے، اِس کی ترقّی اسی میں ہے، اِس کی پیشرفت اسی میں ہے ۔صوفیوں میں جو اہلِ طریقت ہیں [اُن میں] ایک بہت عمدہ تصوّر ہے وہ فنا کا تصوّر ہے، اِس طرح سے کہ وہ مانتے ہیں کہ پہلے پہل فنا فی الشیخ ہے، یعنی جو سالک ہے، جو مومن ہے اور جو عاشق ہے اُس کو سب سے پہلے مرشدِ کامل میں فنا ہو جانا چاہیے ۔جب اُس کو اِس پہلی فنا میں کامیابی ہو تو پھر اُس کے بعد اسی کے وسیلے سے وہ فنا فی الرّسول ہو سکتا ہے، یعنی پیغمبر میں فنا ہو جانا۔ جب وہ فنا فی الرّسول میں کامیاب ہو جائے تو پھر رسول کے وسیلے سے فنا فی اللہ کی طرف آگے بڑھ سکتا ہے، فنا فی اللہ اور بقا باللہ یہ سالک اور مومن کی منزلِ آخرین ہے اِس کے بعد کوئی منزل نہیں ہے ۔جب خدا میں فنا ہو جائے اور خدا ہی میں بقا پائے تو وہ بقالازوال اور غیر فانی ہو جاتی ہے، جیسا کہ اسماعیلی نکتۂ نگاہ سے میں نے کبھی اسی مجلس میں ایک حدیثِ قدسی بیان کی تھی اب میں اُس کو (Repeat) کرتا ہوں اور وہ ارشاد یہ تھا کہ ''يَابْنِىْ اٰدَمَ '' اے ابنِ آدم'' اَطِعْنِىْ '' میرا کہا مان'' اَجْعَلُكَ مِثْلِيْ حَيًّا لَا تَمُوْت '' تاکہ میں تجھ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ کر دونگا کہ تو کبھی نہیں مرے گا'' وَ عَزِيْزًا لَا تَذِلُّ '' اور ایک ایسی عزت عطا کرونگا کہ تو کبھی ذلیل نہ ہو جائے،'' وَ غَنِيًّا لَا تَفْتَقِر '' اور ایسی دولتِ لایزال، ایسی دولتِ لازوال عطا کرونگا کہ تو کبھی فقیر نہ ہو جائے ۔اِس کا خلاصہ ہے کہ خدا بندے سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ بندۂ مومن کو خدا بنا لیگا اور اپنے سے ایک کرلے گا، یہ ارشاد اِس تصوّر کے موافق اور مطابق ہے اور اِس قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں جیسے مونوریالزم اور جیسے ایک دُوسری حدیث کے مطابق گنجِ مخفی کا پانا اور اُس کا مالک بن جانا وغیرہ۔

تو اب آیئے جو شروع میں ہم نے بات کی تھی کہ بندۂ مومن کے دل میں کس طرح نور طلوع ہو سکتا ہے اُس موضوع کی طرف لوٹ کر آیئے اور اُس کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجئے کہ بندۂ مومن کے دل میں نورِ معرفت یا نورِ محبّت کس طرح طلوع ہو جاتا ہے، اُس کی اچھی طرح سے وضاحت کریں، اُس کو اچھی طرح سے سمجھ پائیں ۔تو عزیزانِ من ! میں تو یہ کہوں گا کہ عاجزی، انکساری سب سے بڑی طاقت ہے، جس طرح آپ مانتے ہیں کہ گناہوں کی جڑ تکبّر ہے، تو ثوابوں کی بنیاد عاجزی ہے، چونکہ بات دو

ضد چیزوں کے درمیان ہوتی ہے۔جس طرح شیطانی طاقت سب سے زیادہ خطرناک ہے،اسی طرح رحمانی قوت سب سے زیادہ مفید ہے، کچھ اِس قیاس پر سوچیئے کہ تکبّر جتنا خطرناک ہے،اُس کے مقابلے میں عجز وانکساری کس قدر مفید اور سودمند ہے،یہ تو ایک منطق ہُوئی ،ایک دلیل ہُوئی ،ایک ثبوت ہُوا عجز وانکساری کی تعریف میں۔آپ اِس کو مانتے ہیں لیکن عجز وانکساری کس طرح حاصل کریں؟ دیکھیں اپنی بیشمار محتاجیوں کا تصوّر کریں،دل ہی دل میں سوچیں کہ آپ کی کیا کیا حاجتیں ہیں یا کہ آپ اپنی چھوٹی موٹی غلطیوں کا احساس کریں،دل کو نرم کرنے کا دُوسرا طریقہ یہ ہے یا یہ کہ خداوند نے کیسی کیسی نعمتیں آپ کو عطا کر دی ہیں،اُن کا تصوّر کریں۔لازمی بات ہے کہ اِس سے آپ کے دل کے اندر نرمی پیدا ہو جائے گی ،میں نے کہا یا تو اپنی بیشمار حاجتوں کا تصوّر کریں کہ آپ کی کتنی کتنی حاجتیں ہیں اِس دُنیا میں اور دین کے سلسلے میں،آخرت کی طرف سے دُنیا کی طرف سے آپ کی کتنی حاجتیں ہیں،ہر حاجت کو پیشِ نظر رکھیں ہر حاجت کو دل میں لائیں کہ آپ کی فلان فلان حاجتیں ہیں یا اگر مشکلات ہیں تو اُن کو بھی اِن حاجتوں کے زُمرے میں شمار کریں۔پھر میں نے کہا یا تو چھوٹی بڑی غلطیوں کا احساس رکھیں کہ انسان جائز الخطا ہے،انسان سے بھول ہوتی ہے غلطی ہوتی ہے،اِس میں بھی مومن کے لئے ایک مہربانی یہ ہے کہ مومن اپنے گناہوں کی لکڑیوں میں آگ لگائے اور پھر اُس سے ایک پاور پیدا کرے،نہیں تو میں نے کہا کہ نعمتوں کا تصوّر کریں کہ خدا نے آپ پر کیا کیا انعامات کئے ہیں اور سب سے بڑی نعمت دین ہے،معرفت ہے،شناخت ہے،ست پنتھ ہے کہ آپ کو راہِ راست عطا کی گئی ہے،جس پر کہ آپ گامزن ہیں۔

آپ مومن ہیں آپ میں بصیرت ہے،خدا کی نعمتوں کی شناخت کر سکتے ہیں،بہت ساری نعمتیں ہیں یا نہیں تو آپ اپنے اندر رَشک پیدا کریں نیک کاموں کے لئے پھر بزرگانِ دین کا تصوّر کریں کہ انہوں نے کیسے اچھے اچھے کارنامے قائم کئے،اُن کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے،اُن کے کارناموں کو سراہتے ہوئے،اُن کے احسانات کو مانتے ہوئے آپ خود کو خداوند کے حضور میں محتاج قرار دیں،اِس سے ایک جذبہ اُبھرے گا اور دل میں نرمی آئے گی۔خداوند کی جب دستگیری ہو،اُس کی یاری کام کرے اُس کی طرف سے تائید حاصل ہو،توفیق ملے تو ضرور آپ کے دل کے اندر عجز وانکساری کی کیفیت طاری ہو جائے گی وہ کیفیت آپ کو پگھلائے گی،وہ آپ کے دل کو نرم بنائے گی،جس سے کہ ایک گونا آپ پر فنا کی کیفیت مسلّط ہو جائے گی۔فنا مٹ جانا، آپ اپنی صفات سے،اپنے خیالات سے کچھ لمحات کے لئے چھٹکارہ پائیں گے،کس قدر خوش نصیبی ہے اُن مومنین کی جو کہ کچھ لمحات کے لئے،دُنیا کے خیالات سے نفس کے وسوسوں سے چھٹکارا پاتے ہیں تا کہ وہ کچھ وقت کے لئے فنا کی کیفیت میں رہیں،نفس کے چُنگل سے رہائی پائیں،شیطان اُن سے دُور ہٹے،پھر وہ دل کی گہرائی سے امام کی طرف توجّہ دیں،تا کہ اُن کے دل میں نورِ محبّت طلوع ہو جائے،نورِ محبّت اُن عزیز مومنین کے دل میں طلوع ہو جاتا ہے جو نرم دل ہیں۔جن کے باطن میں نیکی کا عنصر غالب ہے، جو سچّے ہیں،مخلص ہیں،فدائی ہیں،عبادت و بندگی اور علم کی باتوں کے دلدادہ ہیں،جن کے دلوں میں شکوک وشبہات نہیں پائے جاتے،ایسے فرشتہ صفت مومنین کے دل میں نورِ محبّت کا طلوع ہو جانا عجب نہیں۔

ہمیں ایک دُوسرے پر بھروسہ ہونا چاہئے اور دینی صداقت سے ایک دُوسرے سے سلوک رکھنا چاہئے، ہمیں بھروسہ ہونا چاہئے کہ ہم امامؑ کے رُوحانی فرزند ہیں اُس کے سچّے مُرید ہیں اور ہمیں تہیہ کر لینا چاہئے کہ دُنیا میں زندہ رہتے ہُوئے ہم سے جو ہو سکے امام کی اور اُس کی عزیز جماعت کی کُچھ نہ کُچھ خدمت انجام دینگے۔ یہ عہد کر لینا چاہئے، یہ وعدہ کر لینا چاہئے اور اقرار کر لینا چاہئے کہ ہم جو دُنیا میں آئے ہیں اُس کا مقصد کوئی کارنامہ قائم کرنا ہے، کوئی خدمت انجام دینی ہے، جماعتوں کے لئے مفید کام کرنا ہے، جب ہی تو ہم فنا ہو سکتے ہیں اور جب ہی ہمارے دل میں نورِ محبّت کا سورج طلوع ہو سکتا ہے۔ میں نے بہت سی مجلسوں میں دیکھا ہے، ایسے مومنین بھی ہیں جو اخلاص و محبّت سے با آسانی پگھل جاتے ہیں اور جن کے باطن میں، جن کے ضمیر میں اور جن کے دل میں نورِ محبّت کا سورج بار بار طلوع ہو جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اِس سورج کے طلوع ہو جانے کے ساتھ ساتھ کُچھ مادّی قسم کی روشنی نظر آئے، آپ کو اِس سلسلے میں یہ سوال نہیں ہونا چاہئے کہ اگر ہمارے دل میں نورِ محبّت کا کوئی سورج طلوع ہو جاتا ہے تو اُس دوران ہم مادّی قسم کی روشنی کیوں نہیں دیکھ سکتے ہیں؟ آپ اگر ایسا سوال کریں تو یہ سوال دُرست نہیں ہے۔ نورِ محبّت کا جو سورج ہے اُس کی کیفیت اِس دُنیا کے سورج سے مختلف ہے، اُس سورج کی روشنی کُچھ اور طرح سے ہے، اُس کی حرارت و گرمی بھی مادّی قسم کی گرمی کی طرح نہیں ہے، جُدا ہے، یہ کہ آپ کے دل میں امام کی محبّت پیدا ہو جاتی ہے اور اُس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، آپ کا ضمیر گواہی دیتا ہے، کہ آپ کسی غیر معمولی کیفیت میں ہیں تو آپ باور کریں کہ یہ علامت ہے اِس بات کی کہ آپ کے ضمیر میں آپ کے باطن میں نورِ محبّت کا سورج طلوع ہو رہا ہے۔ آپ عاجزی کے سمندر میں ڈوب رہے ہیں آپ کو عبادت و بندگی سے مزا آرہا ہے، آپ کو علم کی باتیں اچھی لگ رہی ہیں، آپ کو مجلس سے مزا آرہا ہے، آپ کو سکون مل رہا ہے، آپ کو تسکین حاصل ہو رہی ہے، آپ کو غیر معمولی قسم کی لذّت محسوس ہو رہی ہے تو یہ نورِ محبّت کے سورج طلوع ہو جانے کی علامتیں ہیں، یہ منزل کی نشاندہی ہے، یہ بُشارت ہے اور خوشخبری ہے کامیابی کی، آپ چلتے رہیے آپ کو مبارک ہو، آپ کو ایسی کیفیت مبارک ہو، آپ کو شان رہیں اور بھی اِس سمندر میں ڈوب جائیں اور ڈوبتے رہیں، بڑا لطف آئے گا، بڑی خوشی حاصل ہوگی، اِس سمندر کی تہوں میں جانے سے اور ڈوب جانے سے اور یہی کامیابی کی ایک علامت ہے۔

تو عزیزانِ من! عاجزی سب سے بڑی طاقت ہے، فنا سب سے بڑی طاقت ہے، مادّی طور پر بھی آپ نے یہ دیکھا ہے اور تجربہ کیا ہے کہ کسی چیز کے فنا ہو جانے سے ایک غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، کسی چیز کے جل جانے سے، کسی چیز کے گرمانے سے، کسی چیز کے پھٹ جانے سے، کسی چیز کے تبدیل ہو جانے سے ایک غیر معمولی قسم کی طاقت کا ظہور ہو جاتا ہے، یہ سب کُچھ فنا کا کرشمہ ہے، یہ سب کُچھ فنا کا معجزہ ہے۔ اِس لئے آپ چاہیں کہ آپ کے دل میں، آپ کے باطن میں حقیقی محبّت کی روشنی پیدا ہو جائے تو اُس کے لئے آپ عاجزی سیکھیں، عاجزی کا انکساری کا درس لیں، ادب کا درس لیں اور حقیقی عشق و محبّت کا درس لیں تا کہ آپ خود کو ایک برتر ہستی میں فنا کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور امام نے مختصر الفاظ میں یہ چاہا ہے گو کہ وہ خطاب سب دُنیا

والوں سے ہے۔امام جو بات سب دُنیا کے دانشوروں سے کرے اور سب دُنیا والوں کو امام مخاطب کرے تو وہ بات ایک لحاظ سے بہت ہی مضبوط ہوگی وہ ایک چیلنج کی حیثیت سے ہوگی کہ امام نے سب دُنیا والوں کو اعلان کر کے بتایا کہ: ''دیکھو نجات کا راستہ یہی ہے کہ انسان کو اپنے سے ایک برتر ہستی میں فنا ہو جانا چاہئے'' [آپ بیتی، ص: ۵۴۶]۔ اِس ارشاد میں ایک طرف سے اسماعیلی مذہب کی تصدیق و تائید ہے اور پھر دُوسری طرف سے اِس میں چیلنج بھی ہے کہ یہی بات صحیح ہے اور تیسری طرف سے اِس میں یہ تصدیق بھی ہے کہ جن مذاہب میں یہ تصوّر ہے وہ دوسرے، تیسرے، چوتھے درجے میں صحیح ہے۔تو اسماعیلی مذہب کا تصوّر یہی ہے اگر اسماعیلی مذہب میں سب سے اُونچے درجے میں مونوریالزم ہے تو وہ ٹھیک ہے، لیکن مونوریالزم کے مقام تک خود کو پہنچا دینے کے لئے بھی تو کوئی ذریعہ چاہئے۔مونوریالزم صرف خشک باتوں سے حاصل نہیں ہوتا، اُس کے لئے بھی عمل چاہئے اور آپ دیکھتے ہیں کہ آج جب ہم مونوریالزم کی باتیں کرتے ہیں تو اُس وقت افراد کے دل میں طرح طرح کے خیالات گزرتے ہیں، کوئی تو یہ سوچتا ہے کہ اِن کمزوریوں کے باوجود ہم خدا کیسے ہو سکتے ہیں، یہ تو کمزوری کی بات ہوگئی اگر ایسا مومن اپنے موجودہ مقام کو چھوڑ کر ایک بالا مقام پر خود کو پہنچائے تو یہ بوجھ اُس کا نسبتاً ہلکا ہو جائے گا اور نچلی سطحوں پر اِس خیال کا آنا صحیح ہے۔جب وہ اِن چیزوں کو نہیں سمجھتے ہیں تو کہیں گے کہ اتنی کمزوریاں، ایسی خامیاں، اتنے سارے گناہ پھر وہ کہیں گے کہ خدا کو تو اِن چیزوں سے کیا نسبت ہے وہ اپنے لیول کے مطابق صحیح کہتے ہونگے لیکن، جیسے جیسے وہ خود کو علمی طور پر، عرفانی طور پر اور ذکر و عبادت کے وسیلے سے اُونچا کریں گے، ویسے ویسے یہ بات اُن کو آسان نظر آئے گی۔

تو عزیزانِ من بندۂ مومن کے قلب میں صفائی اُس وقت آسکتی ہے جبکہ وہ اپنے آنسوؤں کے پانی میں دل کو، ضمیر کو پاک و پاکیزہ بنائے۔اِس کے بغیر ضمیر کی پاکیزگی بہت مشکل ہے، باطن کی پاکیزگی بہت مشکل شے ہے۔عزیزانِ من! کامیابی کا راز یہ ہے کہ مومن ہر وقت خود کو خدا کے سامنے عاجز و محتاج قرار دے، بہت ہی عاجز اور بار بار وہ خود کو فنا کرے، نظریاتی طور پر فنا کرے، ذکر و عبادت کے وسیلے سے خود کو بار بار فنا کرے، گریہ وزاری کے ذریعے سے خود کو وہ فنا کرے تا کہ وہ موجودہ منزل کو چھوڑ کر اگلی منزل میں رسا ہو سکے، یہ کامیابی ہے۔

عزیزانِ من! دل میں پاکیزگی ہونی چاہئے اور یقین ہونا چاہئے، ہم اب کچھ لمحات کے بعد یقین پر بات چیت کرینگے اور دیکھیں سوچیں کہ مومن کی کمزوریاں کیا ہیں، خود سوچیں، اپنی کمزوریوں پر ندامت اُٹھائیں تو اچھی بات ہے۔دیکھیں کہ شروع میں کیا ہُوا تھا، آدمؑ اور ابلیس کے درمیان کیا قصّہ ہُوا تھا، وہ مختصر قصّہ آپ کو یاد ہے، آپ نے سنا ہے، پڑھا ہے کہ ابلیس کو اپنی عبادت پر فخر تھا اور آدم کو اپنے گناہ پر ندامت تھی۔اِس کی منطق یہ بنی کہ ابلیس کو ایسی عبادت نے فائدہ نہیں دیا جس میں کہ فخر تھا اور آدم کو اُس گناہ نے خلافت کا تاج پہنایا جس میں توبہ کا عنصر تھا، جس میں کہ ندامت تھی، جس میں کہ سرد سرد آہیں تھیں اور گرم گرم آنسو تھے، ایسے گناہ نے آدم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور ابلیس کی خشک عبادت نے اُس کو جہنم میں جھونک دیا، یہ فرق ہے۔اِس لئے عاجزی جو ہے،

تواضع جو ہے وہ مومن کی بہت اچھی صفت ہے، خداوندِعالم نے قرآنِ حکیم کے اندر بہت واضح الفاظ میں یہ فرمادیا ہے کہ وہ اُن کو نہیں بخشے گا جو خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں، خدا کا کوئی شریک ٹھہراتے ہیں، اِس ایک گناہ کو وہ نہیں معاف کرے گا اور باقی سب گناہوں کو معاف کرے گا۔ اب اِس شرک کے بارے میں مسلمانوں کے جتنے فرقے ہیں وہ اختلاف کرتے ہیں وہ شرک ایک دُوسرے پر ڈالنے کے لئے کوشش کرتے ہیں ہر فرقہ اپنی طرف سے یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ مشرک نہیں ہے مُوحّد ہے، مُوحّد بمعنی خدا کی توحید ماننے والا خدا کو ایک ماننے والا، خدا کی توحید کا جاننے والا اور مشرک وہ جو کسی چیز کو، کسی شئی کو یا کسی موجود کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ مشرک ہے۔

کُچھ لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ اسماعیلیوں کو مشرک قرار دیں، لیکن ہمارے بزرگانِ دین نے شرک کی وضاحت کی ہے اور انہوں نے اچھی طرح سے سمجھا دیا ہے کہ شرک کی کیا حقیقت ہے، شرک کس کو کہتے ہیں، کس چیز کو کہتے ہیں؟ بزرگانِ دین نے ارشاد فرمایا ہے کہ دُنیا میں کوئی ایسا مذہب ہوسکتا ہے، جو پہلے پہل خدا کو مانے اور پھر اُس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہے کہ خدا کے علاوہ یہ بھی ہے جو خدا کے برابر کی چیز ہے، خدا کے برابر کی طاقت ہے یا خدا جیسی ہستی ہے۔ ایسا مذہب کوئی نہیں ہے، یہ اِس لئے کہ جو بھی خدا کو خدا مانتا ہے تو وہ اُس کو سب سے اعلیٰ اور برتر مانتا ہے، تمام اوصافِ کمال کے ساتھ خدا کو مانتا ہے، تو پھر اُس کے ساتھ کسی دُوسرے کو شریک ٹھہرانے کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا کا تصوّر ایسا تصوّر ہے کہ خود بخود اُسی تصوّر میں ساری اچھی صفات آجاتی ہیں اور خدا اِس تصوّر میں واحد و یکتا قرار پاتا ہے، بے نیاز قرار پاتا ہے، پھر اُس کے بعد شرک کیسے؟ اِس منطق کے بعد بزرگانِ دین یہ فرماتے ہیں کہ خدا کے درجہ میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہوتی ہے، یہ بات اصلاً امام کے درجے میں ہوتی ہے، مثلاً امام کو چھوڑ کر کسی اور کو امام تسلیم کر لینا، یہ شرکِ محض ہے۔ چنانچہ قرآن کی تاویل کی روشنی میں یہی بات صحیح ہے اور دُرست ہے کہ غیر امام کو تسلیم کر لینا شرک ہے اور ویسے بھی قرآن کے اندر جو اِس سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا ہے اُس کی روشنی میں دیکھیں تو یہی پتا چلتا ہے کہ بیشک غیر امام کو تسلیم کرنا شرک ہے اور یہ ایک ایسا گناہ ہے جو کہ معاف نہیں ہوتا اور اُس کی مختلف وجہیں ہیں۔ ایک مثال اِس سلسلے میں، میں آپ کو بیان کرتا ہوں مثلاً قرآن کی روشنی میں مومنین کا پاک ہو جانا زمانہ رسول میں یہ تھا، اِس بات پر منحصر تھا کہ پیغمبر اُن پر اللہ کی آیات پڑھیں اور اُن کو حکمت سکھا کر اُن کو پاک کریں، یہ تھا مومنوں کو پاک کرنے کا طریقہ، اب رسولؐ کے بعد ہمارے نظریے کے مطابق امامِ برحق جانشین ہیں اور اگر کوئی شخص امام کے دامن سے ہاتھ چھڑاتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ وہ پاک و پاکیزہ نہیں ہوتا ہے، اِس لئے کہ جس طرح رسولؐ اپنے وقت میں مومنین کو پاک و پاکیزہ بنالیتا تھا، اسی طرح رسولؐ کے بعد مومنین کی پاک و پاکیزگی کا انحصار اِس بات میں ہے کہ وہ امام کے لئے قائل ہو جائیں، خود کو امام سے وابستہ کر دیں تاکہ امام بحیثیت جانشینِ پیغمبر کے مومنین کو علم و حکمت سے پاک و پاکیزہ بنائیں اور جو لوگ ایسا نہیں کریں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اِس پاکیزگی سے رہ جائیں گے، اُن کے گناہ معاف بھی [نہیں] ہونگے۔

پاک اور پاکیزہ ہونے کے کیا معنی ہیں؟ دُنیا کی ظاہری نجاست پانی سے دُھل جاتی ہے لیکن جہالت و نادانی اور گناہوں کی نجاست علم وحکمت سے دُھل جاتی ہے۔ آپ قرآن میں دیکھیں اور ابھی ابھی میں نے اشارہ کیا کہ پیغمبر اپنے زمانے میں مومنین کو علم وحکمت سے پاک وہ پاکیزہ بناتا تھا تو اِس میں ایک طرف سے یہ بات آ گئی کہ مشرکین کو جو معاف نہیں کیا جاتا ہے، اُس کی توجیہہ یہ ہے کہ وہ اُس وسیلے سے الگ ہو جاتے ہیں جو کہ پاک و پاکیزگی کا وسیلہ ہے یعنی امام اور مومنین کے جو گناہ معاف ہوتے اُس کے معنی یہ ہُوئے کہ امام اُن کو علم وحکمت کے پانی سے پاک و پاکیزہ بناتا ہے یہ ہُوئے شرک کے معنی اور اِس کے اسباب کہ کیوں مشرکین کے گناہ معاف نہیں ہوتے ہیں؟ اور کیوں اِس کے برعکس جو مُوحّدین ہیں جو خدا کی توحید کو ماننے والے ہیں اُن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟ تو جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کی معرفت امام کی معرفت میں ہے، اِسی طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں خدا کی توحید امام کی توحید میں ہے، معرفت کا نتیجہ توحید ہے۔ جب فرمایا گیا کہ مومن کی اپنی شناخت خدا کی شناخت ہے تو یہ بات دُرست ہے کہ اسی میں خدا کی توحید بھی آتی ہے، بہرحال ہمارا موضوع یہ تھا کہ ہم کُچھ وضاحت کریں کہ کس طرح مومن کے باطن میں نورِ محبّت کا سورج طلوع ہو جاتا ہے، اُس کی یہ وضاحت ہے کہ مومن اپنی ایسی [بہت] ساری اُمیدوں کے ساتھ تصوّر کرے کہ یہاں رحمت کی کتنی امکانیت ہے اور مومن اپنی سُستی سے اِس رحمت سے کس قدر کُوتاہ رہا ہے، نارسا رہا ہے۔ یہاں امام کے حضور میں کتنی دولت ہے، کتنے خزانے ہیں اور مومن اپنی غفلت و نادانی کے وجہ سے کس قدر مفلس ہے، اِس کا تصوّر کریں تو پھر نتیجہ کے طور پر میں سمجھتا ہوں کہ مومن کے دل کے اندر ایک رِقت و نرمی پیدا ہو جائے گی اور وہ ضرور آنسو بہانے پر یا کم سے کم دل کو نرم کر دینے پر مجبور ہو جائے گا، اسی کے ساتھ ساتھ اُس کے باطن میں امام کی محبّت کا سورج طلوع ہو جائے گا اور جیسا کہ میں نے کہا کہ اِس سورج کی روشنی ایسی نہیں ہے کہ وہ ظاہری روشنی کے قیاس پر ہو۔ وہ تو ایک الگ روشنی ہے وہ باطنی روشنی ہے اُس کی کیفیت اُس کی حرارت اُس کی تپش اُس کی کرنیں الگ ہیں، بہرحال جب بندۂ مومن اپنے آپ کو عبادت و بندگی میں گرماتا ہے تو وہ یقین کرے کہ اُس وقت اُس پر امام کے نور کا سورج طلوع ہو جاتا ہے، ہمیشہ جماعت خانہ میں محفل میں، عبادت کے وقت، حصولِ علم کے دوران، بہت سے مواقع میں جب وہ دُعا گزارتا ہے، جب وہ اپنے خداوند کے حضور میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے تو یقیناً اُس پر امام کے نور کا سورج طلوع ہو جاتا ہے۔

میں یہ چاہتا تھا کہ آپ سب کی رُوحانی قوت سے استفادہ کروں اور آپ کو گفتگو کے مرکز کی طرف توجّہ دلاتے ہُوئے آپ کی رُوحانی طاقت کو کھینچوں اور اپنی زبان سے اُس طاقت کا یعنی مجموعی طاقت کا مظاہرہ کروں۔ چونکہ میں نے بارہا اِس کو آزمایا تھا اور اُس میں کامیابی ہُوئی تھی اور اب بھی میں سمجھتا ہوں کہ اِس میں کامیابی ہے، یعنی میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب ایک مفلس مومن گفتگو کرتا ہے یا ایک رُوحانی شخص علم کی باتیں بتلاتا ہے تو اُس وقت مجمعے میں جو مومنین بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور جو افراد حاضر ہوتے ہیں اُن کی رُوحانی طاقت بھی اِسی طاقت کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے، یہ میرا ایمان ہے، یہ میرا تجربہ ہے، یہ میرا یقین

ہے۔تو اِس محفل کے اندر میں سمجھتا ہوں ایسے افراد بیٹھے ہیں جو سچّے مومن ہیں، جو حقیقی ہیں، جو علم کے قدر دان ہیں، جو ہر طرح سے مخلص ہیں اور امام کے سچّے عاشق ہیں، تو ایسے میں بولنے والا اُن کی رُوحانی طاقتوں کو کھینچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور میں یہی کہنا چاہتا تھا۔

اب مجلس کے دُوسرے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے، وہ بھی علمی گفتگو پر مبنی ہے، اُس میں کچھ گریہ وزاری نہیں ہے، اُس میں علم کی باتیں ہیں۔ ہماری گفتگو کے دُوسرے حصّے کا آغاز یقین کے موضوع سے ہوتا ہے اِس لئے کہ یقین قرآن کے موضوعات میں سے ایک بڑا اہم موضوع ہے اور ویسے بھی مومنین کے لئے یقین ایک ایسا لفظ اور ایک ایسی اصطلاح ہے کہ بار بار اِس سے مومن کا واسطہ پڑتا ہے، لہٰذا ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم یقین کے بارے میں اپنے کُچھ خیالات کا اظہار کریں، یا کہ اِس کی کُچھ وضاحت کریں۔ اور یقین کی وضاحت کی دُوسری ضرورت یہ ہے کہ یقین کا ذکر قرآن کے شروع ہی میں ہے، جہاں پر کہ ارشاد ہے کہ: الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲:۱۔۲) یہاں ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' اُس میں شک نہیں ہے اسی مقام پر یقین کا ذکر آیا ہے۔ براہِ راست نہیں بلکہ بلواسطہ، یعنی جسے آپ (Indirect) کہتے ہیں، وہ اِس طرح کہ جب فرمایا گیا کہ اُس کتاب میں جس کا نام ''الٓمّٓ'' ہے شک نہیں ہے، تو سوال ہوتا ہے کہ اگر شک نہیں ہے تو اُس میں کیا ہے؟ پھر جواب ہے کہ اُس میں یقین ہے۔ کیونکہ شک ضد ہے یقین کی یا کہ شک مقابل ہے یقین کا، جس طرح آپ اپنے عام محاورے میں کہتے ہیں کہ یہاں سے وہاں تک دُور نہیں ہے، جب دُور نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ آپ (Indirectly) کہنا چاہتے ہیں کہ نزدیک ہے، بعض دفعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ چیز کم نہیں ہے، کم نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ آپ کہنا چاہتے ہیں کہ زیادہ ہے، پھر کبھی کبھار کہا جاتا ہے کہ وہ بہت بلند نہیں ہے، مُراد ہے کہ وہ پست ہے، پھر کہا جاتا ہے کہ یہاں روشنی نہیں ہے، مقصود ہے کہ بتانے والا یہ بتلانا چاہتا ہے کہ تاریکی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے بیان کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک ہے براہِ راست، ایک ہے بالواسطہ اب جو کُچھ براہِ راست کہنا چاہتے ہیں وہی بالواسطہ بھی کہہ سکتے ہیں، یعنی جو کُچھ آپ (Directly) کہنا چاہتے ہیں تو وہی (Indirectly) بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اِس میں فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ خدا کسی قیمتی چیز کو راز میں رکھنا چاہتا ہے، اُس کو خزانہ بنانا چاہتا ہے، اُس کو وہ گرانقدر جانتا ہے، اُس کے نزدیک وہ گرانقدر ہے، تو اُس وقت اللہ پاک ایسے الفاظ میں اُس کو بیان کرتا ہے کہ اُس کو سمجھنے والے ہی سمجھیں اور جو اِس کے اہل نہیں جو اِس کے حقدار نہیں ہیں وہ اِس تک رسائی نہ ہو جائیں، خدا کا یہ منشا ہے۔ جتنے ترجمے آپ کے سامنے ہیں اُن میں دیکھیں کہ کیا کسی نے اِس ترجمے میں یہ وضاحت کی ہے کہ اِس میں یقین ہے اور یقین کی کیفیت یہ ہے اور یہ بات ایسی ہے اور وہ بات ویسی ہے، حکمت ایسی نہیں ہے کہ سب لوگ اِس کو پہنچیں، سوائے امامؑ کے اور اُس کے اہلکاروں کے جو علم کے کاموں پر متعیّن ہیں۔

یہاں پر یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ امامؑ کے ہر کام کے لئے اہلکار ہیں، اہلکار کا کیا مطلب ہے؟ کام والے، اہل معنی لوگ،

کارمعنی کام، ہر کام کے لئے امامؑ کے الگ الگ اہلکار ہیں، کام جیسا ہو اُس کے مطابق امامؑ کے کارکُن ہیں، کارکُن کا کیا مطلب؟ کام کرنے والا، اہلکار کے بھی وہی معنی ہیں، چاہے آپ اہلکار کہیں، چاہے آپ کارکُن کہیں، تو چاہیں آپ کام کرنے والے کہیں تو امامؑ کے کام کرنے والے ہیں اور ہر زمانے میں امامؑ کے کام کرنے والے ہُوا کرتے ہیں، آپ اُن کو امامؑ کے خدمت گزار کہیں تو بہت اچھی بات ہے۔ بہرحال میں یقین کے موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں، میرے نزدیک اِس کی بہت بڑی اہمیت ہے اور ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اِس [آیت] کی بھی وضاحت کروں کہ الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲:۱۔۲) اِس ارشاد کے کیا معنی ہیں؟ ماشاءاللہ آپ میں سے بہت سے عزیز ایسے ہیں جو کہ ''ذٰلِكَ'' کو جانتے ہیں، یہ اشارۂ قریب نہیں اشارۂ بعید ہے۔ ذٰلِكَ کے معنی ''یہ'' نہیں ہیں ذٰلِكَ کے معنی ''وہ'' ہیں، تو الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (۲:۱۔۲) الٓمّٓ وہ کتاب ہے جس میں کہ کوئی شک نہیں، اگر اِس سے قرآن مقصود ہے تو اللہ پاک نے سامنے کی چیز کو دُور کی چیز کیوں قرار دیا؟ یعنی قرآن کے لئے ''ذٰلِكَ'' کیوں آیا؟ حالانکہ قرآن خدا کے سامنے ہے، لوگوں کے سامنے ہے، آپ دیکھیں گے قرآن کے دُوسرے مقامات پر ''هٰذَا الْقُرْاٰنَ'' یہ قرآن اس طرح آیا، جہاں کہیں بھی قرآن کا ذکر مقصود ہو اُس میں ''هٰذَا'' آیا ہے نہ کہ ''ذٰلِكَ'' آپ عربی کی ایک عام سے عام کتاب بھی اُٹھا کر دیکھیں گے، جس میں کہ ''ذٰلِكَ'' آیا ہے اور تمام ڈکشنریوں کو دیکھیں گے تو ''ذٰلِكَ'' کے معنی ''وہ'' جس کو گرامر میں ''اشارۂ بعید'' دُور کا اشارہ کہا جاتا ہے، ''اشارۂ قریب'' نہیں ہے یہ سامنے کے لئے نہیں ہے، دُور کے لئے ہے، ایک بات اور دُوسری علامت اِس کی ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' ہے اُس کتاب میں پرہیزگاروں کے لئے ہدایت کیوں ہے؟ سب لوگوں کے لئے ہدایت کیوں نہیں ہے؟

قرآن اللہ کی ایک ایسی کتاب ہے کہ اِس تک سب لوگ (Approach) کر سکتے ہیں، سب خاص و عام مسلمانوں کے لئے یہ مشترک ہے (Common) ہے، تو پھر اُس میں کیوں کہا گیا کہ وہ تو پرہیزگاروں کے لئے ہے، گویا اگر یہ قرآن کے لئے اور قرآن کے بارے میں فرمایا گیا ہے تو اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ قرآن کو چُھونے سے پیشتر سب لوگوں کو متقی بن جانا چاہیئے، پرہیزگار بن جانا چاہیئے اور حالانکہ پرہیزگار تمام عبادتوں کے نتیجے میں بن سکتا ہے۔ پھر تو قرآن کے آنے سے ایک اَور قرآن کی ضرورت ہوئی تاکہ اُس قرآن کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کوئی شخص پرہیزگار بنے تاکہ اِس کے نتیجے میں یہ قرآن سمجھ سکے ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' کا کیا مطلب ہے؟ اِس توجیہہ کے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ یہ جو ''ذٰلِكَ الْكِتَابُ'' ہے یہ اِس قرآن کے لئے نہیں ہے، یہ نور کے لئے ہے اور یہ قرآنِ باطن کے لئے ہے، قرآنِ ناطق کے لئے ہے۔ جیسا کہ مولانا علی صلوات اللہ علیہ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا ہے کہ: اَنَا ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ترجمہ: میں وہ کتاب ہوں جس میں کہ کوئی شک نہیں ہے۔ [منقبت ۲۸ ص: ۲۲۶، کوکبِ دُرّی]۔

اِس توجیہہ کے سلسلے میں ایک بات یہ رہ گئی کہ قرآن میں شک ہے یا نہیں؟ آپ ڈرے بغیر کہیں، آپ دل میں سوچیں کہ

قرآن میں شک ہے یا نہیں ہے۔ پہلے تو آپ یہ سمجھ لیں کہ شک کس کو کہتے ہیں، کس چیز کو کہتے ہیں؟ شک اختلاف کو کہتے ہیں، شک نہ جاننے کو کہتے ہیں، نہ سمجھنے کو کہتے ہیں اور اگر قرآن میں شک نہیں ہے اور اِس کا بیان صریح ہے، ظاہر ہے واضح ہے، روشن ہے، تو آج مسلمان اتنے سارے فرقوں میں کیوں بٹے ہوئے ہیں، شک نہیں ہے تو پھر اختلاف کہاں سے پیدا ہوگیا، میں صرف اکیلا نہیں کہتا ہوں، بہت سارے شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ قرآن میں شک ہے۔ یہ خدا کے حضور سے نہیں ہے اِس لئے اس میں شک نہیں ہے یہ یقیناً خدا کے حضور سے ہے، لیکن اِس میں سے آیتوں کا ایک حصّہ متشابہات ہیں، مثالیں ہیں، قرأتوں میں فرق ہے، سورتوں کی ترتیب میں فرق ہے، علامتوں کے تعیّن میں شک ہے، تلاوت میں شک ہے، یہ شک لوگوں نے پیدا کیا اور لوگوں کی طرف سے ہے اور اِس میں شک اِس لئے بھی ہے کہ جب دو مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو یا تو فرقوں کے درمیان یا دو گروہوں کے درمیان تو قرآن فیصلہ نہیں دے سکتا ہے، آپ [اس سے] پوچھیں سوال کا جواب نہیں دے سکتا ہے اِس لئے شک ہے اور اُس کتابِ ناطق میں کوئی شک نہیں جو سامنے موجود ہے۔ ایسی کتاب اپنے وقت میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلم تھے جو معلمِ قرآن تھے، جو نور تھے جو قرآنِ ناطق تھے جو خدا کی بولنے والی کتاب تھے وہی روشنی ڈالتے تھے، قرآن میں اگر شک نہیں ہے تو اللہ پاک نے یہ کیوں فرمایا کہ: میں نے کتاب بھیجی ہے اور ساتھ ساتھ نور بھیجا ہے (۵:۱۵)۔ بلکہ یہ آیت اِس طرح سے ہے کہ میں نے نور بھیجا ہے اور پھر کتاب بھیجی ہے، [اگر] کتاب اکیلی کافی ہے، خود ہی وہ سوال کا جواب دے سکتی ہے تو پھر نور کے بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ کتاب میں خود از خود روشنی ہو تو پھر نور کے نزول سے کیا مقصود ہے، اُس کی کیا ضرورت ہے؟ اتنی سی وضاحت سے معلوم ہوا کہ قرآن میں شک ہے اور یہ شکوک انسان خود اپنے آپ پیدا کرتا ہے اور وہ کتاب جس میں شک نہیں یقین ہی یقین ہے تو وہ کتابِ ناطق ہے اور وہ نورِ یقین ہے وہ اپنے وقت میں پیغمبر تھے اور آنحضرتؐ کے بعد امامِ برحق ہیں، جس میں کہ کوئی شک نہیں ہے جس کی ہدایت میں جس کی تعلیم میں، جس کی رہنمائی اور رہبری میں کوئی شک نہیں۔

اب اِس کے بعد جیسے میں یقین کے سلسلے میں وضاحت کرونگا تو اُس سے بھی اِس کی تصدیق ہو جائے گی اِس کی وضاحت ہو جائے گی۔ تو ''ا۔ل۔م'' حروفِ مقطعات میں سے ہے اِس کی میں نے وضاحت کی ہے یا کہ اِس کی تاویل اپنے طور پر بیان کی ہے وہ کتاب ''حکیم پیر ناصرِ خسرو اور رُوحانیت'' میں بھی ہے اور اِس کے علاوہ بھی کہیں آپ کو اِس کی تاویل ملے گی [کتاب: حکیم پیر ناصر خسرو اور رُوحانیت، سوال نمبر ۲، صص: ۶۲ تا ۶۵]۔ اب یہاں میں صرف مختصراً اِس کی تاویل بیان کرتا ہوں کہ الف سے اللہ کا مرتبہ مراد ہے اور لام سے رسولؐ کا درجہ اور میم سے امامؑ کی مرتبت مقصود ہے۔ تو ''ا۔ل۔م'' درجۂ خدا، درجۂ رسولؐ اور درجۂ امامؑ اِس کی تاویلات میں سے ایک تاویل یہ ہے۔ جس طرح آپ اپنی مروّجہ دُعا میں پڑھتے ہیں کہ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴:۵۹) تو اِس کے مطابق ہمارے یہاں تین قسم کی اطاعتیں ہیں، خدا کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت اور صاحبِ امر کی اطاعت اور حالانکہ یہ اطاعتیں بنیاد میں ایک ہی

ہیں تاہم اِس کے یہ تین درجات مقرر ہیں۔

اسی طرح ''ا۔ل۔م'' سے [یہی] تین درجے مُراد ہیں، درجۂ خدا، درجۂ رسولؐ اور درجۂ امامؑ اور اِس موضوع کے مطابق جس میں ارشاد ہُوا ہے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (۲:۲) یہ ''ا۔ل۔م'' جس کا عنوان ہے وہ کتاب ایسی ہے کہ اُس میں شک نہیں ہے۔یعنی اُس میں یقین ہے۔تو پھر یقین کے تین درجے ہُوئے جس طرح ''ا۔ل۔م'' تین حُروف ہیں، جس طرح درجۂ خدا، درجۂ رسولؐ اور درجۂ امامؑ ہے اِسی طرح یقین کے تین مرحلے یا اِس کے تین درجے ہُوئے، جس سے کہ کُلی طور پر شکوک وشبہات ختم ہو جاتے ہیں۔تو دیکھا آپ نے کہ شکوک وشبہات کی تاریکی کتنی گہری ہے، اُس کی کتنی تہیں ہیں [وہ تہہ بر تہہ ہے] کہ اُس کو پوری طرح سے دُور کر دینے کے لئے تین درجے کے یقین چاہئیں، جب ہی تو شکوک وشبہات دُور ہو سکتے ہیں۔آپ شکوک و شبہات کو جمع میں نہ کہیں واحد میں کہیں شک، شک اِس قدر گہرا ہے وہ اتنا موٹا ہے وہ اِس قدر دُور تک ہے کہ اُس کے لئے تین درجے کے یقین چاہئیں، جب ہی تو سارا شک بندۂ مومن کے دل سے دُور ہو سکے گا۔آپ کو یاد ہے کہ امام سلطان محمد شاہ صلوت اللہ علیہ نے اپنے ارشاد میں فرمایا ہے کہ: شک کرنے سے ایمان چلا جاتا ہے، شک بہت بُری چیز ہے [زنجبار، ۱۸۔۸۔۱۹۰۵ء]۔شک کا علاج یقین سے ہے، سردی کا علاج گرمی سے، گرمی کا علاج سردی سے اور تاریکی کا علاج روشنی سے ہے۔اِس کو علاج بالضّد کہتے ہیں، تو شک ایسی بُری چیز ہے جس کے لئے تین درجے کا یقین چاہیے۔

سب سے پہلے جیسا کہ آپ جانتے ہیں علمُ الیقین ہے، سب سے پہلے آپ مان لیں کہ علمُ الیقین کا زیادہ سے زیادہ تعلّق امامؑ سے ہے، امامؑ تک رسائی ہو تو علمُ الیقین آسکتا ہے، نہیں تو نہیں۔اِس مقام پر ایک عام سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دُنیا میں علم کا دَور دورہ ہے، اتنی ساری کتابیں ہیں، اتنی ساری آسمانی کتابیں نازل ہوئیں۔ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دُنیا میں آئے اور اُن کے نمائندے، گماشتے دُنیا میں پھیل گئے اور اُن تمام مقدّس ہستیوں نے دُنیا میں علم کے موتیوں کو بکھیر دیا، لہٰذا علم دُنیا میں عام ہے، یہ سوال ہو سکتا ہے۔میں کہونگا کہ نہیں! یہ بات نہیں ہے۔علمُ الیقین تازہ بہ تازہ چاہئے، کل جو تاریکی ہوئی تھی وہ چلی گئی اور جو روشنی ہوئی تھی وہ بھی ختم ہوگئی، آج اَب رات کو جو تاریکی ہوگی اُس کے لئے تازہ ترین روشنی کی ضرورت ہے۔میرا مقصد یہ ہے کہ آدمؑ کے زمانے میں جو شُکوک وشبہات کی تاریکی پیدا ہوئی تھی، اُس کے لئے اُس زمانے کی روشنی کی ضرورت تھی، علیٰ ھذا القیاس ہر زمانے میں جو بھی مسائل پیدا ہوتے تھے اُن کا حل اُس زمانے کے پیغمبر اور امامؑ بتاتے تھے۔یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا زمانہ آیا اور اُس زمانے میں جیسے حالات اور جیسے تقاضے تھے، اُن کے مطابق علمُ الیقین کی روشنی سے وہ مسائل حل کئے گئے، لہٰذا اُس زمانے کا جو علمُ الیقین تھا اُسی کے مطابق تھا اور اُسی ماحول کے موافق تھا۔اگر ماضی کا علم کام آسکتا ہے تو آج مسلمانوں کے سامنے جو مسائل ہیں وہ مسائل اُس ماضی کے علم سے حل کیوں نہیں ہوتے ہیں؟ یا یوں کہنا چاہیے کہ اگر امام کے بغیر اسلام میں کوئی علمُ الیقین ہے تو اُس علمُ الیقین کی روشنی میں یقین کے ساتھ سب مسلمان کیوں ہم آہنگ نہیں ہیں، کیوں متّفق

اور موافق نہیں ہیں کہ متفرق ہیں یہ ایک سوال ہے وہ ایسے کیوں نہیں ہیں جیسے آنحضرتؐ کے زمانے میں تھے؟۔

ایک آدمی دُوسرے سے مختلف کیوں ہوتا ہے؟ جبکہ اختلاف پیدا ہوتا ہے، جبکہ شکوک پیدا ہوتے ہیں اور اُن شکوک و شبہات کو کس چیز کی بدولت دُور کیا جاتا ہے، یقین سے، علمُ الیقین سے۔ آنحضرتؐ نے کس طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو متحد رکھا تھا؟ علمُ الیقین سے، اب اگر آنحضرتؐ بقیدِ حیات ہوتے تو ظاہر بات ہے کہ سب مسلمان متّفق ہو جاتے، کس طاقت سے؟ علم الیقین کی طاقت سے، ہدایت کی طاقت سے اور رہنمائی کی طاقت سے۔ قرآن تو اپنی جگہ پر صحیح ہے وہ اللہ کی کتاب ہے، لیکن پیغمبر کے نہ ہونے سے مسلمان منتشر ہو گئے، اِس سے بات ظاہر ہوئی کہ معلمِ قرآن کی اہمیت ہے نہ کہ تنہا قرآن کی، کیونکہ شکوک وشبہات کا ازالہ وہی معلمِ قرآن کرسکتا ہے۔

اب آیئے علمُ الیقین کے سلسلے میں مزید بات سنئے کہ علمُ الیقین وہ علم ہے جس سے کہ مومنین کے شکوک وشبہات دُور ہو جاتے ہیں، سوالات حل ہو جاتے ہیں، تسلّی ہوتی ہے اُن کو، اُن کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے اُن کا یقین آگے بڑھتا ہے، تو یہ علمُ الیقین ہے، علمُ الیقین! ایسا علم، ایسا یقین جس سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے اور ایک طرح سے علمُ الیقین یہ ایک آنکھ کا کام کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۞ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ (۱۰۲:۵۔۶)۔ ایسا نہیں جیسا کہ تم سوچتے ہو، ایسا نہیں جیسا کہ تم جانتے ہو، اگر تم علم الیقین جانتے ہوتے تو تم اسی دنیا میں جہنم کا مشاہدہ کرتے، جہنم کو تم دیکھتے، حالانکہ جہنم ردوزخ عام اسماعیلی تعلیمات کے مطابق اُن چیزوں میں سے ہیں جو ظاہر میں ہیں، لیکن قرآن بتلاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس علم الیقین ہو تو وہ جہنم کو اِس دنیا میں دیکھ سکتا ہے، علم الیقین ایک ایسی روشنی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر علمُ الیقین کی روشنی میں جہنم کا مشاہدہ ہوسکتا ہے، اُس کو دیکھا جاسکتا ہے، اُس کا معائنہ کیا جاسکتا ہے، تو بہشت کا بھی معائنہ ہوسکتا ہے۔ تو علمُ الیقین کی ایک تعریف یہ ہے کہ وہ ہم کو بصیرت عطا کرتا ہے وہ ہماری آنکھ بن کر ہم کو دکھلاسکتا ہے، کیونکہ علمُ الیقین ایک نور ہے، ایک روشنی ہے۔ جہاں شکوک وشبہات ظلمت کی طرح ہیں وہاں پر علمُ الیقین نور کی طرح ہے، جہاں شکوک وشبہات بیماری کی طرح ہیں وہاں علمُ الیقین دوائی کی طرح ہے۔ ایک خواندہ یعنی پڑھا ہوا اسماعیلی جس نے اسماعیلی علماء سے استفادہ کیا ہو، جس نے اسماعیلی کُتب کا مطالعہ کیا ہو، جس نے بہت سی مجالس میں حاضری دی ہو اور جس نے امام کے فرامین اور پیروں کے گنانوں کا مطالعہ کیا ہو اُس کے دل میں شکوک وشبہات بہت کم پائے جاتے ہیں، کیونکہ اُس کے پاس علمُ الیقین ہے۔

بہرحال علمُ الیقین ایک ایسے علم کو کہتے ہیں جس میں کہ بالکل تسلّی ہوتی ہے، اطمینان ہوتا ہے، یقین ہوتا ہے، اِس کے بعد عین الیقین ہے۔ عین الیقین [یعنی] یقین کی آنکھ، اِس عین الیقین کے لئے آپ صبح بیٹھتے ہیں، یعنی دل کی آنکھ حاصل کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں، عبادت کرتے ہیں اور اِس کے علاوہ بھی آپ جدوجہد کرتے ہیں اُسی عین الیقین کے حصول کے

لئے جدو جہد کرتے ہیں، یہ عین الیقین ہے۔ وہ نورِ باطن ہے یا کہ دیدۂ دل کہیں، چشمِ باطن کہیں، دل کی آنکھ کہیں یا معرفت کا نور کہیں وہ عین الیقین ہے، یقین کا دُوسرا درجہ ہے کیونکہ ہمارا موضوع یقین کے بارے میں ہے اور یقین کی تحلیل کرنی ہے، یقین کا تجزیہ کرنا ہے، تو یقین کا دُوسرا درجہ یہ ہے۔ اُس میں مومن آنکھ کھولے بغیر بیٹھے، [وہ] اپنے آپ میں ایک کائنات کو پاتا ہے، ایک دُنیا کو دیکھتا ہے، اُس میں علم کی ہر چیز ہے، ہر چیز ہے وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۳۶:۱۲) کا مظاہرہ اور مشاہدہ عین الیقین سے ہوتا ہے۔ یقین کی آنکھ سے پتا لگتا ہے، دیکھنے میں آتا ہے، مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ امام کی ذات میں، امام کے نور میں کائنات اور موجودات کی ہر ہر چیز محدود ہے، امام کے نور میں ہر ہر چیز سموئی ہوئی ہے وہ اپنے نورانی مشاہدے میں دیکھتا ہے، مشاہدہ معنی دیکھنا، یہ عین الیقین ہے۔ تو پھر وہ خدا، رسولؐ اور امام کے درجے کو اپنے دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے، اِس سے پہلے اُس نے علمُ الیقین کے مقام پر خدا، رسولؐ اور امام کے متعلق یا رُوح کے بارے میں آخرت کے بارے میں بہت عمدہ طریقے سے سُنا تھا اب وہ دیکھتا ہے۔ پہلے اُس نے جو جو باتیں سُنی تھیں اُن باتوں کو اب اپنی آنکھ سے مشاہدہ کرتا ہے دیکھتا ہے، حتیٰ کہ خدا کا دیدار کرتا ہے، بہشت کو تو خود دیکھتا ہے، آخرت کو تو خود پاتا ہے، قیامت کا تو خود ہی مشاہدہ کرتا ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں رہتی ہے جو مشاہدے میں نہ آوے۔ میں ذرا اِس پر زور ڈالونگا کہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خدا کی معرفت ہوتی ہے، خدا کا دیدار ہوتا ہے، لیکن بہت ساری چیزیں دیکھنے میں نہیں آتی ہیں، یہ بات نہیں ہے۔ آپ اندازہ کریں آپ سوچیں کہ اگر خدا کا دیدار ممکن ہے تو پھر ایسی کونسی چیز ہے جو عین الیقین کے مقام پر دیکھنے میں نہ آوے، کوئی چیز نہیں ہے، کوئی چیز نہیں ہے۔

ٹائپنگ: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی ؒ کا پُرحکمت بیان

عنوان: مومن کے باطن میں نورِ امامت کا طلوع ہونا

کیسٹ نمبر: ۳۲۔ بی تاریخ: ۳۰/ ۳/ ۱۹۷۹، کراچی

Click here for Audio

ازل !ابد!موت! حیات!فرشتے!جنّت!دوزخ!اور ہر چیز کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اسی کے نتیجے میں معرفت مکمل ہو جاتی ہے، یہ عین الیقین کا مقام ہے۔ اب درمیان میں اپنے موضوع کی یاد دہانی بھی کرواؤں کہ ہمارا موضوع کیا تھا ایسا نہ ہو کہ آپ بھول جائیں، ہمارا موضوع ہے یقین اور اس سلسلے میں مَیں نے سب سے پہلے یہ بات کہی تھی کہ: ذٰلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيْه (۲:۲) وہ ایسی کتاب ہے کہ اُس میں کوئی شک نہیں، اُس میں یقینِ کامل ہے تین درجے کے یقین ہیں، علم الیقین بھی ہے، عین الیقین بھی ہے اور حق الیقین بھی ہے، تو کیا اِس نوعیت کا یقین صرف قرآن کے ظاہر کو پڑھنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اِس میں آپ کو اندازہ ہوا کہ قرآن کے معنی اسماعیلیوں کے پاس کیسے ہیں [یعنی] قرآن کی حکمت۔ [امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے ایک ارشاد میں فرمایا ہے: قرآنِ شریف حکمت اور دانائی سے پڑھنا تو ہی بہتر ہے، جو حکمت اور دانائی کے بغیر پڑھتا ہے وہ گدھے کی طرح ہے۔ حکمت سے پڑھو گے تو تمہیں فائدہ ہوگا۔ (کلامِ امامِ مبین حصہ اول۔ زنجبار۔ ۱۴۔ ۹۔ ۱۸۹۹)]۔

کہ اگر تم قرآن کو حکمت کے ساتھ پڑھتے ہو تو صحیح ہے، اور ایک دُوسرے ارشاد میں فرمایا ہے کہ قرآن کو اگر حکمت اور حقیقی معنوں کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا ہے تو اُس کی مثال ایسی ہے کہ کسی گدھے پر یا خچر پر یا گھوڑے پر کتابوں کا ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔ وہ بیچارہ جانور بوجھ کو اُٹھائے جا رہا ہے، اُس کو کیا معلوم کہ اُس کی پُشت پر کیا چیزیں لادی گئی ہیں، یہ مثال قرآن میں یہود کے بارے میں ہے۔ [مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵:۶۲)]۔ کیونکہ زمانۂ رسول میں ایسی مثال کا اطلاق اُن لوگوں پر ہونا دُرست تھا جنہوں نے صاحبِ وقت کو چھوڑ دیا تھا اور اب بھی جو لوگ رسول کے نور کو نہیں پہچانتے ہیں تو اُن کے متعلق یہ مثال دُرست ہے کہ بہت ساری کتابوں کے اُٹھائے رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، جب تک کہ حقیقت سمجھ میں نہیں آتی ہے، جب تک کہ اُس کی تہہ میں جانے کے لئے کوشش نہیں کی جاتی ہے، جب تک کہ اُس کے باطن میں جانے کا وسیلہ نہ ہو، جب تک کہ کتاب کا نور نہ ہو، اُس کے لئے اقرار نہ ہو۔

میں یہ ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں اِس وضاحت سے کہ اسماعیلیوں کے پاس قرآن کی حکمت کس شان سے ہے، تو ہمارا موضوع تھا یقین، جس کے ثبوت میں، مَیں نے قرآن کی شروع کی آیت سے وضاحت کی الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيْه

(۲:۱۔ ۲) دیکھئے ! آپ اگر پورے قرآن کو نہیں پڑھتے ہیں تو کم سے کم اِس آیت کو تو پڑھ لیں۔ ایک دانشمند کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر کتاب کو دیکھے، میں قرآن کے لئے نہیں کہتا ہوں یہ ایک عام مثال ہے۔ وہ کسی کتاب کو اُٹھاتا ہے، مصنّف کو دیکھتا ہے، کون ہے؟ پھر اُس کی فہرست کو دیکھتا ہے کیا کیا موضوعات ہیں، وہ سمجھ لیتا ہے کتاب کی اہمیّت کو اور اگر پڑھے تو اُسی طور سے پڑھتا ہے نہیں تو اُس پر بھروسا کرتا ہے، نہیں تو اُس پر بھروسا نہیں کرتا ہے یہ سب کچھ کتاب کے نام سے، مصنّف سے اور فہرست سے رفہرستوں سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپ جب الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (۲:۱۔ ۲)۔ اِس آیت کو سمجھ پائینگے تو نتیجتاً آپ کو یہ تاثر ہوگا [یا تاثر ملے گا] کہ قرآن اسماعیلیوں کا (Favour) کرتا ہے، پھر آپ کو قرآن کے متعلّق شک باقی نہیں رہے گا۔

قرآن اُن لوگوں کا (Favour) کرتا ہے، اور اُن لوگوں کی زیادہ سے زیادہ رہنمائی کے لئے تیار ہے جو قرآن کے ساتھ ساتھ ''معلّمِ قرآن'' کو بھی مانتے ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے زمانوں [کے بارے] میں آپ سوچیں کہ کوئی کتاب خود ازخود آئی تھی یا اُس کا کوئی معلّم تھا اور اُس پیغمبر کے دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد دُوسرا کوئی پیغمبر اُس کا جانشین ہو کر اور اُسی کی شریعت کو چلاتا تھا، [کیا] ایسا نہیں کرتا تھا؟ کبھی بھی عوام کے ہاتھ میں دین کا اقتدار نہ آیا اور نہ دیا گیا، پیغمبر اور اُس کا جانشین یہی تصوّر ہے خدا کے دین میں۔ اِسی معنی میں حدیث سے بھی اِس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ رسولِ اکرم نے اپنے آخری وقت میں ارشاد فرمایا کہ میں قریب ہے کہ دنیا سے رحلت کر جاؤں اور تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ جاتا ہوں اُن میں سے ایک گرانقدر چیز اللہ کی کتاب ہے اور دُوسری گرانقدر چیز میری عترت، اشارہ امام کی طرف تھا۔ تقاضا بھی یہی ہے، منطق بھی یہی ہے اور صورت حال بھی یہی ہے۔

صورتِ حال سے میری مراد آجکل اسلام میں جو انتشار پیدا ہوا ہے وہ قرآن کے نہ ماننے سے نہیں! بلکہ معلم قرآن کے نہ ماننے سے ہے۔ اگر وہ لوگ قرآن کے ساتھ ساتھ معلّمِ قرآن کو بھی مان لیتے تو مجال ہے کہ وہ منتشر ہو جاتے۔ خدا کی رسّی بھی اِس معنی میں صحیح ہے کہ خدا کی رسّی کا ایک جُزا گر قرآن ہے تو دُوسرا جُزا امام ہے، رسّی کو کھول کر دیکھیں کہ اُس کے اندر اجزاء ہیں اور آپ اِس بات کو بھی تسلیم کریں کہ دین کا تصوّر (Institute) کی طرح ہے۔ رسالت سے مراد، رسالت کا ایک مرکز اور پھر اُس کے حدود، خدا سے مراد توحید کا ایک مرکز اور پھر عرش، لوح، قلم، جبرائیل، میکائیل، فرشتے خزانہ۔ امام سے مراد امامت کا ایک مرکز، اُس کا ایک وارث اور پھر پیر داعی، حجت وغیرہ، نہیں تو اِس زمانے کے مطابق (Institute) اور نمائندے، امام کے وارث، وزیر یہ بھی دین کا تصوّر ہے۔ کبھی بھی آپ امام کو تنہا نہیں پائیں گے، خدا کی خدائی بھی صرف ذاتِ خدا سے نہیں چلے گی، نبی کی نبوت بھی امّت کے بغیر بے معنی ہو جائیگی، تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ معلّمِ قرآن کے بغیر قرآن ہو۔ اِس تصوّر میں جو انہوں نے سمجھا ہے کہ اللہ کی کتاب کافی ہے انتشار پھیلایا ہے۔ بہر حال علم الیقین کے بعد عین الیقین کی تعریف آپ نے سُنی، آپ پہلے سے جانتے ہیں پھر اُس کے بعد حق الیقین کا مقام آتا ہے۔

حق الیقین سے مُراد توحید کا جاننا، خدا کی خدائی کا سمجھ لینا، توحید کے تصوّر کو سمجھ پانا، ہم اِس سلسلے میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتے

ہیں، جس طرح ہم نے علم الیقین کے بارے میں بہت سی باتیں بتلائیں، اور اُس کے بعد ہم نے عین الیقین کے بارے میں کافی وضاحت کی۔ اُس میں، میں نے یہ کہا کہ عین الیقین کے مقام پر مومن کے مشاہدے سے کوئی چیز نہیں بچتی ہے، ہر چیز کو وہ دیکھتا ہے اور معرفت اسی دیکھنے کا نام ہے، دیکھنے کا نتیجہ معرفت ہے۔ شناخت، شناخت کسے کہتے ہیں؟ پہچان، آنکھوں سے دیکھنا پہچان لینا تو عربی میں اِس کو معرفت کہتے ہیں، خدا کی پہچان! اِس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو کوئی خدا ہے امام اور پیغمبر سے الگ تھلگ ہے یا یہ کہ پیغمبر اور امام کے درجات کو پہچاننا خدا کو پہچاننا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سب کچھ اپنی روح کر بیٹھے۔ اپنی روح کے اندر یہ صلاحیّت ہو کہ آگے سے آگے چلنے کے بعد، خدا بھی یہاں ہو، رسول بھی یہاں ہو اور امام بھی یہاں ہو اور یہ تین درجے ایک ہو جائیں۔ یہ ناممکن نہیں ہے کہ سمجھانے کے لئے تین درجات مقرر کئے گئے ہوں اور بنیاد میں وہ ایک ہی درجہ ہو، دنیا میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً کوئی درخت ہے اُس کی تین شاخیں ہیں جبکہ وہ تنے میں ایک ہے۔ اِس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ چیزیں ایک نظر سے دیکھا جائے تو کثیر ہیں، یعنی کثرت سے ہیں اور پھر دوسری نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ ایک ہیں۔

گنتی کو دیکھیں! ایک [1] کی علامت سے ایک کی شکل سے گنتی بنتی ہے، شمار ہوتا ہے اور آخر میں یہ اعداد، یہ ہندسے، یہ ساری شکلیں ایک [1] میں ایک ہو جاتی ہیں، ایک سے پیدا ہوتی ہیں اور ایک میں ایک ہو جاتی ہیں۔ ایک سے لے کر نو تک گنتی کریں اور دس میں جائیں اور دس میں ایک تو صفر ہے اور پھر ایک ہے اور صفر کے معنی تو کچھ بھی نہیں اور ایک کے معنی یہ کہ اُس نے سارے اعداد کو اپنی ذات میں مدغم کر لیا۔ پھر اِسی طرح سَو تک گنتی کریں اور سَو کی گنتی میں، سَو کے ہندسے میں جا کر دیکھیں وہاں کوئی شکل نہیں ہے، سب اشکال غائب ہیں، دو صفر ہیں اور صرف ایک [1] ہی ظاہر ہے تو صفر کے معنی کچھ نہیں وہ دو فنا کو ظاہر کرتا ہے کہ سارے اعداد دو دفعہ فنا ہو چکے اور پھر اِس فنا کے نتیجے میں وہی ہوا جو کچھ اول میں تھا۔ اسی طرح ہزار میں جائیں پھر وہاں پر ایک ہے، دس ہزار میں جائیں، ایک لاکھ میں جائیں پھر وہی واحد ہے، عربی میں اِس کو واحد کہتے ہیں۔ تو میں حق الیقین کی بات کرتا ہوں، جس طرح ایک ایسی حقیقت بہت ممکن ہے جو کہ اصلاً وہ ایک ہو لیکن اُس کے ظہورات طرح طرح کے ہوں۔

سمندر کو آپ نے دیکھا ہے کہ وہ کس قدر عظیم ہے اور سطحِ سمندر پر موجیں آپ دیکھتے ہیں! کہ کتنی موجیں، لہریں اُٹھتی ہیں اور سب موجیں اُسی سمندر میں فنا ہو جاتی ہیں۔ موجوں کو نہیں تو بلبلوں کو دیکھیں، بلبلے! جس کو فارسی میں حباب کہتے ہیں۔ پانی کی سطح پر ایک حباب اُبھرتا ہے، پھر اُس کا وُجود مٹ جاتا ہے، جہاں سے اُس کا وُجود بنا تھا وہاں پر اُس کا وُجود ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارا ظہور، ہم میں سے ہر ایک کا ظہور اِس شخصیت میں ہے، تو کیا ہوا! ہم تو اُس دریائے عظیم کے بلبلوں کی طرح ہیں، حباب کی طرح ہیں، اُسی میں مدغم ہو جائینگے، اُسی میں فنا ہو جائینگے، یہ مونور یالزم ہے، یہ حق الیقین ہے۔

دیکھا آپ نے اسماعیلیت کو اور اسماعیلی علم کو یہ ہم کو کتنا یقین بخشتا ہے حالانکہ ہم صرف علم الیقین کی حد میں ہیں۔ ہماری زیادہ سے زیادہ رسائی علم الیقین کے طور پر ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ عزیزوں میں سے کئی افراد کو عین الیقین کا درجہ بھی ملا ہو، عزیزوں نے روشنی دیکھی ہو، میں انکار نہیں کرونگا، بہت ممکن ہے۔ لیکن پھر بھی ہم جس طرح اِس دنیا میں رہتے ہیں، تو اُس کے لحاظ

سے ہماری زیادہ سے زیادہ رسائی علم الیقین سے ہے، اِس کے باوجود ہم اِس کو بھی (Touch) کر سکتے ہیں کہ حق الیقین کیا ہے؟ حق الیقین کیا ہے! تو یہ علم الیقین کے وسیلے سے ہے میں تو یہ نہیں کرسکتا ہوں کہ میں کہوں کہ آپ آنکھیں بند کر لیجئے اور تصوّر کریں اور اتنے میں آپ کے اندر ایک روشنی کو پیدا کروں یہ بات ناممکن ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ میں آپ کو علم الیقین کے سلسلے میں بہت کچھ مدد کروں۔ جیسا کہ مولا نے فرمایا ہے کہ وہ تو دینے کی چیز نہیں ہے وہ تو امام خود ہی دیتا ہے اور اُس میں مومن کی اپنی کوشش چاہیے، دینے کی چیز یہ ہے جس کے سلسلے میں ہم (Discuss) کر رہے ہیں، گفتگو کر رہے ہیں علم الیقین ہے۔ علم الیقین عام چیز ہے دینے کے لئے ہے اِس میں گفتگو کرنے کے لئے تاکہ اِس کے بعد عین الیقین کا مرحلہ جو ہے وہ آسان ہو جائے وہ منزل وہ قابلِ حصول ہو۔

تو میں حق الیقین کی بات کرتا ہوں وہ تو خدا ہونے کا دعویٰ ہے، لیکن پھر بھی علم الیقین کی مدد سے ہم اُس کا تصوّر کرتے ہیں، اُس کے بارے میں وضاحت کر سکتے ہیں، اُس کو سمجھ سکتے ہیں مثالوں میں اُس کو بیان کر سکتے ہیں، جیسا کہ کہا گیا کہ ایک آگ ہے، ایک کوئلہ ہے، پہلے آپ دونوں کو اچھی طرح سے دیکھیں۔ کوئلہ کیا ہے اور آگ کیا ہے؟ کوئلہ ایک کالی چیز ہے تو آگ نور ہے اُس میں (Power) ہے اُس میں حرارت ہے، اُس میں ایک طرح کی جان ہے، (Energy) ہے اور یہ کوئلہ مردہ ہے! مردہ ہے! اُس میں نہ حرکت ہے، نہ روشنی ہے، نہ گرمی ہے، نہ (Power) ہے کچھ نہیں ہے۔ لیکن آپ اُٹھا کے اِس کوئلے کو آگ کے درمیان رکھیں اب اِس میں (Power) پیدا ہو جائے گا، روشنی پیدا ہو جائیگی، حرکت پیدا ہو جائیگی، طاقت پیدا ہو جائیگی۔ ہم اگر اُس بڑے (Power) سے خود کو قریب کریں نظریاتی طور پر علم کی مدد سے تو ہمارے اندر حرکت پیدا ہو گی۔ ہم اگر اس قابل ہیں تو ہم قسمت کو، تقدیر کو اور بدقسمتی کو ایسی چیزوں کو کیوں مانیں؟ جب یہ ممکن ہے اور ہم کو اِس قابل بنایا گیا ہے کہ ہم علم الیقین کے بعد عین الیقین اور اُس کے بعد حق الیقین سے واصل ہو سکتے ہیں۔ تو مونور یالزم کی بات تھی حق الیقین کی بات تھی اور خدا سے متحد ہونے کی بات تھی اور بہت سی مثالوں میں اصل سے واصل ہونے کا جو تصوّر رہے وہ صحیح ہے، فنافی اللہ ہونے کا تصوّر وہ صحیح ہے تو پھر اِدھر سے مونور یالزم وہ بھی صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ہم سب خدا سے آئے ہیں اور خدا میں واپس ہونے والے ہیں۔

لیکن اِس سلسلے میں ایک اور مضبوط بات میں [آپ کو] بتاؤں جو تقریباً آخری مرحلہ ہے وہ یہ کہ میں نے جتنی باتیں کیں وہ سب ہی سچی ہیں اور صحیح ہیں، لیکن اِس سے زیادہ مضبوط تر بات یہ ہے کہ ہماری ہستی کا ایک سرا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خدا میں ہے یہ سب سے بلند بات ہے! یہ سب سے بلند بات ہے! اس لئے کہ ہماری روحانی ہستی محدود نہیں ہے۔ ہماری روحانی حقیقت ایک پھیلی ہوئی حقیقت ہے جو ہر جگہ پر ہے، یعنی روح ایک بسیط چیز ہے روح محدود نہیں ہے وہ ایک جوہر ہے وہ ایک خدا کی صفت ہے، وہ خدا کی صفت کی روشنی ہے، جس طرح سورج کی روشنی سرچشمہ کے اندر بھی ہے اور کائنات میں پھیلی ہوئی بھی ہے۔ آپ اگر اِس بات کو قبول کرتے ہیں کہ ہم خدا سے آئے ہیں جسے قبول کرنا آسان ہے تو میں گزارش کرونگا کہ آپ اِس کو اِس طرح سے قبول کریں، جیسے سورج کی روشنی سورج کے سرچشمہ سے اور کُرۂ خورشید سے [یا] سورج کے کُرے سے جس طرح روشنی پھیلی ہوئی ہے

اِس طرح ہماری روح آئی ہے۔

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ سورج اگر اپنے آپ میں ایک بہت بڑی دنیا ہے تو یہ سورج وہاں بھی ہے اور پھیلی ہوئی روشنی کی صورت میں اِس کائنات میں بھی ہے، اِس سے بہتر کوئی مثال نہیں ہے روح کے سمجھنے کے لئے۔ میرے پاس اور بھی بہت سی مثالیں ہیں لیکن میں تمام مثالوں پر اِس کو ترجیح دیتا ہوں کہ ہماری روح خدا میں بھی ہے اور کائنات میں بھی ہے۔ مثال کے طور پر خدا کو سورج کا سرچشمہ قرار دیں، یہ گناہ نہیں ہے کہ ہم حقیقت کی تشبیہہ مادّیت سے دیں، گو قرآن میں بھی ایسی تشریحات ہیں۔ اگرچہ خدا کہاں اور ایک مادّی چیز کہاں، اِس میں بہت کمی پائی جاتی ہے لیکن پھر بھی مثالوں سے ہم کو بہت مدد ملتی ہے۔ تو آپ اپنی روح کو جاننا چاہتے ہیں تو یہ بہترین مثال ہے کہ سورج سے تشبیہہ دیں، سورج سے تشبیہہ دیں اور مان لیں کہ جس طرح سورج کی روشنی خود سورج کی ذات کے اندر بھی ہے اور اُس کے باہر بھی ہے، یہی حال ہماری روح کا ہے، پھر اِس لحاظ سے ہم سب ایک ہیں کہ سورج میں جو روشنی ہے وہ بھی اور اِس کائنات میں جو پھیلی ہوئی [روشنی] ہے وہ بھی ایک ہے۔

ہم سب ظرف ہیں، ظرف یعنی برتن، یہاں وہاں ہم میں سے ہر ایک میں وہی روشنی ہے، وہی روشنی ہے! فرق اگر ہے تو وہ آئینہ کی وجہ سے ہے۔ یہ آئینہ اگر ناصاف ہے تو اِس میں چمک بہت کم ہے یہ آئینہ زیادہ صاف ہے تو اِس میں زیادہ روشنی ہے، اِس آئینہ کا جوہر اچھا ہے تو اِس میں زیادہ روشنی ہے۔ لیکن روشنی کی ذات، اُس کی اصلیت، اُس کا سرچشمہ ایک ہے اُس کا رشتہ بھی ایک ہے، آپ سے مجھ کو نورانی رشتہ وہی ہے جس طرح دھوپ سے دھوپ کو رشتہ ہے اور اِس آئینے میں سورج کا جو عکس پڑتا ہے اور اُس آئینے میں جو سورج کا عکس پڑتا ہے اور اِن دونوں کے درمیان میں جو رشتہ ہے، نور کا، روشنی کا، سورج کا وہ رشتہ آپکا اور ہمارا ہے۔ یہ نورانی رشتہ ہے اور یہ روحانی رشتہ ہے، اِس سے بہتر رشتہ کوئی نہیں، بس یہی رشتہ ہے جو سب سے اعلیٰ ہے اور سب سے افضل ہے، سب سے مقدس ہے اور سب سے پاک ہے، اِن اُمیدوں کے علاوہ اور ہم کو کیا چاہیئے۔ اِس دنیا میں رہتے ہوئے یہ پاکیزگی کا تصوّر رہے، یہ حق الیقین ہے۔ اِس معنی میں اگر ہم اِس نظریہ کے مطابق خود کو خدا میں ابھی سے محسوس کرتے ہیں [یا] ہمارے ذہن میں یا ہمارے شعور میں یہ بات آتی ہے کہ ہماری ہستی کا ایک سرا خدا میں ہے، خدا کے سرچشمے میں ہے یعنی امام میں ہے تو ہم کو اِس سے ہمت ملنی چاہیئے اور اعلیٰ سے اعلیٰ کام کرنے کے لئے حوصلہ ملنا چاہیئے، ہمیں اُمید ہونی چاہیئے، ہمیں مایوسی نہیں ہونی چاہیئے۔

اور اسی سلسلے میں، میں یہ بھی گزارش کروں کہ پاکیزگی کا سب سے بڑا وسیلہ نور ہے، آپ شریعت کی کتابوں کو پڑھیں گے تو مطہرات یعنی پاکیزہ کرنے کے چند وسائل بتائے گئے ہیں، اُس میں سب سے پہلے پانی آتا ہے اور مٹی بھی ہے، پاکیزگی کے لئے اور دھوپ بھی ہے، وغیرہ۔ اِس طرح روحانی طور پر میں آپ کو بتاؤں کہ پاکیزگی کا سب سے بڑا وسیلہ نور ہے،، آپ نور کا تصوّر کرتے ہیں، نور کی شناخت حاصل کرتے ہیں، نور کی تابعداری کرتے ہیں، نور سے علم کو حاصل کرتے ہیں تو یہ آپ کی سب سے بڑی پاکیزگی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ ہمارے اندر ہستی کے تین عنصر ہیں، جسم، روح اور عقل! جسم، روح اور عقل! جسم کی پاکیزگی پانی میں

ہے، روح کی پاکیزگی ذکر وعبادت میں ہے، عقل کی پاکیزگی علم میں ہے، علم میں عبادت میں اور ظاہری قسم کی، مادّی قسم کی صفائی جسم، ٹھیک ہے یہ بھی ہونا چاہئے، یہ بھی ہونا چاہئے لیکن سب سے بڑی صفائی یہاں ہے، یہ نور کی صفائی ہے، یہ عبادت کی صفائی ہے، یہ پانی کی صفائی ہے۔

دنیا میں آپ کسی برتن کے اندر رومال دھوتے ہیں یا کپڑا یا ہاتھ دھوتے ہیں تو وہ برتن میں جتنا پانی ہوتا ہے وہ گندا ہو جاتا ہے، ندی میں ہاتھ دھوئیں تو ایسا نہیں ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی، ندی بھی بقدرِ اُس میں میل آتا ہے سمندر بھی ایسا ہوتا ہے۔ سمندر یا پانی ساری غلاظتوں کو دھو لینے کے بعد خود گندہ ہو جاتا ہے، اب کیا کریں؟ اور نور اُس کو پاک کرتا ہے، یعنی سورج وہ اِس طرح کہ آپ نے سائنس کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ سطحِ سمندر سے جو (Steam) وغیرہ، بخارات، بھاپ جسے کہتے ہیں وہ بلند ہو جاتے ہیں، تو اُس کے ساتھ پانی کے اندر جو معدنیات ہیں، جو نمکیات ہیں اور دیگر کدورتیں یا آلودگیاں ہیں وہ سب تہہ نشین ہو جاتی ہیں اور اِس اُڑان میں پانی اور صاف پانی اور کھڑا پانی بادلوں کی شکل اختیار کرتا ہے اور پھر وہاں سے جو پانی برستا ہے وہ اتنا پاک اور پاکیزہ ہوتا ہے کہ اُس میں کوئی بھی آلودگی نہیں ہوتی ہے اور جس کی تصدیق قرآن کرتا ہے اور خدا فرماتا ہے کہ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (۲۵:۴۸) یعنی ہم نے آسمان کی بلندیوں سے تم پر پاک اور صاف پانی برسایا۔ اِس کا مطلب ہے کہ بارش کا جو پانی ہوتا ہے وہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور اُس میں کوئی نمکیات وغیرہ، آلودگی وغیرہ نہیں ہوتی ہے، ہاں یہ بات صحیح ہے کہ پہلے دن جب بارش برستی ہے تو فضا میں جو گرد وغبار ہوتا ہے اُس میں تھوڑی سی کدورت ہوتی ہے اور ایک بار بارش برسنے کے بعد کی جو بارش آتی ہے وہ بہت ہی صاف اور ستھری ہوتی ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نور ہی آخری ذریعہ ہے پاکیزگی کا، دُھلائی کا اور تطہیر کا اور اِس سے مقصود ہے کہ امام ہی وہ ذریعہ ہے جو پاک ہے اور مومن کو [پاک کرسکتا ہے]۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ قرآن جو ہے وہ کتابِ مکنون میں ہے، قرآن ایک چھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے، حالانکہ ظاہر میں دیکھا جائے تو قرآن لوگوں کے ہاتھ میں ہے، لوگوں کے سامنے ہے، لیکن قرآن خود ہی کہتا ہے کہ قرآن ایک چھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے۔ اِس سے قرآن کی روحانی حیثیت مراد ہے، کیونکہ قرآن کی دو حیثیتیں ہیں، قرآن کے دو پہلو ہیں، جس طرح ابھی ابھی میں نے روح کے بارے میں کہا، جس طرح دھوپ ہے، سورج ایک کائنات ہے، تو یہ دھوپ جو اب اِس دنیا میں ہے، یہ دھوپ سورج میں بھی ہے، لیکن سورج میں جو ہے وہ اِس طرح سے نہیں ہے وہ بہت (Power) میں ہے وہ دھماکے کی صورت میں ہے اور وہ بہت (Energy) ہے بہت طاقت کے ساتھ، بہت (Close) ہے اور بہت (Gas) کی صورت میں ہے اور اُس میں بہت روشنی ہے۔

ہماری روح بھی جو خدا میں ہے، ہماری روح کا جو حصہ خدا میں ہے وہ (Powerful) ہے وہ خدا کی طرح ہے، خدا کے اندر خدا جیسی چیز کی گنجائش ہے اور اُس کے سوا کوئی سست اور مردہ چیز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن ہماری روح جو یہاں ہے، میں کیا کہوں اِس روح کی کمزوری کے بارے میں! یہ تو بہت کمزور ہے، جس طرح وہ روشنی وہ دھوپ جو سورج کے اندر ہے وہ

روشنی وہ دھوپ اور جس طرح یہ دھوپ یہ روشنی جو زمین پر ہے بڑا فرق ہے، اچھا! قرآن کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت اِس کی کتابِ مکنون کے اندر ہے وہ بولتا ہے! اُس میں گفتگو ہے! اُس میں روشنی ہے! اُس میں زندہ حقیقتیں ہیں! اُس میں وہی کیفیت ہے جو نزول کے وقت تھی! اُس میں جبرائیل! میکائیل! اسرافیل! قلم! لوح! تمام چیزیں ہیں۔لیکن یہ قرآن خاموش ہے، ابھی میں اِس بیان سے آپ پر واضح کرونگا کہ: إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (۵۶:۷۷۔۷۹) قرآن کتابِ مکنون کے اندر ہے، باکرامت کتاب! بزرگ کتاب! عالی شان کتاب! بولنے والی کتاب! اُس کے اندر معجزات ہیں!: لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (۵۶:۷۹) اُس تک رسا نہیں ہوتے ہیں ہر کوئی اُس تک رسا نہیں ہوسکتا ہے۔جو پاک کئے گئے ہیں وہ اُس تک رسا ہوسکتے ہیں۔

اب آپ کہیے کہ اِس کا خلاصہ اور نتیجہ کیا ہونا چاہیے، اِس کے لئے اہلِ ظاہر کہتے ہیں کہ یہ جو کتابِ مکنون ہے لوحِ محفوظ ہے، ہم کہتے ہیں کہ وہ تو امام کا نور ہے، جس کے اندر قرآن ہے اور اُس تک رسا کون ہوتے ہیں، پیر اور بزرگ اور ایسے امام کے برگزیدہ پھر مومنین، اسماعیلی پاک ہیں، ناپاک وہ ہیں جو مشرک ہیں، ناپاک وہ ہیں جن تک امام کے پاک کرنے کا ہاتھ نہیں پہنچتا ہے اور پاک وہ ہیں جن کو امام ہر طرح سے پاک وہ پاکیزہ بناتا ہے، علم سے، ہدایت سے، دیدار سے، نور سے، دعاؤں سے اور طرح طرح کے ذرائع سے اُن کو پاک و پاکیزہ کرتا ہے۔میں نے ابھی کہا نہ کہ سب سے بڑا ذریعہ پاک کرنے کا نور ہے، تو کیا جب آپ بیٹھتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں پاکیزگی نہیں ہے۔آنسو نہیں بہتے ہیں لیکن دل میں جوش آتا ہے، کیا یہ پاکیزگی نہیں ہے؟ جوش نہیں آتا ہے آپ کو اِن باتوں سے مزہ آتا ہے اور یہ باتیں آپ کو ذہن نشین ہو جاتی ہیں اِس سے پاکیزگی نہیں ہے۔آپ کوئی خدمت کرتے ہیں، امام کو [اور] امام کی رحمتوں کو چاہتے ہیں اور اسماعیلیوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں علم پھیلاتے ہیں اور دوسری ضروری خدمات انجام دیتے ہیں، کیا اِس سے آپ کی پاکیزگی نہیں ہوتی ہے، پھر گناہ کے معاف ہونے کے کیا معنیٰ؟ تو نور سے پاکیزگی کی مثال تھی کہ پانی ہر چیز کو دھوتا ہے اور آخر میں تھک کر وہ خود ہی گندہ ہو جاتا ہے، جس طرح آپ اِس سمندر کے قریب ہیں اور آپ دیکھتے ہیں کہ سمندر کے پانی کو نہ تو آپ پی سکتے ہیں نہ اُس میں نہا دھو سکتے ہیں، اُس کے اندر بہت کھارا پن ہے اور بہت کدورت اور آلودگی ہے، نمکیات ہیں، معدنیات ہیں، لیکن اُس کو سورج ہی پاک و پاکیزہ کرتا ہے۔

اسی طرح پاکیزگی کا آخری وسیلہ امام کا نور ہے اور جب نور کا تصوّر آتا ہے تو ہمارے اندر باطن میں جوش آتا ہے۔جس طرح سورج کی تپش پڑتی ہے سطحِ سمندر پر اُس وقت پانی میں جوش آتا ہے اور جوش کے آنے سے بخارات اُٹھتے ہیں اور بخارات کے اُٹھنے سے بادل بنتے ہیں اور بادلوں سے بارش برستی ہے۔تو آپ کے اندر بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کبھی کبھار امام کی محبت میں جوش آتا ہے، تو اُس وقت آپ سمجھیں کہ آپ پر نور کی تابش پڑتی ہے نور کی کرنیں پڑتی ہیں۔کبھی بھی آپ مذہبی طور پر، مزے میں ہوتے ہیں، جذبے میں ہوتے ہیں تو سمجھ لینا کہ اُس وقت آپ کے اُوپر نور کی کرنوں کو بارش ہو رہی ہے۔میں نے کہا نہ کہ یہ نور اور

وہ نور فرق ہے! مادّی نور جو ہے وہ دکھائی دینے والا ہے اور جو روحانی نور ہے وہ تو دل کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ بہرحال بات وہاں تک گئی تھی کہ حق الیقین کیا ہے، حق الیقین خود کو خدا محسوس کرنے یا خود کو خدا جاننے کا درجہ ہے کہ وہاں پر سب شکوک ختم ہو جاتے ہیں، سب شکوک ختم ہو جاتے ہیں، کوئی شک باقی نہیں رہتا وہ حق الیقین ہے! وہ حق الیقین ہے! یقین مکمل ہو جاتا ہے، یقین کامل ہو جاتا ہے، یقینِ حق ثابت ہو جاتا ہے، حق الیقین، یقین حقیقت کے رُوپ میں نظر آتا ہے تو وہ آخری درجہ ہے اور مومن کے لئے کوئی شک نہیں ہے۔

اِس کے ساتھ ساتھ میں ایک اور مثال کو پیش کرتا ہوں آپ نے وہ فرمان پڑھا جس میں امام نے مثال پیش کی ہے کہ ایک خواجہ کسی غلام کو جس قدر بھی نوازے، نوازش کرے، جتنے انعام و اکرام کرے وہ خوش نہیں ہوتا ہے، اُس کی خوشی صرف ایک چیز میں ہے کہ وہ غلام ہے ذرا چھٹکارہ پائے آزاد ہو جائے وہ یہی چاہتا ہے۔ اِس سے مثال دے کر امام سلطان محمد شاہ صلواۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اسی طرح کی ایک حقیقی آزادی بھی ہے وہ یہ کہ مومن خود کو خدا کے درجے میں پائے، مومن خود کو خدا کے درجے میں پائے (دارالسّلام ۲۹۔۹۔۱۸۹۹)۔ عام حالت میں یہ غلام ہے، غلامی کو عربی میں عبودیت کہتے ہیں، عبدیت کہتے ہیں، عبادت کہتے ہیں اور غلام کو عربی میں عبد کہا جاتا ہے اور اُس کی صفت عبادت ہے، عبادت کے معنی غلامی ہے۔ اب اگر ہم خدا کی خدائی کی یا اُس کے ساتھ واصل ہونے کی باتیں کرتے ہیں، ایک طرف سے لیکن دوسری طرف سے عام حالت میں دیکھا جائے تو ہم غلامی میں ہیں تو اِس غلامی سے نجات اُس وقت ملتی ہے جبکہ ہم اپنی مرتبت کو خدائی میں پائیں تو پھر اِس معنی میں نجات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم کو جلنے سے نجات ملے۔ اسماعیلی نکتۂ نگاہ سے نجات کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم کو عذاب سے نجات ملے، حقیقی نجات یہ ہے کہ ہم اِن تمام امتحانات سے آگے گزر کر اپنے حقیقی مرتبہ میں خود کو پائیں، یہ نجات ہے۔

بہرحال کافی باتیں ہوئیں اور اب تھوڑا سا وقت سوالوں کے لئے بھی رکھیں، کیونکہ ہم نے یہ اصول بنایا ہے کہ اگر کوئی ضروری سوال ہو تو وہ پوچھا جائے اور اگر ضروری نہیں ہے، بات میں، گفتگو میں تسلی ہے پھر اُس کی ضرورت بھی نہیں ہے، تو اِس لئے اِس مقام پر میں اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ نے سکون سے آرام سے سُنا اور میرے دل نے گواہی دی کہ آپ نے توجہ دی، مجھے پتا چلتا ہے، اپنی گفتگو کے سلسلے سے، اندازہ ہوتا ہے کہ آپ توجہ سے سُن رہے تھے اِس کے لئے میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہماری گفتگو کو سُن لیا اور اِس شکر گزاری کے ساتھ، اِس شکریہ کے ساتھ میں اپنی گفتگو کو یہاں پر ختم کر دیتا ہوں، شکریہ! بہت مہربانی! بہت مہربانی۔

سوال: قرآن میں اللہ تعالیٰ نے امام کی مثال کتاب سے دی ہے، امام کی مثال کتاب کے دینے سے یا بولتی ہوئی کتاب یا کتابِ مکنون کہنے میں کیا حکمت ہے۔

جواب: اِس کا مقصد یہ ہے کہ امام کی کئی حیثیتیں ہیں، جب ایک عام انسان اِس گفتگو کے مطابق مختلف درجات میں ہے تو لازمی طور پر امام کے بھی کئی مراتب ہیں۔ لہٰذا ایک حیثیت میں وہ کتابِ ناطق ہیں اور جب کتابِ ناطق ہیں تو قرآن میں جہاں کہیں

کتاب کا ذکر ہے تو اُس کے اندر تاویلی پہلو سے دیکھا جائے تو اُس میں البتہ امام ہی کا ذکر ہے، کیونکہ خدا کا قانون یہی ہے کہ وہ سب سے اُوپر کے درجے میں بات کرتے ہیں اور دوسری بات ایسی ہے کہ تمام مدارج کو وہ (Cover) کرتی ہے اور ہر کوئی اپنی فہم کے مطابق اُس کو سمجھ لیتا ہے۔ ظاہر والے اُس کے معنی کتاب سمجھتے ہیں اُس سے کتاب مراد لیتے ہیں تو اُن کے مطابق دُرست ہے [گو] ہمارے مطابق دُرست نہیں ہے اور اُن کے یوں معنی بیان کرنے میں بھی ایک مصلحت ہے یا کہ ایک درجے کی بھلائی ہے اور اُن کے اُوپر جو ہیں وہ اپنے طور سے اِس کے معنی کرتے ہیں تو اُن کے نزدیک وہ دُرست ہے۔ چنانچہ قرآن میں جہاں جہاں کتاب کا ذکر ہے یا قرآن کا ذکر ہے تو اُس کے دو پہلو ہیں، ظاہر میں اِس سے ظاہری قرآن مراد ہے اور تاویل میں امام مراد ہے اور ہر مقام پر ایسا ہے کہ خدا کے کلام کے دو پہلو ہیں ظاہری اور باطنی اور معلوم نہیں آپ کا سوال کس طرح سے تھا۔

سوال: سر میرا مطلب یہ تھا کہ خاص طور پر کتاب ہی کیوں ؟ سر! کوئی اور مثال خداوند تعالیٰ نے نہیں دی اور کتاب کی مثال کو خداوند تعالیٰ نے پسند کیا، کتاب میں اور امام میں کیا مطابقت ہے۔

جواب: کتاب میں اور امام میں کئی قسم کی مطابقتیں ہیں، اِس لئے کہ کتاب اور امام کی مصاحبت اور مطابقت یہ ہے کہ کتاب آنحضرت پر نازل ہوئی تھی، لہٰذا عربی زبان کے محاورے کے اعتبار سے بھی صاحبِ کتاب کو بھی بعض دفعہ کتاب کہا جاتا ہے اور بہت سے ممالک میں یہ ہے کہ چیز کے نام سے صاحبِ چیز کو پکارتے ہیں ایک یہ مشابہت ہے اور دوسرا آپ کے سوال کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ کیا دوسری مثالیں بھی ہیں تو میں کہوں گا کہ ہاں! دوسری مثالیں بھی ہیں۔ امام کو صرف کتاب نہیں کہا امام کو رسی بھی کہا، امام کو درخت بھی کہا، امام کو نور بھی کہا، اور امام کو بہت سی مثالوں میں بیان کیا ہے وہ اتنی لمبی چوڑی ہیں کہ وہ بیان نہیں ہو سکتی ہیں۔

ٹائپنگ: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی ؒ کا پُرحکمت بیان

عنوان: سائنس اور رُوحانیت، مقالہ: سجود میں سکون

کیسٹ نمبر: ۳۳ تاریخ: ۲۲ مئی ر ۱۹۸۰، کراچی

Click here for Audio

عزیزانِ من! محفل میں ذکر اور عبادت کے علاوہ علم کی کچھ باتیں بھی لازمی ہیں، اِس لئے کہ علم بہت ہی ضروری ہے، تو جاننا چاہئے کہ جس طرح مادّی سائنس ہوا کرتی ہے اسی طرح رُوحانیت کی بھی ایک سائنس ہے، چونکہ سائنس کا مطلب حکمت ہے، (Wisdom) ہے، اَس لئے جو رُوحانی حکمت ہے وہی رُوحانی سائنس ہے۔ سائنس کے لفظ کی اِس زمانے میں بڑی اہمیت ہے اِس لئے ہمیں اِس اصطلاح کو (Use) کرنا چاہئے، تو عزیزانِ من! دیکھئے کہ خدا کا کوئی پروگرام ہوا کرتا ہے، خدا کا ہر کام پروگرام کے مطابق ہوتا ہے، اور خدا کا وہ پروگرام یہ ہے کہ خدا کے وہاں دو دَور ہوتے ہیں، دو بڑے (Cycles) ہوتے ہیں، ایک (Cycle) جسمانیت کا ہے، اور دُوسرا رُوحانیت کا ہے۔ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ دَورِ نبوّت اور دَورِ امامت، دَورِ امامت سے پہلے دَورِ نبوّت آتا ہے یعنی پیغمبروں کا دَور، اُس کے بعد امامت کا دَور آتا ہے۔ جس طرح پیغمبر کا حصّہ ظاہر ہے اور امام کا حصّہ باطن ہے اسی طرح امامت کے دَور میں رُوحانیت کے معجزات یعنی رُوحانی سائنس یا کہ (Spiritualism) بہت نزدیک ہوتی ہے۔ آج امامت کے دَور میں سے اُونچاسواں (۴۹) جامہ چلتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ اُونچاسواں جو نمبر ہے اِس کی کیا اہمیت ہے۔ اسماعیلی مذہب میں سات (۷) نمبر جو ہے وہ بڑا (Important) ہے، اور جہاں سات نمبر کی (Importancy) ہے، ضرورت ہے، اہمیت ہے وہاں سات دفعہ سات ہوا ہے۔ تو کہنا یہ ہے کہ اِس دَور میں اندرونی طور پر زبردست رُوحانیت کا دَور ہے، اِس سے وہ مومنین فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو عبادت میں (Regular) ہیں، اور رُوحانی علم کی طرف توجّہ دیتے ہیں وہ اِس دَور سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ویسے بھی دیکھا جائے، تو اِس دَور میں دُنیا کے بہت سے لوگ خدا سے فرار ہو چکے ہیں، انہوں نے راہِ فرار اختیار کی ہے تو ایسے میں آپ جانتے ہیں کہ خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے۔

جس طرح کسی دُنیا کے بادشاہ سے جب لشکر اور اُس کی (Public) بھاگ جاتے ہیں اور تھوڑے سے لوگ رہتے ہیں تو بادشاہ کے دل میں یہ آتا ہے، کہ چلو اِن کو بہت کچھ نوازو اور اِن کو بہت کچھ دو۔ اِس طرح یہ بھی ایک منطق ہے، کہ خدا کے پروگرام کے مطابق مومنین کو بہت کچھ ملنے والا ہے، جبکہ دُوسرے بہت سے لوگ خدا کے رستے سے ہٹ گئے ہیں،

لادینیت کی طرف بھاگے ہوئے ہیں، اور پھر مزید تیسری بات، تیسری علامت یا کہ تیسری دلیل یہ ہے کہ یہ دَور رُوحانیت کا ہے، کہ آپ دیکھتے ہیں، کہ دُنیا کی سائنس مادّیت کے مراحل سے آگے بڑھ چکی ہے، اور رُوحانیت کے مراحل میں داخل ہو چکی ہے یعنی سائنسدانوں نے بہت سی چیزوں کا تجزیہ کیا، تحلیل کیا، انکشاف کیا، (Discoveries) ہوگئیں اب نوبت آئی ہے کہ رُوحانی ترقّی کا انکشاف ہو، رُوحانیت کی چیزوں کا پتا چلے، یہ تیسری دلیل ہے، اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ: سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (۴۱:۵۳)۔ ہم اُن کو اِس بیرونی کائنات میں اپنے معجزات دکھاتے رہیں گے، اور جب یہ ظاہری معجزات ایک حد تک پہنچیں، تو پھر اُس کے بعد اُن کے اندر، اُن کے نفوس کے اندر اپنے معجزات کو بتائیں گے۔ آیت کی اِس ترتیب میں آپ نے دیکھا، کہ پہلے جسمانی اور ظاہری معجزات کا ذکر ہے اُس کے بعد رُوحانی معجزات کا ذکر آتا ہے۔ تو اِس ترتیب کے لحاظ سے بھی یہ کہنا صحیح ہے، کہ خدا کے اِس پروگرام کے مطابق اب رُوحانیت کا دَور چلتا ہے۔

ہماری آپ کی یہ جو کوشش ہے کہ کبھی کبھار مجلس کرتے ہیں اور زور زور سے ذکر کرتے ہیں [وہ] اسی مقصد کے لئے ہے، خدا تو ہر جگہ پر ہے اور وہ رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے، اور ہم جس قدر بھی آہستہ بولیں وہ سنتا ہے اُس کے لئے ایک ہی بولنا کافی ہے، اُس کے لئے آہستہ بولنا بھی کافی ہے لیکن ہم چیخ چیخ کر ذکر کیوں کرتے ہیں؟ اِس کا کیا فلسفہ ہے؟ اِس کا فلسفہ یہ ہے کہ ہمارے اندر پردے ہیں، ہمارے باطن میں، اُن پردوں کو ہٹا کر ہم آگے جانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ایک جہاد ہے۔ جس طرح کوئی لشکر دشمن پر ہلّا بولتا ہے اور نعرہ لگاتا ہے، اور جس سے اُن کے اندر ایک قسم کا جوش پیدا ہوتا ہے، ایک قسم کی غیرت آتی ہے، اِس طرح ہم اپنی آواز میں اور اپنے ساتھیوں کی آواز میں پگھلنا چاہتے ہیں، اور ایک اور چیز اِس سلسلے میں یہ ہے کہ صوفیوں نے اور مومنین نے فنا کے نام سے ایک حقیقت کا انکشاف کیا ہے، فنا کیا ہے؟ اپنی ہستی کو ایک بار عبادت اور بندگی میں مٹانا، اور جب تک ہم فنا حاصل نہیں کریں گے تو رُوحانیت کا تجربہ نہیں ہو سکتا ہے، فنا لازمی ہے۔

دیکھیں! اِس کائنات کے اندر فنا کا کیا اُصول ہے، موم بتّی کو دیکھیں کہ وہ فنا ہو جاتی ہے تو نور بن جاتی ہے، اور کسی (Fuel) کو، ایندھن کو دیکھیں کہ جب وہ ایندھن فنا ہو جاتا ہے تو اُس میں سے (Energy) بنتی ہے، غذا کو دیکھیں کہ ہمارے پیٹ کے اندر جب فنا ہو جاتی ہے تو اُس میں (Energy) بنتی ہے، رُوح بنتی ہے، مٹّی کو دیکھیں کہ وہ فنا ہو جاتی ہے تو اُگنے کی صلاحیت اُس میں پیدا ہو جاتی ہے نباتات میں تبدیل ہو جاتی ہے، گھاس کو دیکھئے کہ جب وہ فنا ہو جاتی ہے اُس کو حیوان کا درجہ ملتا ہے، اور گھاس سے دودھ، مکھن اور ایسی چیزیں بنتی ہیں، اور غذاؤں کو دیکھیں کہ وہ فنا ہو جائیں تو انسان کی حیثیت اُس میں آتی ہے، انسان جب فنا ہو جائے تو فرشتہ بن جاتا ہے، فرشتہ جب فنا ہو جائے تو خدا کی خدائی کے

ساتھ، خدا کی صفات کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے لیکن یہ فنا کیسی ہے؟ کیا یکبارگی فنا ہے یا جزوی طور پر ہے؟ یہ فنا یکبارگی بھی ہے لیکن زندگی میں جزوی طور پر بھی ہے ہم بار بار فنا کا تجربہ کر سکتے ہیں، جس سے کہ ہم رُوحانیت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور مومنین کے لئے اسماعیلیوں کے لئے رُوحانیت کا حصول آسان ہے۔

اِس لئے ہم کوشش کرتے ہیں یہ ایک تجربہ ہے کہ دُنیا کے اندر جس طرح علم والے، ہنر والے اپنے کام میں تجربے کرتے ہیں تو اسی طرح ہم اِس ذکر کے وسیلے سے، اِس عبادت کے وسیلے سے، اِس گریہ وزاری کے ذریعے سے فنا کا تجربہ حاصل کرتے ہیں۔ تو گریہ وزاری کیا ہے؟ وہ فنا ہے، ہم اپنے اندر کی بہت ساری قوتوں کو فنا کر کے ایک اعلیٰ ہستی یا ایک اعلیٰ حیثیت کا تجربہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو یہ صداقت اور علم سے، اور یقین سے ہو سکتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب ہم عبادت کرتے ہیں تو ہم میں سے ہر ایک کی (Position) ایک جیسی نہیں ہوتی ہے یا یہ کہ ہم میں سے جو افراد ہیں وہ ایک جیسے نہیں ہیں مختلف (Levels) پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک فرد کے بھی مختلف (Levels) ہو سکتے ہیں۔ جس طرح بہت سے افراد کے مختلف (Levels) ہیں، مختلف سطحیں ہیں اسی طرح ایک مومن کے مختلف (Levels) ہوتے ہیں، تو کبھی وہ ایک اعلیٰ (Level) پر بھی ہو سکتا ہے، تو اِس کے لئے تجربے کی ضرورت ہے، (Experience) کی ضرورت ہے، عبادت کی ضرورت ہے، ویسے مومن کو اِس کا یقین ہے، باور ہے کہ عبادت اور بندگی سے اُس کے اندر اعتماد پیدا ہو جاتا ہے اور روشنی آتی ہے، علم سے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔ علم رُوح کی خاصیت ہے، رُوح ازل میں علم کے درمیان تھی، اور یہ دُنیا میں رہتے ہوئے بھی علم سے بہت ہی قریب ہے۔ صرف یہ ہے کہ درمیان سے پردے ہٹائے جائیں تو اِس کے اُوپر علم کی جھلکیاں آسکتی ہیں، علم کی جھلکیاں آسکتی ہیں، خود بخود بھی آتی ہیں، اِس کے لئے عبادت اور بندگی کی ضرورت ہے، اور پھر علم الیقین کی ضرورت ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ علم الیقین وہ صاف اور ستھرا علم ہے جس سے کہ ہمارے شکوک وشبہات دُور ہو جاتے ہیں، علم الیقین مومن کے لئے بہت ہی ضروری ہے، اور دل کی آنکھ کا کُھل جانا عین الیقین ہے، لیکن اِس سے پہلے علم الیقین کی ضرورت ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز اپنی ترتیب میں آتی ہے تو پہلے علم الیقین آتا ہے، اُس کے بعد عین الیقین اور اُس کے بعد حق الیقین۔ حق الیقین کے مقام پر مومن جو ہے [وہ] اصل سے واصل ہو جاتا ہے، خدا کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے، اور یہ عین الیقین جو اِس کے نیچے ہے اِس مقام پر وہ رُوحانی مشاہدات کا تجربہ کرتا ہے، رُوحانی طور پر وہ ساری چیزیں دیکھتا ہے جن کے متعلّق اُس نے یہاں علم الیقین میں سُنا تھا، تو یہاں یعنی علم الیقین پر وہ سُنتا ہے عین الیقین پر خود مشاہدہ کرتا ہے اور حق الیقین کے مقام پر اُن حقیقتوں کے ساتھ وہ ایک ہو جاتا ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ یہاں اِس مقام پر علم الیقین ہے تو خدا کے متعلّق صاف اور ستھری باتیں سنتا ہے، اور باور کرتا ہے، اور شکوک وشبہات کو دُور کرتا ہے۔ جب اِس کی

مقدار (Quantity) پوری ہو جاتی ہے تو لازمی طور پر اِس کو یہاں پڑھایا جاتا ہے، اور دل کی آنکھ اِس کی کُھل جاتی ہے جب دل کی آنکھ کُھل جاتی ہے تو وہ ساری حقیقتوں کا براہِ راست مشاہدہ کرتا ہے، دیکھتا ہے، اپنے اندر دیکھتا ہے اُن باتوں کو دیکھتا ہے جن کے متعلّق اُس نے سُنا تھا، خدا کے بارے میں دیکھتا ہے، خدا کا دیدار کرتا ہے پھر جب اِس کی مقدار پوری ہو جاتی ہے تو وہ اصل سے واصل ہو جاتا ہے، اور خدا کے ساتھ اُس کی حقیقت ایک ہو جاتی ہے۔

دُنیا کے اندر کسی چیز کا کوئی قحط نہیں ہے لیکن حقیقت کا قحط ہے۔ آپ دُنیا میں چلیں، پھریں، دیکھیں، گھومیں ہر چیز آپ کو ملے گی لیکن جو حقیقی علم ہے وہ آپ کو نہیں ملے گا سوائے امام کی ذات کے، اور اسماعیلی مذہب کے، اور سوائے اُس کے اُن لوگوں کے وسیلے سے، جس نے اُن کو مقرّر کیا دُنیا میں حقیقی علم پھیلانے کے لئے، تو حقیقی علم بہت نایاب اور گرانقدر شئی ہے، حقیقی علم یعنی علم الیقین بہت ہی ضروری ہے، اور مومن کا سرمایہ، مومن کی کھوئی ہوئی دولت ہے، جس کو حاصل کرنا چاہئے۔ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ: اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِن حکمت کیا ہے؟ مومن کی کھوئی ہوئی دولت ہے، اُس کو حاصل کرنا چاہئے، اُس کو (Regain) کرنا چاہئے، اِس کے بغیر اُس کا مقصد آگے نہیں بڑھتا ہے، تو حقیقی علم بہت ہی ضروری ہے۔ حقیقی علم کے بغیر امام کی شناخت، رُوح کی شناخت نہیں ہو سکتی ہے، حقیقی علم کے بغیر ترقّی نہیں ہوتی ہے لہٰذا حقیقی علم بہت لازمی ہے۔ لوگوں نے بہت سی کتابوں کا نام اور بہت سی باتوں کا نام علم رکھا ہے، وہ علم نہیں ہے، ایسا تو نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مٹکے کی مٹّی کو سونے کا نام دے تو وہ سونا بن جائے کیونکہ اُس کا رنگ بھی ایسا ہوتا ہے جیسے سونے کا، تو نام رکھے تو رکھ سکتا ہے لیکن اُس کو سونا نہیں بنا سکتا ہے، سونا الگ ہے اور مٹکے کی مٹّی الگ ہے۔ اِس طرح لوگوں نے بہت سی غلط باتوں کا نام علم رکھا ہے، حالانکہ دیکھا جائے تو وہ علم نہیں ہے بلکہ جہالت ہے، یہی ایک چیز ہے جس سے کہ بہت سے مومنوں کو نقصان ہوتا ہے، وہ علم کے عنوان سے غلط باتوں کے پیچھے پڑتے ہیں جو کہ وہی باتیں خود اُن کے لئے پردے بنتے ہیں، اور پھر وہ رُوحانی ترقی نہیں کر سکتے ہیں، لہٰذا ہر قیمت پر مومن کو علم حاصل کرنا چاہئے، اور دیکھئے کہ امام اس علم کو جماعتوں میں عام کر دینے کے لئے کیا نہیں کرتے ہیں، کتنے کتنے خزانے خرچ کرتے ہیں، امام اپنی جماعت میں دین کے علم کو عام کر دینے کے لئے کتنی دولت خرچ کرتے ہیں۔ ہم نے کبھی اندازہ کیا کہ اِس دُنیا کے اندر سب سے زیادہ دولت امام کی خرچ ہوتی ہے، علم کی خاطر کتنی کتنی یونیورسٹیوں کو دیتے ہیں تا کہ تھوڑا سا علم کا مقصد آگے بڑھے، گو کہ اُس یونیورسٹی سے وہ خاص علم نہیں بنتا ہے لیکن امام مرحلہ بہ مرحلہ علم کے مقصد کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں، اور کتنے امام کے ادارے ہیں اِس دنیا کے اندر آپ ہم اِن کا شمار نہیں کر سکتے ہیں، اور اِس علم کے لئے کتنے خزانے امام کے خرچ ہوتے ہیں یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ امام کی نظر میں بھی حقیقی علم کی بہت اہمیت ہے۔ لہٰذا اگر آپ کو ایک بات ملتی ہے حقیقی علم کی تو اُس کو قدردانی کے ساتھ آپ (Accept) کریں ہو سکتا ہے کہ وہ ایک بات دس کتابوں کے برابر ہو، اہلِ ظاہر کی دس

کتابوں کو نچوڑیں تو اُس میں سے علم کے عطر کا ایک قطرہ بھی نہیں پیدا ہوگا۔ آپ بھوسے کو، جو غلّہ کے بعد بھوسہ الگ ہوتا ہے اُس کو نچوڑیں تو اُس میں سے تیل یا کوئی رَس ایسی چیز نہیں ہے وہ تو بھوسہ ہے، اچھا! تو اِس لئے کہ دُنیا والوں کے پاس علم نہیں ہے علم امام کے پاس ہے جسے صحیح معنوں میں علم کہنا چاہئے۔ علم کے لفظ کو ذرا لیجئے علم کس چیز کا نام ہے؟ علم جاننے کو کہتے ہیں لیکن مقصود کیا ہے، کیا چیز جاننا؟ کیا کوئی ہنر جاننا علم ہے حقیقی معنوں میں، نہیں! خدا کو جاننا، آخرت کو پہچاننا، رُوح کی شناخت یہ علم ہے اور اِس مقصد کے بغیر ہے تو حقیقی معنوں میں علم نہیں ہے، اگر آپ کے نزدیک کوئی کسب ہے، کوئی ہنر ہے تو اُس معنی میں آپ اُس طور سے علم کہہ سکتے ہیں لیکن صحیح معنوں میں اور حقیقت میں علم وہ ہے جس سے خدا کی شناخت ہو۔

دیکھئے دُنیا میں مومن کیوں آیا تھا آخر اِس کا کوئی مقصد ہے۔ دُنیا میں مومن معرفت کے لئے آیا ہے، کس چیز کی معرفت کے لئے؟ رُوح کی معرفت کے لئے خدا کی معرفت کے لئے، تو یہی معرفت علم ہے، اور آپ کو قرآن میں عبادت کا ذکر ملے گا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۱:۵۶)۔ ہم نے انسان اور جنّات کو کسی اور مقصد کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ عبادت کے لئے پیدا کیا، لیکن عبادت کے ساتھ لازمی طور پر معرفت آنی چاہئے بلکہ پوری عبادت کی شرط معرفت ہے۔ اِس لئے کہ معرفت کے بغیر دُنیا میں جو عبادت کرتے ہیں تو وہ قبول نہیں ہوتی ہے، اِس لئے لازمی طور پر جہاں قرآن میں عبادت کا ذکر آیا ہے وہاں اُس کے (Background) میں معرفت ہے اور معرفت کے بغیر کوئی کامیابی نہیں، اور پھر دُوسری حدیثِ قدسی میں جائیں کہ: كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ مَیں ایک (Hidden Treasure) تھا اور چھپا ہوا خزانہ، تو میں نے چاہا کہ میری شناخت ہو، میں نے چاہا کہ مجھ کو پہچانا جائے تو اِس کے لئے میں نے تخلیق کی، انسانوں کو پیدا کیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِس تخلیق سے کیا مُراد ہے؟ کیا یہی جسمانی طور پر دُنیا والوں کو پیدا کیا گیا ہے یہی پیدا کرنا کافی ہے؟ کیا اِس سے خدا کی شناخت ہوتی ہے؟ یا کچھ اور تخلیق ہے، یہ تخلیق مکمّل نہیں ہے جب تک کہ رُوحانی طور پر تخلیق نہ ہو، کیونکہ رُوحانی تخلیق کے بعد خدا کی شناخت ہوتی ہے۔ تو حدیثِ قدسی میں خدا نے جس تخلیق کا ذکر کیا ہے جس (Creation) کا نام لیا ہے وہ (Creation) رُوحانی (Creation) ہے، اُسی سے معرفت حاصل ہوتی ہے، اور اُسی سے جب معرفت حاصل ہوتی ہے تو آپ کو خدا ملتا ہے، کس طرح ملتا ہے؟ خزانے کے طور پر ملتا ہے۔

خدا ملتا ہے آپ کو خزانے کے طور پر، تو خدا نے فرمایا کہ میں خزانہ تھا، اور میرے اِس خزانے کی حیثیت کو پہچاننے کے لئے میں نے پیدا کیا تو اِس سے خدا کی مُراد وہ مومنین ہیں، وہ عارفین ہیں، جن کو خدا نے رُوحانی طور پر پیدا کیا۔ جب رُوحانی طور پر مومن کو پیدا کیا جاتا ہے تو مومن خدا کو پہچانتا ہے، جب خدا کو پہچانتا ہے تو خدا، خود کو ایک خزانے کے طور پر سپرد

کر دیتا ہے۔ دیکھیں! خدا کے بہت سے نام ہیں خدا کے (Atributes) بہت ہیں خدا کی صفات بہت ہیں، خدا (Master) ہے، خدا (King) ہے، خدا آقا ہے، اور خدا قہّار بھی ہے، جبّار بھی ہے، وہ غصّہ والا بھی ہے، اور خدا عادل بھی ہے بہت سے نام ہیں، لیکن آخر میں کیا ہے؟ آخر میں وہ ایک خزانہ ہے، آپ کس حیثیت میں خدا سے ملنا چاہتے ہیں! بادشاہ کی حیثیت میں، باپ کی حیثیت میں، دوست کی حیثیت میں، قہّار و جبّار کی حیثیت میں، کس صفت میں آپ خدا سے ملنا چاہتے ہیں یا آپ کس صفت میں خدا سے نزدیک ہونا چاہتے ہیں۔ خدا کا اشارہ تو یہ ہے کہ آپ اُس مقام پر خدا سے ملیں جہاں پر کہ خدا ایک خزانہ ہے، خدا ایک خزانہ ہے تو آپ وہاں ملیں تو خدا آپ کا، وہاں خدا آپ پر نہ تو مالک ہے، نہ آقا ہے، نہ بادشاہ ہے، نہ باپ ہے، باپ بھی تو آخر سوال کرتا ہے، دوست بھی آخر کچھ کہتا ہے، لیکن خزانہ! کچھ نہیں کہتا ہے، مطلب اِس کا یہ ہوا کہ انسان کی ایک حقیقت ایسی ہے کہ وہ خدا کے ساتھ ایک ہے۔ جب انسان عبادت و بندگی کے وسیلے سے اپنی اُس حقیقت کو پاتا ہے تو وہاں پر خدا کو ایک خزانے کے طور پر پاتا ہے۔

امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے اپنے ارشادات میں اسماعیلیوں کو جو تصوّر دیا وہ بڑا انقلابی ہے، وہ (Revolutionary) ہے، کیا ہے؟ مونور یالزم، مونور یالزم، اِس کا مقصد یہ ہے کہ ہماری ایک ایسی حقیقت ہے جو خدا سے الگ نہیں ہوئی ہے وہاں پر اُس کی شناخت خدا کی شناخت ہے، اُس کی شناخت خزانے کو پانا ہے، اُس کی شناخت آخری نجات ہے، جب اُس کی شناخت ہوتی ہے تو خدا آپ کو خزانے کے طور پر ملتا ہے، یہی ایک نہیں ہے بہت سی حدیثیں ہیں، بہت سے ارشادات ہیں، خدا فرماتا ہے کہ: یَابْنِیْ اٰدَمَ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْكَ مِثْلِیْ حَیًّا لَا تَمُوْتُ وَ عَزِیْزًا لَا تَذِلُّ وَ غَنِیًّا لَا تَفْتَقِرُ، اے ابنِ آدم! میری اطاعت کرتا کہ میں تجھ کو اپنی مانند بناؤں، یہ کون کہتا ہے؟ خدا کہتا ہے۔ چلو کسی نے اطاعت کی آپ نے اطاعت کی، مومنین نے اطاعت کی تو خدا آپ کو، کسی مومن کو سب کو کس طرح خدا بنائے گا؟ کیا وہ ایک نیا خدا بنائے گا، اور اپنا جزو بنالے گا تو پھر اِس میں (Addition) ہو جائے گا یا دو ہو جائیں، یہ بات نہیں ہے! اِس کا مقصد یہ ہے کہ خدا یہ فرماتا ہے، کہ تم میری اطاعت کرو تا کہ میں تم پر ایک جو راز ہے وہ تم کو بتاؤں، اور وہ راز یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ ہم اور تم کیسے ایک ہیں، اور ازل و ابد میں کس طرح ہماری حقیقت ایک ہے، ہماری (Unity) کس طرح ایک ہے وہ تم کو بتاؤں گا، تم میری اطاعت کرنا، عبادت کرنا، بندگی کرنا اور پردوں کو پیچھے چھوڑنا آگے بڑھنا اِس مقام پر پہنچنا تا کہ میں تم کو بتاؤں گا کہ وہ ازلی (Secret) کیا ہے۔

دیکھیں! حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَ اَنَا سِرُّہٗ۔ انسان! کونسا انسان؟ حقیقی انسان [یعنی] مومن میرا (Secret) ہے، میرا بھید ہے یہ کون کہتا ہے؟ خدا کہتا ہے اور میں اُس کا بھید ہوں۔ دیکھیں! اِس میں خدا جو فرماتا ہے کہ انسان میرا بھید ہے اور میں اُس کا بھید ہوں اِس میں بہت بہت کچھ ہے یعنی میرے اور انسان کے اندر ایک ایسا

بھید ہے کہ ابھی تک وہ بھید ہے، میں اُس کا بھید ہوں اور وہ میرا بھید ہے۔ مطلب اِس کا یہ ہے کہ خدا اور مومن کے درمیان دُوئی تو ہے اِس مرحلے میں، لیکن آگے چل کر دیکھا جائے تو وہاں دُوئی (Duality) نہیں ہے وہ (Unity) ہے اور ازلی طور پر۔ اِس بھید کو بہت سے لوگوں نے پایا، منصور نے بھی پایا گو کہ وہ صوفی تھا لیکن ہوسکتا ہے کہ کسی اسماعیلی داعی کے تحت ہو، اور اُس نے اپنی اسماعیلیت کو چھپایا ہو کیونکہ دُنیا کے اندر بہت سے ایسے [لوگ] بھی آپ کو ملیں گے جنہوں نے مصلحتاً اپنے دین کو چھپا لیا، اور اگر مولائے رُومؒ نے اپنی اسماعیلیت کو نہ چھپایا ہوتا، اور وہ اسماعیلی انداز سے تبلیغ کرتا تو آج اُس کی کتابیں اِس طرح سے دُنیا کی سطح پر نہیں پھیلتی اور کوئی (Accept) نہیں کرتا کیونکہ اُس نے اعلان کیا اُس نے جو اعلان نہیں کیا اُس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے اِس کے علم کو اپنا لیا، تو میں کہہ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ منصور بھی اِس طرح سے اسماعیلی ہو اور جس نے خود کو کہا کہ میں (Truth) ہوں، میں حق ہوں، میں خدا ہوں تو اُس کو یہ بھید مل گیا اور بھی بہت سے ہیں، عطّار نے بھی کہا، اور بایزید بسطانی نے بھی کہا بہت سے بزرگوں نے اِس کو [یعنی] اپنی (Unity) کو دیکھا کہ خدا کے ساتھ اُن کی (Unity) کیسی ہے۔ اب یہ ہے کہ ایک بزرگ ''اناالحق'' کہتا ہے یا ''سُبحانی ماآعظمُ شَانِی'' کہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ سب انسانوں کی نمائندگی کرتا ہے یا صرف اپنی ذات سے متعلّق (Interpret) کرتا ہے؟ اِس کا جواب کیسا ہونا چاہئے، میں یہ مانتا ہوں کہ ساری انسانیت اور خصوصاً سارے مومنین کی طرف سے اِس حقیقت کی نمائندگی کرتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ ایک فرد کے لئے یہ بات مخصوص ہو۔

اب یہ ہے کہ اِس زندگی کے اندر جدو جہد کرنے کی ضرورت ہے مشقّت کرنے کی ضرورت ہے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے، ہم کو جو دُنیا کی مہلت دی گئی ہے اِس میں بہت سر توڑ کوشش کرنی ہے اور حقیقت کو پانا ہے اِس کے بغیر مشکل ہے کہ ہم کو حقیقت کی خبر ہو۔ اِس زمانے میں ایک طرف سے بہت سی مشکلات ہیں، اور دُوسری طرف سے دیکھا جائے بہت سی آسانیاں ہیں اندرونی طور پر دیکھا جائے تو رُوحانیت (Possible) ہے، اور ظاہری مجبوریوں کو دیکھا جائے تو بہت مشکل ہے، دونوں باتیں ہیں لیکن باطنی طور پر رُوحانیت بہت ہی نزدیک آچکی ہے۔ اِس میں خوش نصیب مومنین وہ ہیں جو اِس کو سمجھیں، موقع کو سمجھیں اور موقع سے فائدہ اٹھائیں، عبادت کریں، بندگی کریں۔ دیکھیں کہ ہمارا دین پیغمبروں کا دین ہے، اور پیغمبروں کے نقشِ قدم پر چلیں، عبادت، بندگی، علم حاصل کریں تو ہم بھی اُن کے نقشِ قدم پر چل سکتے ہیں۔ ہادی کا کیا مطلب ہے؟ رہنما، رہنما کے کیا معنی ہیں؟ رستہ بتلانے والا اور پیرو کے کیا معنی؟ اُس کے پیچھے پیچھے چلنے والا۔ مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر اور امام جو رستہ مومنین کو بتاتے ہیں تو مومنین اُن کے نقشِ قدم پر آگے آگے بڑھتے ہیں اُن کے لئے کچھ الگ رستہ نہیں ہے، اُن کے لئے کچھ دُوسری پگ ڈنڈی نہیں ہے۔ وہی ایک شاہراہ صراطِ مستقیم ہے، اُسی پر آپ چلیں گے تو آپ بھی بزرگانِ دین کی طرح آگے بڑھ سکتے ہیں، آپ کے لئے کچھ الگ راستہ نہیں ہے، ایک ہی

راستہ ہے۔بس اللہ کے حضور جانے کے لئے ایک ہی راستہ ہے اُسی راستے پر چلنا چاہئے تا کہ نجات ملے اور رُوحانیت کے تجربات حاصل ہوں۔

ایک بات میں آپ کو بتاؤں کہ قرآن نے رات کی عبادت کی بہت تعریف کی ہے، رُوحانی ترقّی کے لئے بہت سے طریقے ہیں لیکن رات کی عبادت اور شب بیداری جسے کہتے ہیں رات کو جاگنا عبادت اور گریہ وزاری میں بہت زبردست انقلابی چیز ہے رُوحانی ترقّی کے لئے، کبھی کبھار مجلس ہو یا اکیلے میں بہت سویرے اُٹھیں، آپ دو چار آنسو بہائیں اور پھر عبادت میں بیٹھیں، دیکھ لینا کہ کتنی تیزی سے آپ کی ترقّی ہوتی ہے لیکن اگر آپ ایسے ہی (Normal Way) میں عبادت میں بیٹھتے ہیں تو اِس سے آپ کی ترقّی نہیں ہوگی یہ بہت مشکل چیز ہے، دیکھیں! سوچیں! کوئی بھی بہانہ نکالیں خدا کے حضور میں رونے کے لئے۔ روئیں کوئی مشکل کا تصوّر کریں، کوئی مصیبت، کوئی خواہش، کوئی جذبہ جو نیک ہو تو اُس کو ذہن میں لائیں اور دو چار آنسو بہائیں، دل کو نرم کریں پھر عبادت میں بیٹھ جائیں تو دل لگ جائے گا، عبادت ہوگی ایک گھنٹہ آپ کو ایسا لگے [گا] کہ جیسے پانچ منٹ یا دس منٹ، پھر آپ کامیاب ہو سکتے ہیں۔سورۂ مزمل (۷۳) میں بڑے کام کا ذکر ہے، اور جن حضرات کو بڑے کام کا تجربہ نہیں ہے وہ (Private) مشق کر سکتے ہیں، تو عبادت کر سکتے ہیں، عبادت کچھ منع نہیں ہے، تو سورۂ مزمل میں تفصیل سے بڑے کام کا ذکر ہے۔ایک اور بات میں بتاؤں رُوحانیت آسان ہوتی تو آنحضرتؐ غارِ حرا میں نہیں جاتے، رُوحانیت آسان ہوتی تو موسیٰؑ جیسے پیغمبر کوہِ طور میں جا کر گریہ وزاری نہیں کرتے، تو رُوحانیت آسان ہوتی تو بزرگانِ دین اتنی محنت اور عبادت نہیں کرتے۔رُوحانیت بہت مشکل ہے اِس لئے کافی جدو جہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک بات اور بتاؤں کہ جوانی میں آپ ترقّی کر سکتے ہیں، قرآن سے پوچھیں یا کسی عالم سے پوچھیں کہ (On The Whole) پیغمبروں کو کس عمر میں نبوّت ملی؟ قرآن آپ کو بتائے گا کہ جوانی کی عمر میں اُن کو نبوّت ملی، یہ کیوں؟ اِس لئے کہ حکمت اِس میں ہے کہ پیغمبروں کو تو جوانی میں پیغمبری ملتی ہے، مومنوں کو جوانی میں رُوحانیت ملتی ہے، تو جوانی میں ملتی ہے جو کچھ کہ ملنا چاہئے۔اِس کی وجہ ہے اُس وقت انسان اپنی قوتوں سے (Complete) ہو جاتا ہے اور اُس کے اُوپر رُوحانیت قائم ہوتی ہے۔

بہر حال بہت اچھی بات ہے کہ آپ کبھی کبھار مجلس میں بیٹھتے ہیں، کتابیں بھی پڑھتے ہیں، ذکر بھی کرتے ہیں یہ بہت اچھی علامتیں ہیں، آپ بہت سعادتمند ہیں، اور جانتے ہوئے علم و دانش کی روشنی میں آپ معرفت کی روشنی میں عبادت بندگی کریں گے ذکر کریں گے تو اِن شاء اللہ ترقّی ہوگی اور بہت ہی ضروری ہے اِس وقت، اور آپ کو ایک بات اور بتائیں کہ دُنیا کے اندر بڑے بڑے ممالک میں سائنس یا (Psychic) یا کسی اور نام سے رُوحانیت اُبھر رہی ہے، یہ بہت اہم بات ہے، رُوحانیت اِس عنوان سے نہیں، اِس نام سے نہیں کچھ اور نام سے ہے کچھ لوگ تو (Telepathy)

میں لگے ہیں کچھ لوگ (Psychic) کے نام سے، اور کچھ لوگ سائنس کے عنوان سے اِس میں لگے ہوئے ہیں اور کافی کامیابی ہو رہی ہے۔ آپ پوچھیں کہ یہ کیوں؟ رُوحانیت دو طرح سے دُنیا میں آئے گی، ایک مومنین کے وسیلے سے، اور ایک دُوسرے لوگوں کے وسیلے سے آپ مجھ سے پوچھیں کہ رُوحانیت دُوسرے لوگوں کو کیوں؟ دُوسرے لوگوں کو جو رُوحانیت آئے گی وہ معرفت کے عنوان سے نہیں آئے گی سائنس کے عنوان سے آئے گی۔ وہ اِس کو سائنس کے طور پر (Use) کریں گے اور دُنیا کے لئے (Use) کریں گے تو عقبیٰ یعنی آخرت اُن کو نہیں ملے گی، خدا نہیں ملے گا وہ بہت آگے بڑھیں گے، آخر خدا کا بھی کوئی پروگرام ہے اِس دُنیا کو آگے بڑھانا ہے [اور] مومنین کے لئے اِس دُنیا کو میدان کرنا ہے لہٰذا وہ مقصد [پورا] ہو جائے گا۔ لیکن اُن کی ذات کے لئے رُوح کا جو مقصد ہے وہ پورا نہیں ہوگا، اور رُوح کا مقصد اُن مومنین کے لئے پورا ہو جائے گا جو کہ اِس چیز کو معرفت کے عنوان سے شروع کریں۔ تو وہ معرفت کے طور پر اِس سائنس کو آگے کریں، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سائنس اور رُوحانیت ایک چیز ہے، سائنس اور (Religion) ایک چیز ہے جس طرح کہ امام نے فرمایا کہ (Proto-religion) اور (Proto-science) جو سائنس بالکل (Clear) ہو چکی ہے اُس میں شبہ نہیں ہے بالکل (Right way) پر جاتی ہے وہ سائنس اور (Religion) ایک ہے [اسلام میرے مورثوں کا مذہب، ص: ۴] تو جب ایک ہیں تو اُس میں سے دُنیا کے اندر بھلائی اور بہتری ہوگی لیکن ایک ہونے کے باوجود جو لوگ (Proto-sciencc) پر عمل کرتے ہیں اور وہ معرفت کے عنوان سے نہیں، اور مادّی فائدے کے طور پر اُس پر عمل کرتے ہیں تو اُن کو دنیوی طور پر فائدہ ہوگا لیکن رُوح کے لحاظ سے فائدہ نہیں ہوگا اور جس طرح رفتہ رفتہ دُنیا کے اندر انقلاب آئے گا۔ جب دُنیا میں انقلاب آئے گا تو اُسی انقلاب کے اندر امام کی بادشاہی ہوگی، امام کی بادشاہی ہوگی اور بہت قریب قائم ہوگی مگر اِس طرح سے نہیں جس طرح کہ بعض مومنین سوچتے ہیں، ایسا نہیں، بڑی بے نیازی کے ساتھ۔ قرآن میں ہے کہ خداوندِ عالم نے رسول کو دُنیا میں بھیجا سچّا دین دے کر: هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ (۹:۳۳)۔ خدا نے پیغمبر کو بھیجا سچّی ہدایت دے کر اور سچّا دین دے کر تا کہ وہ دُنیا کے مذاہب پر اسلام کو غالب لائے اِس مقصد کے لئے خدا نے رسول کو بھیجا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسولؐ بظاہر دُنیا سے رُحلت کر گئے اور ابھی اسلام دُنیا کے مذاہب پر غالب نہیں آیا، سو اِس آیت کی تشریح کس طرح کریں؟ اِس کی تشریح کوئی نہیں کر سکتا ہے سوائے اسماعیلیوں کے، اسماعیلی اِس طرح تشریح کرتے ہیں کہتے ہیں کہ خدا نے رسولؐ بھیجا اور رسولؐ کی حیثیت امام میں برقرار ہے، اور خدا نے جو کچھ وعدہ فرمایا، جو پروگرام بنایا وہ ہو کر رہے گا۔ رسولؐ کا مشن چالو [جاری] ہے امام کے وسیلے سے اور باطنی طور پر، اور اسلام دُنیا کے مذاہب پر غالب آئے گا لیکن کس طرح آئے گا؟ وہ اِس طرح آئے گا کہ دُنیا کی طاقتیں آج اسلام کے مطابق کام کر رہی ہیں اسلام کے مقصد کے لئے کام کر رہی ہیں۔ یعنی دُنیا کے اندر ایک ایسی ملّت قائم

ہوگی ایک ایسی (Unity) ہوگی جو ایک نظر سے دیکھا جائے تو سائنس ،اور دُوسری نظر سے دیکھا جائے تو مذہب، پھر تیسری نظر سے دیکھا جائے تو انسانیت،اور چوتھی نظر سے دیکھا جائے تو ترقّی ،تو اسی طرح سے دُنیا کے اندر ایک (Unity) قائم ہونے والی ہے اور وہی اسلام کی غالبیت ہے ۔کیا ہم اِس میں یہ تصوّر کر سکتے ہیں کہ اسلام غالب آئے گا تو اُس وقت اسلام وہی ہوگا جو رسول اللہؐ کے زمانے میں تھا؟ نہیں!۔اسلام کا رنگ ہر وقت بدلتا ہے۔

اسلام ایک ترقّی کا مذہب ہے، (Islam Religion of Nature)اِس سے مُراد یعنی جس طرح کہ (Nature) یہ ہے کہ ایک بچّہ بڑھتا ہے،اور جوان ہوتا ہے پھر بڑی عمر کو پہنچتا ہے یا اسی طرح ایک درخت ہے پھر گٹھلی ہے، ایک پودا ہے، ایک چھوٹا درخت ہے، پھر بڑا درخت ہے پھر بہت بڑا درخت ہے یہ (Nature) ہے، تو اِس (Nature) سے مُراد یہ ہے کہ اسلام آگے بڑھے گا ترقّی کرے گا، بہت ترقّی کرے گا۔کیا میں دُوسری حدیث بتاؤں کہ اِس کے موافق آپ کو پتا چلے کہ :بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْباً وَ سَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْباً ،اسلام (Beginning) میں اجنبی تھا، اُس کو سوائے مومنین کے کسی نے نہیں پہچانا اور آگے چل کر اپنی (Speed) میں اور اپنی ترقّی میں ایک دم سے پھر اجنبی ہو جائے گا، اور جس کو مومنین سمجھیں گے کہ اسلام ہے، اور دُوسرے لوگ نہیں سمجھیں گے ۔آج اسلام اسماعیلیت ہے یہ اجنبی ہو چکا ہے اِس سے اور [زیادہ] اجنبی ہو جائے گا اِس کو لوگ نہیں سمجھتے ہیں ۔اب (Suppose) کہ اسلام کے اندر کتنے فرقے ہیں؟ کونسا اسلام ہے؟ کس میں اجنبی ہے؟ اجنبی ہے تو اسماعیلیت میں اجنبی ہے، اور اہلِ شریعت میں اسلام تو اجنبی نہیں ہے وہی ہے جو چودہ سو سال پہلے تھا، تو اِس اجنبی سے مُراد یہ ہے کہ یہ (Religion of Nature) ہے، دینِ فطرت ہے۔بہر حال اتنی ساری باتوں کے بعد میں رُکتا ہوں، اور کوئی مناسب سوال ہو یا ضروری سوال ہو تو پوچھا جا سکتا ہے، شکریہ اور پھر دیکھیں گے کہ کیا آپ کا پروگرام ہوتا ہے۔

یہ ایک مقالہ ہے جو سجدے کے بارے میں ہے اور اِس کا عنوان ہے ''سجود میں سکون'' یعنی سجدے کے اندر کیوں کر سکون ملتا ہے۔مقالہ اِسی طرح سے شروع ہو جاتا ہے ''سُجود یعنی سجدہ کے اصل معنی ہیں جھکاؤ، فروتنی اور عاجزی اور دینی اصطلاح میں سجود اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے سامنے عجز و انکساری سے جھکنے، اور اُس کی غلامی کے تصوّر سے زمین پر سر رکھنے کو کہتے ہیں۔اسی لفظ سے ''سجّاد'' ہے جو بہت عبادت گزار کے لئے استعمال ہوتا ہے، ''سجّادہ'' یعنی جائے نماز، ''مسجد'' یعنی عبادت اور عبادت گاہ، ''مَسجَد'' یعنی پیشانی وغیرہ بھی اسی مصدر سے ہیں، اور اِن تمام لفظوں کے پس منظر میں جھکنے کے بنیادی معنی موجود ہیں۔سجود کی تین قسمیں ہیں، سجودِ تسخیری جو جمادات حیوانات اور انسانوں کے حق میں عام ہے، دُوسرا سجودِ اختیاری جو انسان کے لئے خاص ہے، تیسرا سجودِ عرفانی جو اہلِ معرفت کے لئے خاص تر ہے اور نجات اسی میں پوشیدہ ہے۔'' یعنی سجدہ تین درجوں میں ہے، ابتدائی درجہ اِس کا سجودِ تسخیری ہے، دُوسرا درجہ اِس کا سجودِ اختیاری ہے

اور تیسرا درجہ سجودِ عرفانی ہے، یعنی وہ سجدہ جو معرفت اور خداشناسی کے ساتھ ہے۔ یہ جو تیسرا درجہ ہے اہلِ معرفت کے لئے خاص تر ہے اور نجات اسی میں پوشیدہ ہے۔'' آسمان و زمین کی کوئی چیز ایسی نہیں جو تسخیری سجدہ نہ کرتی ہو سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور جانور سب شعور و اختیار کے بغیر اسی سجود میں لگے ہوئے ہیں، بلکہ تمام انسان بھی سجودِ تسخیری میں اِن چیزوں کے ساتھ شامل ہیں۔ اِس کے بعد سجودِ اختیاری کا ذکر آتا ہے جو ادیانِ عالم میں پایا جاتا ہے مگر جب آپ قرآنِ پاک میں موضوعِ سجود کو پڑھیں گے تو یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ بہت سے سجدے ایسے بھی ہیں جن میں ابدی نجات کی کوئی ضمانت نہیں کیونکہ وہ معرفت یعنی خداشناسی کے بغیر ہیں، جیسے ارشاد ہے: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ (۴۱:۳۷)۔ تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو اور اسی خدا کو سجدہ کرو جس نے اِن چیزوں کو پیدا کیا ہے، اِس نوعیت کے سجدے ممنوع اِس لئے ہیں کہ یہ معبودِ برحق کے لئے نہیں ہیں، مطلب یہ کہ اِن میں کوئی معرفت نہیں۔ پس خداوند تعالیٰ کی خوشنودی صرف اور صرف اسی سجدے میں پوشیدہ ہے جو ہر قسم کے شرک کی آلائش سے پاک و پاکیزہ اور عرفان و توحید کے نور سے منوّر ہو۔''

''سجود کا قصّہ بڑا طویل از بس عجیب و غریب اور پُر اسرار ہے، یہ بے حد دلکش جانفزا اور مسرّت بخش ہے، کیونکہ یہ کلامِ الٰہی کے اہم ترین موضوعات میں سے ہے، اِس کا ذکر قرآنِ پاک میں سب سے پہلے قصّۂ آدم میں ملتا ہے، چنانچہ ابلیس جس نافرمانی کا شکار ہو گیا تھا وہ حضرت آدمؑ کے لئے سجدہ نہ کرنے کی حکم عدولی تھی، چنانچہ ابلیس جس نافرمانی کا شکار ہو گیا تھا وہ حضرت آدمؑ کے لئے سجدہ نہ کرنے کی حکم عدولی تھی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو خلیفۂ خدا کا سجود اور اِس سے انکار کا انجام ایک ایسا واقعہ ہے جس کو دُنیا بھر کے مذاہب والے انتہائی عبرتناک اور سبق آموز ہونے کے سبب سے کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ترازوئے عدل میں ایک طرف ابلیس کے ہزاروں برس کی عبادات تھیں اور دُوسری طرف صرف ایک ہی سجدہ نہ کرنے کی نافرمانی۔ تعجّب ہے کہ اتنی ساری عبادت کا وزن نہ ہونے کے برابر ہوا اور یہ نافرمانی کا پلّہ سنگین ہو کر زمین سے لگ گیا۔ ہر چند کہ وہ بے شمار عبادات خدائے واحد کے لئے تھیں اور سجدے سے سرتابی کی وجہ ابلیس کے نزدیک جو کچھ تھی وہ ظاہر ہے مگر کوئی ہوشمند یہ کہنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ ابلیس کے معاملے میں ظلم ہوا ہے پھر اِس میں کیا سربستہ راز ہے، پھر اِس میں کیا سربستہ راز ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ: یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ (۶۸:۴۲)۔ جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور لوگ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے، یہ ایک عظیم اور پُرحکمت تاویلی اشارہ ہے جس میں ساقِ خدا یعنی خدا کی پنڈلی کا مطلب امامِ زمان ہے، ساق کھولنے کے معنی ہیں شخصِ امامت کی ظاہری و باطنی ہدایات کی بدولت دُنیا میں مادّی ترقّی کا دور دورہ ہونا اور لوگوں کو سجدے کے لئے بلانے کی تاویل یہ ہے کہ زبانِ حال اور قال سے انھیں کہا جائے گا کہ تم امام کی پیروی کرو مگر وہ یہ

پیروی اور اطاعت نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ اِس سے پہلے بھی اُن کو ایسی دعوت دی گئی تھی جس کو انہوں نے قبول نہ کیا تھا۔ درآں حالیکہ وہ سالم تھے یعنی انہوں نے کوئی سجدۂ عرفانی بجا نہیں لایا تھا یعنی انہوں نے کوئی سجدۂ معرفت بجا نہیں لایا تھا اور اُن کا جثۂ حقیقت جھُکا اور ٹوٹا ہی نہ تھا بلکہ سالم ہی تھا۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ: وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّہَا (۳۹:۶۹) اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اُٹھے گی، اِس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ نورِ خداوندی اِس دُنیا میں آفتاب و ماہتاب کی طرح مادّی شکل میں طلوع ہو جائے گا، بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل میں نورِ خدا کی یہ روشنی علم وفن اور عدل و انسانیت کی صورت میں چشمِ جہاں کو خیرہ کرے گی مگر دُنیا والے اِس حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہوں گے کہ مرکزِ نور کیا ہے اور کہاں ہے، یہ وہی زمانہ ہوگا جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔"

"آپ ذاتی طور پر بھی قرآنِ حکیم کی اُن پُرحکمت آیات کا گہرا مطالعہ کرکے دیکھیں جو سجدہ کے موضوع سے متعلّق ہیں، یقیناً بڑی گرانقدر معلومات فراہم ہو جائیں گی۔ سجدہ کا موضوع اتنا بڑا اہم اِس لئے ہے کہ یہ سجدہ ساری عبادت کا عنوان بھی ہے اور اجزائے عبادت میں سے یہ وہ جُز بھی جس میں بندۂ مومن انتہائی عجز و دنیاز کا مظاہرہ کرسکتا ہے، اور سجود کے موقع پر خودی اور خودنمائی کی آلودگی سے پاک و پاکیزہ ہو کر محویت و فنائیت کے مقام کو حاصل کرسکتا ہے، اور بہت ممکن ہے کہ اِس وسیلے سے وہ خداوندِ عالم کے قربِ خاص کو پائے، جیسا کہ ارشادِ قرآنی ہے کہ: وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ (۹۶:۱۹) اور سجدہ کر اور خدا کے نزدیک ہو جا۔" اسی کے ساتھ یہ مقالہ یہاں [ختم ہو جاتا ہے]۔

تاہم میں بھی اپنے اِس فرض میں کوشش کروں گا کہ کوتاہی نہ ہو، عرض یہ ہے کہ ہم نے قرآنی علم کے سلسلے میں جس طریقۂ کار کو اپنایا ہے وہ میرے نزدیک بہت ہی اچھا ہے، میں بیان کروں گا کہ وہ کیونکر اچھا ہے، مثال کے طور پر ابھی ابھی سجدے کا ذکر ہوا، آپ کو یقین ہے کہ قرآنِ مقدّس کے اندر سجدے سے متعلّق بہت سی آیات ہیں اور مانئے کہ وہ ایک موضوع ہے جو سجدے سے متعلّق ہے، اور اُس موضوع کی حدود یہ ہیں کہ اُس کے اندر سجدے سے متعلّق سب آیتیں آجاتی ہیں، اگرچہ وہ کسی دُنیوی کتاب کی طرح کسی ایک مخصوص باب میں نہیں ہیں، بلکہ سجدے سے متعلّق جتنی آیات ہیں وہ قرآن کے مختلف مقامات پر پھیلی ہوئی ہیں، لیکن اصلاً یہ ایک موضوع ہے جو سجدے سے متعلّق ہے، تو ہم نے جس طرح مقالہ لکھنے کی کوشش کی ہے اُس کا اصولِ کار یہ ہے کہ یہ موضوع یا یہ بیان تمام اُن آیات پر اثر انداز ہو جاتا ہے جو سجدے سے متعلّق ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ یہ اُن تمام آیات کا ایک خُلاصہ ہے یا فلسفہ ہے یا ایک نچوڑ ہے جس کے سمجھنے سے سجدے سے متعلّق ضروری علم کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ سجدے تین قسم کے ہیں، سب سے پہلے کہا گیا ہے کہ ابتدائی مقام پر سجدۂ تسخیر ہے، تسخیر معنی مسخّر ہو جانا، کام میں لگ جانا، تو خداوندِ عالم نے اِس کائنات کو پیدا کیا، اور اِس کو کام پر لگایا، تو اللہ کا اِس کائنات کو یا اِس عالم کو کام پر لگانا، اور اِس عالم کا اپنی خلقت کے مطابق کام کرنا اللہ کے لئے ایک سجدہ ہے۔ لیکن یہ سجدہ ایسا نہیں ہے کہ اُس

میں اختیار ہے یا شعور ہے یا معرفت ہے ایسا کچھ نہیں ہے، بلکہ غیر شعوری طور پر یہ کائنات اپنا کام کر رہی ہے، جو اللہ کی بادشاہی کے لئے ہے انسانوں کے لئے ہے، اور اُس مقصد کے لئے ہے جس کی خاطر خدا نے اِس کائنات کو پیدا کیا ہے، تو یہ سجدہ ہے اور اِس لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ آسمان میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب سجدہ کرتا ہے اللہ کے لئے (۲۲:۱۸) مگر اُس سے آپ یہ نہ سمجھئے کہ اِس سجدے کے عوض میں اِن چیزوں کو مثلاً جمادات کو، نباتات کو، حیوانات کو اور بہت سارے انسانوں کو کچھ ملے گا، نہیں ملے گا کیونکہ یہ سجدۂ تسخیر ہے اور غیر شعوری طور پر ہے۔

اب اِس کے بعد سجدۂ اختیاری کا ذکر ہے، میرے نزدیک یہ بیان اور یہ فلسفہ اسماعیلی مقصد کے لئے بہت ہی مفید ہے، تو دُوسرا سجدہ کیا ہے؟ وہ سجدۂ اختیاری ہے۔ یہ سجدہ جمادات، نباتات، حیوانات سے اُوپر ہے یعنی انسانوں کے درجے میں ہے، پھر بھی اِس بیان میں اِس سجدۂ اختیاری کو کچھ نہیں سمجھا گیا، کیونکہ سجدۂ اختیاری کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کے اندر جتنے لوگ لامذہب ہیں تو وہ شاید سجدۂ اختیاری تو نہیں کرتے ہیں مگر سجدۂ تسخیری تو کرتے ہیں۔ سجدۂ اختیاری وہ لوگ کرتے ہیں جن کا کوئی دین ہو، مثلاً یہود، نصاریٰ، آتش پرست، ہندو اور جتنے بھی لوگ دُنیا میں کوئی نہ کوئی مذہب رکھتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہیں۔ سجدہ سورج کے لئے اور چاند کے لئے ہو یا پتھر کے لئے ہو، بُت کے لئے ہو، صنم کے لئے ہو یا خدا کے لئے ہو یا خداؤں کے لئے ہو تو [وہ] بے شک سجدہ کرتے ہیں لیکن یہ سجدہ، سجدۂ اختیاری تو ہے مگر سجدۂ معرفت نہیں ہے، اِس سے اِن کو کچھ نہیں ملے گا۔

مثال کے طور پر خدا نے فرمایا کہ تم سورج کے لئے سجدہ نہ کرو اور چاند کے لئے سجدہ نہ کرو، سجدہ اُس ذاتِ یکتا کے لئے کرو جس نے اِن چیزوں کو پیدا کیا (۴۱:۳۷)۔ تو یہاں یہ ثبوت ملتا ہے کہ جو سجدہ معرفت کے بغیر ہو اُس سے کچھ نہیں ملے گا اور جیسے اسلام نے اُن عبادات کو اُن سجدوں کو اپنے ظہور کے ساتھ ساتھ باطل قرار دیا، اِس سے معلوم ہے کہ اِن سجدوں سے یعنی دُوسرے درجے کے سجدوں سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اب رہا سجدۂ معرفت، جس سے مُراد ہے وہ سجدہ جو خداشناسی اور توحید کے ساتھ ہو، اِس میں بے شک عوض ملے گا، بدلہ ملے گا، نجات ملے گی، سکون ملے گا، تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے ایک ایسے اُصول سے کام شروع کیا ہے، کہ اُس میں گو کہ ہر قرآنی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے لیکن مضامین کے اعتبار سے کہ قرآن کے اندر جتنے مضامین ہیں اُن مضامین کو گھیرے میں لینے کے لئے کوشش کی گئی ہے، اور میرے نزدیک یہ بہت مفید کام ہے کہ سجدے کے بارے میں ایک مضمون ہو اور اُس میں کلیدی باتیں ہوں، اور حکمت کا ایک اہم حصّہ اُس میں ملے، تو اسماعیلی جو نظریہ ہے صاف ہو جاتا ہے اور ہم کسی کے دھوکے میں نہیں آسکتے ہیں۔ کیونکہ دُنیا کے اندر آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو محض عبادت پر فخر کرتے ہیں، اور وہ سجدے پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سجدہ کیا ہم کو نجات ملے گی۔ حالانکہ یہ جاننا ضروری تھا کہ سجدے کتنی قسم کے ہوتے ہیں، اور کون سا سجدہ اعلیٰ ہے اور کون سا ادنیٰ ہے

وغیرہ یہ جاننا ضروری تھا، وہ اِس کے جاننے کی زحمت کو گوارا نہیں کرتے ہیں، مثال کے طور پر کبھی کبھار وہ پنج گانہ نماز پر فخر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بس ہم نے نماز پڑھی ہم کو نجات ملے گی، حالانکہ نماز کا جو موضوع ہے اُس کو یکجا طور پر یعنی اُس سے متعلّق آیات کو یکجا طور پر پڑھنا چاہئے، اور اُس کے فلسفے کو سمجھنا چاہئے اُس کی حکمت کو جاننا چاہئے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن کے اندر ایک آیت ہے اور وہ آیت یہ ہے کہ: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۱۰۷: ۴۔ ۵)۔ ''فَوَيْل'' قرآنی زبان میں تباہی اور بربادی کو کہتے ہیں، دیکھئے! عجیب بات ہے کہ خدا اُن نمازیوں کی تباہی و بربادی کا بیان دیتا ہے جو کہ وہ نماز تو پڑھتے ہیں پر اپنی نماز سے وہ غافل ہیں، پھر دوبارہ پڑھتا ہوں کہ ایسا نہ خیال کیا جائے کہ یہ ایسے نمازی ہیں کہ اُن پر نماز فرض تھی لیکن وہ اُس نماز کو نہیں پڑھتے ہیں، یہاں لفظ کے اعتبار سے ذرا سوچا جائے یہ نمازی وہ ہیں جو نماز تو پڑھتے ہیں پھر بھی اُن پر تباہی آتی ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۱۰۷: ۴۔ ۵)۔ تباہی اور بربادی ہے اُن ''مُصَلِّيْنَ'' کے لئے، اُن نمازیوں کے لئے جو نماز پڑھتے ہیں پر اپنی نماز سے وہ غافل ہیں۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ کس معنی میں وہ غافل ہیں؟ وہ غافل نماز کے مقصد سے ہیں، نماز کی حکمت سے ہیں، نماز کے اشاروں سے ہیں، نماز کی تاویل سے ہیں، اور اِس سے غافل ہیں کہ وہ نہیں جانتے ہیں کہ نماز کس لئے ہے، اور اس کے بعد کیا اِس سے پہلے کیا۔ مثال کے طور پر ایک آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۲۹: ۴۵)۔ بے شک نماز کی رسائی یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے، وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۲۹: ۴۵)۔ لیکن جو ذکرِ خدا ہے وہ سب سے بڑا ہے، اب عبادت کے یہاں اِس آیت کے اعتبار سے دو حصّے قرار پا گئے، ایک یہ کہ شرعی طور پر نماز [ادا] کی جائے اور جس کا پھل بے حیائی سے اور بُرائی سے رُکنے کی صورت میں ملے گا، اور دُوسری چیز جو اِس کے بعد ہے وہ اِس سے بہت بڑی ہے وہ یادِ خدا ہے وہ ذکرِ خدا ہے، اُس کا پھل بیان نہیں کیا گیا لیکن اشارتاً فرمایا گیا کہ: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۲۹: ۴۵) اِس اکبر میں نماز سے مقابلہ بھی ہے اور اِس کے علاوہ بھی اِس کی عظمت و بزرگی ثابت ہے کہ ذکرِ خدا جو ہے وہ بہت عظیم ہے یعنی جس مقصد کے لئے نماز کو ایک تیاری کے طور پر ادا کی جاتی ہے وہ مقصد نماز میں نہیں ہے بلکہ ذکرِ خدا میں ہے، مثال کے طور پر دیدارِ الٰہی، مثال کے طور پر نجاتِ ابدی، مثال کے طور پر آخرت کا حصول وغیرہ۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِس آیت کے اعتبار سے شرعی نماز کا ایک پھل بتایا گیا، اور وہ پھل بے حیائی سے اور بُرائی سے رُکنے کی صورت میں ہے۔ اب ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ جماعتیں یا کہ فرقے افراد کی طرح ہیں مثلاً اسماعیلی جماعت ایک شخص ہے، ایک فرد کی طرح جو زمانۂ رسولؐ سے چلتا ہے، اب تک اور قیامت تک یہ قائم اور زندہ ہے، اور اسی طرح ہر فرقہ بجائے خود ایک شخص ہے، ہر جماعت ایک فرد ہے، نظریے میں، آغاز میں اور انجام میں، اور یہ دیکھنا ہے کہ

وہ شخص کیسا ہوگا، اُس نے کیا کیا رسولؐ کے زمانے سے اب تک اور اِس نے کیا کیا، تو چنانچہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اِس آیت کے بموجب شرعی نماز کا جو نتیجہ ہے یا جو ثمرہ ہے یا جو پھل ہے وہ پھل اُس حد میں ہے یا اِس حد میں ہے۔ اگر یہ پھل اُس حد میں ہے تو اُس کا کہنا صحیح ہے کہ اُس نے شرعی نماز واجبی طور پر قائم کی تو نتیجۃً اُس کو وہ پھل ملا، اگر وہ پھل یہاں ہے اِس حد میں ہے یعنی اِس کمیونٹی میں ہے، اِس جماعت میں ہے، اور یہ جماعت ایسی ہے کہ نسبتہً یا مقابلتہً دُوسروں کے اِس میں بے حیائی نہیں ہے، بُرائی نہیں ہے اور یہ بالکل ذکرِ الٰہی کے مرحلے میں جانے کے قابل ہے، تو اِس کا کہنا صحیح ہے، اور اب اِس کو اُس تیاری کے بعد اور شرعی نماز کے مقصد کے بعد اِس کو ذکرِ الٰہی میں جانا چاہئے، تو میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مضامین ایسے ہوں کہ ہر مضمون قرآنِ مقدّس کی بہت سی آیتوں کو گھیرے اور قرآن کے بہت سے مقامات پر حاوی ہو، اور ایک ہی بیان کے جاننے اور سمجھنے سے قرآن کا ایک حصّہ آوے، تو پھر یہ اچھا ہے بجائے اِس کے کہ ہم قرآن کی تفسیر لکھیں، بکھری ہوئی تفسیر، بے مقصد یہاں کچھ اور وہاں کچھ اور بہتر یہ ہے کہ ہم قرآن کے ذیلی موضوعات کو باہم ملا کر ایک مضبوط اور اُصولی مضمون بنائیں اُس کو بنیاد سے سمجھیں، اُس کے فلسفے کو سمجھیں اور اُس کی حکمت کو سمجھیں، تو اسی طرح ہم قرآن کے مقاصد کو، قرآن کے بھیدوں کو [اور] قرآن کی حکمت کو سمجھ سکتے ہیں۔

دُوسری بات میں آپ کو یہ بتاؤں کہ قرآن میں یہ ذکر بھی ہے کہ پیغمبر اور امام اِس لئے ہیں کہ وہ علم وحکمت کے وسیلے سے مومنین کو پاک و پاکیزہ بنائیں (۳: ۱۶۴)۔ لوگ تو اپنی پاکیزگی معلوم نہیں کن کن چیزوں میں سمجھتے ہیں لیکن قرآن نے بتایا کہ آخری جو سب سے اُونچی پاکیزگی ہے وہ علم وحکمت کے وسیلے سے ہے، اور یہ پاکیزگی کچھ ایسی ہے جیسے اہلِ بیت کی پاکیزگی تھی کہ اہلِ بیت کی شان میں ایک آیت نازل ہوئی ہے اُس کا نام "آیتِ تطہیر" (۳۳: ۳۳) ہے، اور جس کے تحت پنجتنِ پاک کو انتہائی پاک ومقدّس مانا جاتا ہے، تو یہ پاکیزگی امام کی بدولت اور اُس کی پیروی کی مہربانی سے علم سے ہے، کیونکہ نجاست کئی قسم کی ہے، اور بہت سخت اور مشکل نجاست وہ ہے جو کافروں میں ہے، جو مشرکوں میں ہے، قرآن میں ہے کہ کافروں کو مشرکوں کو خانۂ خدا کے قریب نہ آنے دیجئے کیونکہ وہ ناپاک ہیں اور نجس ہیں۔ اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ وضو نہیں کرتے ہیں ہاتھ پاؤں نہیں دھوتے ہیں غسل نہیں کرتے ہیں، آج بھی دُنیا میں آپ کو ایسے بہت سے لوگ ملیں گے جو ہم سے آپ سے جسمانی طور پر بہت صاف ستھرے [ہیں] لباس سے جسم سے اور بہت سی چیزوں سے پاک اور صاف نظر آتے ہیں یہ پاکیزگی نہیں ہے، اصل پاکیزگی نظریات کی ہے، اور خداشناسی کی ہے جو جو نورِ خدا کو پہچانے اور جس پر نور کی تابش ہو، جو نور کے سمندر میں ہو، اور جس پر نور کی بارش ہوتی ہو یعنی علم کی، معرفت کی، امام شناسی اور امام کی محبّت کی تو وہ اتنا پاک اور مقدّس ہے کہ اُس کے برابر دُنیا کا کوئی شخص اور پاکیزہ نہیں ہے۔

تو یہ سب علم کی تعریف ہے اور اسماعیلی مذہب کی تعریف ہے کہ وہ اسماعیلی امام کے نور کی کرنیں ہیں، اور جس

طرح نور پاک ہوتا ہے تو نوری کرنیں بھی پاک ہوتیں ہیں، آپ کی سب کی رُوح بہت ہی مقدّس اور پاک ومنزّہ ہے اِس لئے کہ آپ نور کے فرزند ہیں۔ ہم ظاہری طور پر صرف امام کے اہلِ خانہ کو، اہلِ بیت کو ''نورانی فیملی'' کہتے ہیں، یہ تو ظاہری بات ہوگئی لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو وہ سب بھی نورانی فیملی ہیں جن کو امام اپنے رُوحانی بچّے قرار دیتے ہیں، کیونکہ رُوحانی فرزند اور نورانی فرزند دونوں کا ایک ہی مطلب ہے، اور یہ دو لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہیں لیکن نور اور رُوح ایک ہی چیز ہے۔ امام جب کہتے ہیں کہ تم میرے رُوحانی فرزند ہو وہ گویا کہتے ہیں کہ تم میرے نورانی فرزند ہو، یہ نورانی فرزند امام سے منسوب ہے، امام کے رشتے سے ہے، اِس میں امام کی رُوح کی بات ہے، تو آپ کو، ہم کو امام کی رُوح کو نور ماننا چاہئے، اِس معنی میں یہ صحیح ہے کہ ہم کہیں کہ سب اسماعیلی امام کے نورانی فرزند ہیں یا کہ وہ اُس کے نور کے ٹکڑے ہیں یا کہ اُس کے نوری کرنیں ہیں تو اِس معنی میں آپ حقیقت میں نورانی فیملی ہیں۔

میں پاکیزگی کا بیان دیتا ہوں اِس معنی میں کہ آپ بہت پاک و پاکیزہ ہیں اِس لئے کہ آپ امام کو امام مانتے ہیں، اِس معنی میں کہ آپ امام کی محبّت رکھتے ہیں، اُس کی اطاعت کرتے ہیں تو یہ ہے، اور پھر میں لوٹتا ہوں اپنے طریقۂ کار کے بارے میں اور میں کوشش کرتا ہوں کہ جو بھی مضامین ہیں وہ بالکل اِسی اُصول کے مطابق ہوں کہ وہ قرآن کے ایک موضوع سے ہوں اور جس کے تحت بہت سی آیتیں آئیں۔ مثلاً جب ہم ''صراطِ مستقیم'' کا ذکر کرتے ہیں، اُس کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے اندر جتنی آیات صراطِ مستقیم سے متعلّق ہیں وہ سب اِس میں آجاتی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ گمراہی سے متعلّق جتنی آیات ہیں وہ بھی (Indirect) اسی میں آتی ہیں اور ''سبیل'' کا جو لفظ ہے جو راستے کو کہتے ہیں وہ بھی اسی میں آتا ہے اور ''طریق'' جو راستے کا نام ہے وہ بھی اسی میں آتا ہے اور ایسے بہت سے ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں وہ اِس میں اِس مضمون کے تحت آتے ہیں، اِس طرح یہ قرآن کی حکمت جاننے کا ایک بہت منظّم اور بہترین اُصول ہے۔ میں اسی کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ یا علی مدد۔

امام کے نوری منتقلی اور رُوحانیت کے راز: [From Cassette No- AC 25B]

امام کچھ تو محبّت سے، کچھ تعلیم سے اور کچھ بول سے، اور کچھ معجزے سے اِس نور کو وہاں تک پہنچاتے ہیں اور ایک دم سے یہ نور منتقل نہیں ہوتا ہے، (Light) پڑتی ہے، روشنی جاتی ہے۔ یعنی مرکز امام ہوتا ہے جو تختِ اِمامت پر متمکّن ہے تو اُس میں سے اُن کے فرزند کو روشنی جاتی ہے، اور وہ روشنی اپنے لئے جگہ بنا لیتی ہے ہونے والے امام کی پیشانی میں، اور رفتہ رفتہ وہاں بھی روشنی ہوتی ہے یہاں بھی روشنی ہوتی ہے، فرق کیا ہوتا ہے؟ اختیار، حکم، امر ایک مرکز پر ہوتا ہے۔ ایک مرکز پر امر ہوتا ہے اور آخری وقت میں یہ امر بھی وہاں اختیار میں منتقل ہوتا ہے، آخری وقت میں کوئی چیز منتقل ہونے

کے لئے نہیں رہتی ہے، روشنی آچکی ہوتی ہے علم آچکا ہوتا ہے۔لیکن یہ مادّی چیز نہیں ہے نہ کہ وہاں جگہ خالی ہو اور [نور] ادھر آئے [نور] اُدھر بھی ہوتا ہے اِدھر بھی ہوتا ہے۔

اِس کے علاوہ پیروں کے زمانے کا کیا تصوّر کریں گے ہم، تو پیر، درویش اور اعلیٰ مومن بھی یہ محسوس کرتے تھے کہ مولا مجھ میں ہے ایسا محسوس کرتے تھے اُن میں بھی روشنی ہوتی تھی، اِس کے باوجود اُس روشنی سے کوئی کمی نہیں ہوتی تھی وہ تو رُوحانی روشنی [ہے]۔جسمانی روشنی کی مثال لیں، ہم میں سے ہر ایک، ایک (Mirror) کو سامنے رکھیں اور دھوپ میں نکلیں تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو سورج کا عکس ہے یا (Reflection) ہے میرے آئینے میں ہے، کتنی غلط بات ہوگی حالانکہ آپ کے آئینے میں بھی وہی چیز ہے، اور اگر دُنیا بھر کے لوگ ایک ایک آئینہ لیں تو اتنے سورج اُس میں نظر آئیں گے جتنے کہ لوگ ہیں اور جتنے کہ آئینے ہیں، یہ تو مادّی چیز کی بات ہوگئی۔جب مادّی روشنی کا یہ حال ہے تو پھر اُس رُوحانی روشنی کا کیا عالَم ہوگا وہ تو سب کو نور دیتا ہے جو اِس کے اہل ہوں، اور اگر مثال کے طور پر دُنیا والے اِس قدر صاف ستھرے [اور] پاک و پاکیزہ ہو جائیں کہ اُن کے دل کے آئینے میں یہ (Reflection) ہوسکتا ہے تو بلا دریغ سب میں وہ نور چمک جائے گا، بغیر اِس کے کہ اُس نور میں کوئی کمی واقع ہو، اُس نور میں کوئی بھی کمی واقع نہیں ہوگی بالکل کمی واقع نہیں ہوگی یہ مثال ہوگئی نا! اب لوٹ آئیں اصل مقصد کی طرف ہم بات کر رہے تھے کہ امام اپنے فرزند کو کس طرح نور دیتے ہیں، تو نور دیتے ہیں محبّت سے یعنی محبّت بھی ضروری ہوتی ہے، اور علم سے اُس میں علم کا بھی ایک پورشن ہوتا ہے دو باتیں، اور اسم سے یعنی کلمہ میں بہت زبردست معجزہ ہے، بول وہ بھی، اِس کے علاوہ تو جّہ اِس کو تو جّہ کہتے ہیں، ارادہ تو جّہ، تو جّہ رہتی ہے۔ اسی طرح تین چار اعلیٰ قوتیں ہیں جن کے ذریعے سے ہونے والے امام کی پیشانی میں نور روشن ہو جاتا ہے، اور اُس میں اہلیت آتی ہے پھر وہ رُوحوں سے باتیں کرنے لگتا ہے، وہی باتیں جو رُوحانیت کی ہیں، جو امام کی ہیں، جو پیغمبر کی ہیں سب کی ہیں، پھر مراحل رُوحانیت سے گزرتا جاتا ہے پھر وہ امام ہو جاتا ہے۔

ایک بہت ہی دلچسپ بات میں آپ کو بتاؤں بہت ہی دلچسپ بات، امام کا جو نور ہے وہ پیشانی میں ہے اُس نور کی بہت سی کرنیں ہیں، بہت سے رنگ ہیں، بہت سی روشنیاں ہیں، بہت سے عجائبات ہیں، وہ زندہ نور ہے، وہ بولتا ہے، بہت سی کرنوں کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے بہت سے جلوے ہیں، اصل میں وہ نور ایک اسم کی شکل میں ہوتا ہے بنیادی طور پر، اُس میں سے اسم کا شعلہ بلند ہوتا ہے، اور پھر اُس میں بہت عجائبات ہوتے ہیں۔ہمیں یہ کہہ کر خاموش نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اُس کو بیان نہیں کر سکتے ہیں کچھ تو بیان کرنا چاہئے کہ اگر بیان نہیں کر سکتے ہیں تو پھر معرفت کس طرح ہوئی، تو اُس کے عجائبات بہت زیادہ ہیں، اور اُن عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نور میں امام کے والد کی حیثیت بھی ہوتی ہے، اگلے امام کی حیثیتیں بھی ہوتی ہیں، پیغمبر کی حیثیت بھی ہوتی ہے، خدا کی حیثیت بھی ہوتی ہے، اُس کی خود کی حیثیت بھی ہوتی ہے

اور اُس کے جانشین فرزند کی حیثیت بھی ہوتی ہے اور بہت سی اعلیٰ حقیقتوں کی حیثیتیں اُس میں جمع ہوتی ہیں۔ لہٰذا اُس نور کی مرضی ہے کہ وہ کس رُوپ میں جلوہ گر ہوتا ہے، چاہے وہ خدا کہہ کر خطاب کرے، پیغمبر کے عنوان سے بات کرے، کہے کہ میں تیرا نور ہوں، کہے کے میں تیرا باپ ہوں، کہے کہ میں تیرا ہونے والا فرزند ہوں، تیرا جانشین ہوں اور فلاں پشت پیچھے کا ہوں، یہ سب باتیں وہاں پر ممکن ہو جاتی ہیں، اور سب باتیں صحیح اور سچ قرار پاتی ہیں، تو یہ ہے بہت بلندی کی بات اور بہت سچّائی کی بات، اِس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں اور اسی میں مونو ریالزم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کے اندر مومنین کی رُوحوں کی بھی کوئی حقیقت ہو، امام نے کبھی فرمایا ہے کہ: تمہارے لئے میری آنکھوں میں محبت ہے صحیح فرمان مجھے یاد نہیں ہے لیکن قریب کا کوئی مفہوم بتا رہا ہوں آپ میں سے کسی کو یاد ہے تو بتائیں، ایسا فرمان میں نے پڑھا ہے کہ اُس میں بہت محبّت کی بات ہے اور بہت عزّت کا لفظ ہے۔

تو بہر حال یہ رُوحانیت کے راز ہیں بھید ہیں اِن باتوں کو سُننا چاہئے باور کرنا چاہئے، اور اِس میں سے نتائج کو اخذ کرنا چاہئے، نتائج نکالنا چاہئے۔ یہ بہت اُونچی بات ہے جو میں اِس کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ نور کبھی خود کو خدا کے طور پر، کبھی خود کو پیغمبر کے طور پر، کبھی خود علیؑ کے طور پر، کبھی خود کو حاضر امام کے طور پر، کبھی خود کو ہونے والے امام کے طور پر پیش کرتا ہے، یہ اِس کے جلوے ہیں، یہ اِس کے مختلف رُوپ ہیں اور یہ صحیح ہے۔ اِس لئے کہا گیا ہے کہ جو حقیقت ہے وہ ایک ایسے ڈائمنڈ کی طرح ہے کہ جس کے کئی پہلو ہیں، کئی رُخ ہیں، جب رُوحانیت کی بلندی پر جایا جاتا ہے تو وہاں پر جو گوہر ملتا ہے جو موتی ملتا ہے جو لعل ملتا ہے وہ پہلو دار ہوتا ہے، اُس کے رُخ ہوتے ہیں کبھی یہ رُخ سامنے آتا ہے، کبھی وہ رُخ سامنے آتا ہے، کبھی یہ سائیڈ کبھی وہ سائیڈ، کبھی یہ پہلو کبھی وہ پہلو تو ہر پہلو سے ایک الگ جھلک، ایک الگ روشنی، ایک الگ رُوپ، ایک الگ بھید ظاہر ہو جاتا ہے اور سب بھید اپنے اپنے مقام پر صحیح ہیں اُس میں کوئی بھید غلط نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ روحی فدا! نے کہا کہ اسلام یہود کے عقائد کی طرح نہیں ہے، اسلام مونو ریالزم ہے۔ مونو ریالزم کا مقصد اُس کی ایک مثال یہ ہے کہ جس طرح منصورؒ نے کہا۔ چلئے صوفیوں کی بھی ایک بات کریں کہ صوفی بہت اچھی باتیں کرتے ہیں جو صحیح صوفی ہیں جیسے مولائے رومؒ اور شیخ عطّارؒ، منصور حلّاجؒ وغیرہ، اُن کی باتیں بڑی پیاری ہوتیں ہیں اور مزا آتا ہے وہ حقیقت کی باتیں کرتے ہیں، رُوحانیت کی باتیں کرتے ہیں، تو مقصد یہ ہے کہ مومن کی رُوح کے لئے بہت بڑی بلندی مقرّر ہے یا کہنا چاہئے کہ انتہائی بلندی اور جیسی کہ کوئی اور بلندی نہیں ہے وہ مقام مومن کے لئے ہے۔

چلئے اب اسی کے ساتھ بات ختم کرتے ہیں، آخر میں ایک حدیث بیان کریں گے، میں اُس حدیث کو بہت چاہتا ہوں وہ حدیثِ قدسی ہے جس میں خدا نے فرمایا کہ اے ابن آدم میری اطاعت کرو تا کہ میں تجھ کو اپنے مانند بناؤں۔ اِس میں بات ختم ہے مونو یالزم کی اور ہر وقت ہم اسی کو چاہتے ہیں کیونکہ [یہ] ہمارے امام کی پسندیدہ بات ہے، اور امام اپنے

مُریدوں کو اسی کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں امام اگر یہ نہیں چاہتے تو اِس بات کو نہیں کرتے وہ امام تھے وہ ڈرنے والے نہیں تھے۔ یہ کسی انقلاب کے آنے سے اُن کو کیا ڈر ہے، انقلاب آگیا تو آنے دو نظریات میں، عقائد میں ابھی انقلاب کا وقت آچکا ہے۔ کیا اِس وقت جب دُنیا، دین کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہے تو ایسے میں اسلام کے اندر جو مخفی دولت ہے اِس کو نمایاں نہیں کرنا چاہئے، اسلام کے اندر جو بھید ہیں جو گوہر ہیں اُن کو اب بھی چھپا کر رکھنا چاہئے کوئی نئی بات نہیں ہونی چاہئے، تو کس طرح ہم دُنیا کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں، اِس کے بغیر کہ اسلام کے اندر جو خوبیاں ہیں اُن کو ظاہر کریں، تو یہ صحیح ہے کہ اسلام مونو ریالزم ہے، یک حقیقت ہے یعنی ہماری سب حقیقتیں ایک مقام پر ایک ہیں وہ اِس طرح سے ایک ہیں کہ کبھی جدا نہیں ہو سکتی ہیں، وہاں پر خاطر خواہ ہماری رُوحوں کی عزّت ہے۔

اِن شاء اللہ اِس کتاب کے اندر ایسی ایسی انقلابی باتیں ہیں وہ آپ پڑھیں گے، آپ پڑھائیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔ میں نے اِس کے اندر انسان کی دو رُوحوں کا ذکر کیا ہے کہ ایک رُوح وہاں پر ہے جو دُنیا میں آئی نہیں ہے وہ بڑی عزّت میں ہے اور خدا کے ساتھ مل کر ہے وہ مرکز پر ہے اور یہ رُوح دُنیا میں آئی ہے، یہ انا دُنیا میں آئی ہے، یہ شخصیت درخت کی چھاؤں کی طرح ہے۔ اب اِس میں اور اُس میں اتنا فرق ہے جتنا کہ درخت میں اور اُس کے سائے میں۔ دیکھیں! سائے میں صرف تاریکی ہے، سائے میں پھل نہیں ہے، پتّے نہیں ہیں، پھول نہیں ہے، خوشبو نہیں ہے، وہ ٹھوس نہیں ہے، وہ کچھ نہیں ہے وہ صرف ایک سایہ ہے، لیکن درخت، درخت ہے گو کہ سایہ بھی درخت ہی کی طرح ہوتا ہے۔ اسی طرح ہماری جو وہ حقیقت ہے جو اب تک جنّت میں ہے جو خدا کے ساتھ مل کر ہے وہ اصل چیز ہے وہ اصل حقیقت ہے، اصل انا ہے اور جب ہم اُس سے جا ملیں گے تو ہم اِس ہستی کو مٹائیں گے، اِس کو اُس میں فنا کریں گے تب تو ہماری کامیابی ہوگی۔ میرے خیال میں، میں نے کافی باتیں کیں اور ضمناً اچھی اچھی اعلیٰ باتیں آگئیں، مجھے اُمید ہے کہ آپ تمام باتوں کو ذہن نشین کر لیں گے اور اِس سے متعلّق کوئی سوال ہو تو بھی کر لینا اور اسی کے ساتھ میں اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ شکریہ، مہربانی۔

انہوں نے ایک سوال اُٹھایا اور وہ سوال سورۂ رحمان کی ایک کیسٹ سے ہے، آپ کہتے ہیں کہ جس طرح اُس کیسٹ میں کہا گیا ہے، کہ خداوندِ عالم نے صرف ایک ہی مخلوق کو پیدا کیا یعنی عقلِ کُل کو اور عقلِ کُل نے نفسِ کُل کو بنایا اِس صورت میں اگر ہم عقلِ کل کو آدم مانتے ہیں تو کیا پھر آدم نے حوّا کو پیدا کیا اِن کا سوال یہ ہے، تو جواب یوں عرض ہے کہ تاویل کے لحاظ سے یہ صحیح ہے ہاں! کہ آدم نے حوّا کو پیدا کیا اور وہ اِس طرح کہ علمی طور پر آدم نے اپنے حجّت کو علم سے تیار کیا اور اُس میں آدم کی تعلیم مکمّل ہوئی، تو اِس معنی میں آدم نے حوّا کو پیدا کیا اور ظاہری شریعت کی روایت میں بھی یہ بات آتی ہے کہ حوّا کسی اور عنصر سے نہیں بلکہ آدم کے پہلو سے پیدا کی گئی، تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ پہلو کا مطلب آدم کا اپنا علم ہے اور یہ

جو کہا جاتا ہے کہ آدم کے جانبِ چپ کی ایک پسلی سے حوّا کو پیدا کیا گیا، تو آدم کے بارہ (۱۲) ظاہری اور بارہ (۱۲) باطنی حجّت تھے، تو آدم کے بارہ (۱۲) باطنی حجّتوں میں سے ایک سے اُس کے باب کو یعنی حجّتِ اعظم کو بنایا گیا، تو یہ ہے اِس روایت کی تاویل کہ آدم کہ بائیں پہلو میں سے حوّا کو پیدا کیا گیا۔ تو اِس معنی میں گویا آدم ہی نے اپنے علم سے اپنے ایک حجّت کو مکمّل کیا، لہٰذا یہ صحیح ہے کہ خدا ایک ہے، اِس لئے اُس نے صرف ایک ہی کو پیدا کیا۔ قرآن میں اِس کا اشارہ ''احسنُ الخالقین'' (۲۳:۱۴)، (۳۷:۱۲۵) کے لفظ میں ملتا ہے کہ خدا ''احسنُ الخالقین'' ہے اور ''احسنُ الخالقین'' کا یہ مطلب ہے کہ خدا جو کچھ پیدا کرتا ہے وہ بہترین ہوتا ہے، اور خدا کی تائید اور اُس کی یاری کے وسیلے سے پیدا کرنے والے اور بھی ہیں، جس طرح اِس دُنیائے ظاہر میں ایک شخص کُرسی کو بناتا ہے اور ایک انسان مٹکوں کو تیار کرتا ہے، ایک شخص کپڑوں کو تیار کرتا ہے اور اِسی طرح دُنیا میں بہت سے خالق ہیں جو مجازی ہیں حقیقی نہیں ہیں، تو یہ کچھ نہ کچھ تخلیق کیا کرتے ہیں، اسی طرح قرآن کا یہ ارشاد کہ خدا ''احسنُ الخالقین'' ہے تو وہ خالقین میں سے برترین ہے اور خالقین میں سے بہترین ہے، لہٰذا اُس کی مخلوق ایک ہی ہے کامل ہے اور مکمّل ہے اور وہ عقلِ کُلّی ہے۔

ٹائپنگ: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

Click here for Audio

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی (ق س) کا پُرحکمت بیان

عنوان: آسمان اور زمین کی کلیدیں، حقیقی علم کے حصول کے لئے تیاری

کیسٹ نمبر: ۳۴   تاریخ: دسمبر، ۱۹۸۰ء، کراچی

عزیزانِ من! یا علی مدد!!

اب ہم آرام سے کچھ علمی گفتگو کریں گے، ہم نے آپ نے ماشاء اللہ تھوڑی سی گریہ وزاری سے، عبادت سے اپنے دلوں کو اپنے قلوب کو صاف و پاک کرنے کے لئے کوشش کی اور اِن شاء اللہ خداوندِ عالم کو اگر منظور رہا تو یہ دل بھی پاک ہو سکتے ہیں۔ عزیزانِ من! جیسا کہ آپ ہمیشہ چاہتے ہیں کہ کچھ اُونچے درجے کے علم کے بارے میں بات ہو، تو آپ کے اور ہمارے سامنے قرآنی اور رُوحانی علم سے بڑھ کر کوئی علم اُونچا نہیں ہے، اور یہی آخری علم ہے اور یہی سب سے بلندترین علم ہے۔ خداوند یاری فرمائے تو ہم تھوڑی سی گفتگو کریں گے وہ یہ کہ آپ یہ سُن کر اور یہ جان کر بڑے خوش ہوں گے کہ قرآن کا علم جو ہے [وہ] خزانوں کی طرح ملتا ہے یعنی گروپ گروپ میں ملتا ہے، بکھرا ہوا نہیں ملتا ہے، اور جیسے کسی کو کوئی کُنجی ملی، کلید ملی تو قفل کو کھولا، دروازے کو کھولا اور خزانے میں داخل ہوا تو خزانے کو لینے لگا۔ یہ بات صرف مثال کی حد تک محدود نہیں بلکہ حقیقت بھی ہے، اِس لئے کہ قرآن کے اندر خزانے کا تصوّر دیا گیا ہے فرمایا گیا ہے کہ خزانے جو ہیں وہ اللہ کے پاس ہے اور اِس سے بڑھ کر کنجیوں کا تصوّر دیا گیا ہے، کلیدوں کا تصوّر دیا گیا ہے، فرمایا گیا ہے کہ: ”آسمان اور زمین کی کلیدیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں“ (۳۹: ۶۳، ۴۲: ۱۲)۔ اب اگر ہم ظاہری اور مادّی طور پر دیکھیں تو ہم کو ایسے خزانے، ایسے تالے، اور ایسی کلیدیں نہیں ملتی ہیں جن کو ہم اِن ظاہری آنکھوں سے دیکھ سکیں، یعنی اِس بیرونی جہان میں کوئی ایسا نظام نہیں ہے کہ خدا کی ہر چیز پر تالا لگا [ہوا] ہو، آزاد ہے ظاہری طور پر، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، آسمان زمین میں جو کچھ مادّی رحمتیں ہیں وہ تو بالکل آزاد ہیں، کشادہ ہیں اور اُس پہ کچھ پابندی نہیں ہے وہ خزانوں کی صورت میں نہیں ہے۔ تو پھر کیا بات ہے اور ہم کس طرح سمجھیں اِس مطلب کو، اِس راز کو جو خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ آسمان اور زمین کی کلیدیں اُس کے پاس ہیں، اور آپ جانتے ہیں کہ جہاں کلید ہے یعنی (Key)، اُس میں قفل بھی ہے یعنی (Lock)، جہاں قفل ہے تو [وہاں] دروازہ ہے اور جہاں دروازہ ہے تو وہ ایک گھر ہے، وہ ایک خزانہ ہے، اور جو خزانہ ہے اور اُس پر تالا لگا ہوا ہے تو اُس کے اندر کچھ نہ کچھ قیمتی شیٔ ضرور ہوگی۔ دیکھا آپ نے کہ ایک بات کی معنوی گہرائی میں

جائیں تو دُوسری بات ملتی ہے اور اُس سے تیسری بات ملتی ہے، تو معنوں کا ایک سلسلہ چلتا ہے، ایک (Logic) بنتی ہے۔ شاید بلکہ یقیناً جن چیزوں پر تالے لگے ہوئے ہیں، اور جو دولت خزانوں کے اندر بند ہے وہ علم وحکمت، معرفت اور اسرارِ خداوندی ہیں۔

اب میں جو آپ کے سامنے حقیقت بیان کروں گا اُس میں شاید آپ خوش ہو جائیں گے اور تعجّب بھی ہوگا کہ یہ جو کلیدیں ہیں اور یہ جو تالے ہیں، یہ جو دروازے ہیں اور یہ جو دَر و دیوار یعنی ایک مکان خزانے کے لئے جو گھر یا کمرہ ہے تو یہ چیزیں مادّیت کی نہیں ہیں، گھر ہے! علم کا ہے، دَر ہے! وہ بھی علم کا ہے، تالا ہے! وہ بھی مثال کا ہے اور جو کلید (Key) ہے اُس کو یا تو آپ ''اسمِ اعظم'' کہئے یا کوئی ''کلمۂ تامّہ'' کہئے یا اُس کو آپ اجازت مانیے یعنی پیر و مُرشد کی یا خدا کی یا پیغمبر کی یا اُس کو آپ ریاضت وعبادت مانیے تو ایسی کوئی چیز ضرور ہے اُس کے ہونے کے ساتھ ساتھ، اور دیگر شرطوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ آپ مثال کے تالے کو کھول سکتے ہیں، اور جیسے ہی آپ مثال کے تالے کو کھولیں گے اور علم وعرفان کے اِس خزانے میں داخل ہو جائیں گے تو اُس وقت آپ کو علم واقعاً خزانے کی شکل میں، گروپ میں ملے گا، بہت سارا علم ایک ساتھ ملے گا، بہت سارے گوہر، بہت سارے موتی ایک ساتھ آپ لُوٹنے لگیں گے اور یہ حقیقت ہے۔ لہٰذا جو امامِ برحق کے مُرید ہیں جو سچّے مومن ہیں اور وہ اُصول کے مطابق قرآن کے سلسلے میں جب جدوجہد کرتے ہیں تو اُن کو ایک (Level) ملتا ہے، ایک سطح پر وہ پہنچ جاتے ہیں، اُس سطح پر پہنچنے کے بعد اُن کو بے شک کلیدیں ملتی ہیں اور پھر علم کے خزانے ملتے ہیں۔ وہ لوگ جہاں قرآن کو سمجھنے لگتے ہیں تو وہ اُصول، وہ طریقہ دُنیا والوں سے قطعاً مختلف ہوتا ہے اور [وہ] دیکھتے ہیں کہ دُنیا والے قرآن فہمی کے سلسلے میں کس قدر قابلِ رحم حالت میں مبتلا ہیں، وہ اُن وجوہات کو بھی سمجھنے لگتے ہیں کہ جن سے لوگ جو ہیں قرآن کی حقیقت سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ وجوہات کچھ اِس طرح سے ہیں، کہ خداوندِ عالم نے جہاں یہ فرمایا کہ اُس کے خزانے ہیں اور اُن کے تالے ہیں، کلیدیں ہیں تو اُس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اُن خزانوں کے خزانچی بھی ہیں، خزانچی کہیں (Treasurer) کہیں یا خزانہ دار کہیں [۵۲:۳۷]، کیونکہ آپ جب قرآن کا سرسری مطالعہ کریں گے تو تب بھی آپ کو اِس بات کا علم ہو جائے گا کہ ہر اہم چیز ایک خزانے میں ہے اور خزانے کا ایک خزانہ دار ہے۔ اِس لئے کہ اسلام کی گہری (Study) کرنے سے ہر مسلمان کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ خدا کی ایک عظیم صفت جو ہے وہ بادشاہی ہے، بادشاہ ''مَلِك'' ہے، خداوند ''مَلِك'' ہے، ''اَلْمَلِكُ الْقُدُّوس'' ہے، پاک بادشاہ اور بادشاہ کا تصوّر کچھ اِس طرح سے ہے کہ اُس کے حشم ہیں، اس کے خدم ہیں، اُس کے غلام ہیں، اُس کے نوکر ہیں، اُس کے لشکر ہیں اور ہر کام ہر فعل اور ہر فریضہ جو ہے خدا کے حشم وخدم انجام دیتے ہیں۔ جس طرح ادنیٰ (Level) پر دُنیا کے کسی بادشاہ کی مثال ملتی ہے کہ بادشاہ کوئی بھی کام اپنے ہاتھ سے انجام نہیں دیتا، یہ بادشاہ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ چھوٹے موٹے کام کرے، ہر عظیم بادشاہ صرف حکم

کرتا ہے اور اُس کے نوکر چاکر اُس حکم کی تعمیل کرتے ہیں، اسی طرح اسلام میں بھی یہ ہے کہ خدا کے بہت سارے فرشتے ہیں بہت سارے ملائکہ ہیں، اور ہر کام خدا کی طرف سے جو انجام پاتا ہے کوئی ایک خادم، کوئی ایک فرشتہ، کوئی ایک پیغمبر، کوئی ایک مومن اور اُس کا بندہ انجام دیتا ہے۔

اسی طرح آپ باور کریں گے کہ خدا کے خزانوں کے خزانہ دار ہیں، (Treasurers) ہیں اور کم سے کم آپ دوزخ کے بارے میں پڑھیں قرآن کے اندر جو دوزخ کا بہت بڑا موضوع ہے اُس کو پڑھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ دوزخ کا بھی خزانہ دار ہے [۳۹:۷۱، ۴۰:۴۹، ۶۷:۸]، بہشت کا بھی خزانہ دار ہے [۳۹:۷۳]۔ چنانچہ خدا کے علم کے جو خزانے ہیں اُن کے بھی خزانہ دار ہیں۔ اب آگئے ہم اپنے مقصد کے قریب کہ خداوندِ عالم نے تمام اعلیٰ سے اعلیٰ چیزوں کو امامؑ سے وابستہ کر دیا ہے: وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۳۶:۱۲)۔ جب امامِ مبین کی شناخت ہوتی ہے تو لامحالہ علم کے خزانے ملتے ہیں، اِس کے برعکس اگر لوگ امام سے منحرف ہو جائیں اُس سے برگشتہ ہو جائیں اور اُس کے دامن کے چھوڑ یں تو تب سے اِس کی سزا شروع ہو جاتی ہے، اُن لوگوں کی سزا شروع ہو جاتی ہے وہ یہ کہ امام کی بدولت جو چیزیں جو دولت، جو نعمت، جو علم ملنے والا تھا وہ نہیں ملتا ہے، اور اِس دولت کے نہ ملنے کے لئے بہت سے الفاظ ہیں اُن میں سے ایک یہ لفظ گمراہی ہے۔ گمراہی کا (Sense) کچھ اِس طرح سے ہے کہ اسلام کے مطابق ہر کامیابی اور کامرانی صراطِ مستقیم پر واقع ہے، اگر کوئی شخص صراطِ مستقیم سے ہٹ کر چلتا ہے تو اِس کا نتیجہ اُس کے سامنے محرومی اور مایوسی کی صورت میں نکلتا ہے، یعنی اسلام کے اندر جو خزانے ہیں اُن سے ایسا گمراہ شخص محروم ہو جاتا ہے، اور اسلام کے اندر کامیابی سے متعلّق جتنے وعدے ہیں، اور جو سعادت ہے یا جو دولت ہے وہ اِس کو نہیں ملتی ہے یعنی ایسا شخص امام سے دُور ہو جاتا ہے، اور اِس کے لئے بہانہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہری بندشوں میں، روایات میں، حکایات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور حقیقت اُس کو نہیں ملتی ہے۔

رسولِ اکرمؐ کی بعض حدیثیں ایسی ہیں جو صحیح ہیں اور وہ قرآن کے مطالب میں سے بہت سے مطالب کی ترجمانی کرتی ہیں، مثلاً ایک حدیث یہ ہے کہ: اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا (مشکوٰۃ، جلد پنجم، حدیث نمبر: ۷۱۱)۔ یہ مشہور حدیث ہے شیعہ کے علاوہ سنّی بھی اِس کو مانتے ہیں، سوائے بعض کے اور اِس ارشاد کا مطلب جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ ہے جو رسولؐ نے فرمایا کہ حضورِ اکرمؐ حکمت کا گھر ہیں اور مولا علیؑ اُس کے گیٹ کی حیثیت رکھتے ہیں، ایسی دُوسری حدیث کے اندر فرمایا گیا کہ: اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا، (شرح الاخبار، جلد: ۱، صفحہ: ۸۹) اِس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ نہ تو علم آزاد ہے اور نہ حکمت۔ علم بھی اور حکمت بھی ایک گھر کے اندر ہیں اور اُس گھر کا ایک گیٹ ہے تو ظاہری بات ہے کہ جب گیٹ ہے تو ایک تالا بھی ہے اور ایک (Key) بھی ہے، سب کچھ جس طرح کہ میں نے بات کی، کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ قرآن اور حدیث میں ہر چیز کا نام بتا دیا جائے، اِس لئے کہ قرآن بھی اور حدیث بھی ایک خصوصی زبان رکھتی ہے، وہ زبانِ حکمت ہے تو اِس میں ایک بات بتا دی جاتی ہے اور

باقی سب باتیں اُسی سے متعلّق ہوجاتی ہیں، مثلاً جب گھر کا تصوّر دیا اور دروازے کا تصوّر دیا تو جاننے والا جانتا ہے کہ اُس گھر کا جب دروازہ ہے تو تالا بھی ہے، کلید بھی ہے [اور] سب کچھ ہے۔

اب اِس سے معلوم ہوا کہ اِس دُنیا کے اندر دو قسم کا علم ہے ہر زمانے میں اور ہر وقت، ایک وہ علم ہے جو بکھرا ہوا ہے جو مختلف زمانوں میں پیغمبروں اور اُن کے جانشینوں کے وسیلوں سے بکھرا ہوا تھا، تو دُنیا والوں کے سامنے آیا اور اِس علم کو انہوں نے اپنے قبضے میں لیا، میں تفصیل سے بتاؤں گا کہ دونوں علم میں کیا فرق ہے۔ دُوسرا وہ علم ہے جو اِس قلعے کے اندر ہے، اِس گھر کے اندر ہے، اِس شہر کے اندر ہے، وہ کسی کو نہیں مل سکتا سوائے اُس کی جو شرط ہے اُس کو پوری کرے تو کسی کو ملے گا نہیں تو نہیں ملے گا۔ اِن دونوں علموں میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ جو خارج شدہ علم ہے مختلف زمانوں میں حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرتؐ کے زمانے تک اور پھر اماموں کے زمانے میں مختلف اوقات میں کسی بھی بہانے سے مومنین کے لئے وہ علم جو خارج ہوگیا تو اُس میں دو کمزوریاں ہیں، ایک یہ کہ وقت اور زمانے کے مسائل کو وہ (Cover) نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ وہ ایک وقت میں فرمایا گیا تھا اور اُس وقت کے لئے تھا لیکن ہوسکتا ہے کہ اُس علم سے بھی اگر [وہ] صاف ہے پاک ہے تو ایک حصّہ روایت کے طور پر یا حکایت کے طور پر یا تاریخ کے طور پر کام آئے، ایسا نہیں ہے کہ سب علم بے کار ہے لیکن جو حصّہ بے کار ہے میں آپ کو بتاتا ہوں اور کیوں بے کار ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ میں نے بتایا کہ وہ زمانے کے لحاظ سے موافق نہیں ہے، اور دُوسری کمزوری جو خصوصاً وہ کمزوری [جو] لوگوں کی وجہ سے ہے اُس میں کیا ہے؟ اُس میں روایات اور غرض مندی کی آلودگی ہے، وہ کس طرح؟ وہ اِس طرح کہ ہر شخص نے یہ کوشش کی ہے کہ پیغمبروں اور اماموں کے اقوال کو، اُن کے فرمودات کو، اُن کے علم کو اپنے موافق بنائے، یہ ہوسکتا ہے۔ جہاں آسمانی کتابوں میں تورات میں، انجیل میں جو ہے لوگوں نے دست اندازی کی ہے اور انہوں نے کوشش کی ہے کہ اپنے وقت کے مطابق کریں تو وہاں لوگ یہ بھی کرسکتے ہیں کہ پیغمبر کے علم کو اور امام کے علم کو جب اُن کو ملتا ہے تو اُس میں اپنی روایات کو ملائیں۔

اِس کے ثبوت میں بہت سی دلیلیں مل سکتی ہیں اور ایک ثبوت یہ ہے کہ آج جو ایک ہی چیز کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں تو یہ مختلف روایات رسولؐ سے نہیں ہیں، لوگوں نے ہی ایسا کیا، اور ممکن ہے کہ اِس میں لوگوں کی بھول بھی ہو وہ بھول بھی جائیں، اُن سے غلطی بھی ہو، کیونکہ انسان بھول بھی جاتا ہے۔ تو بہت کچھ چھان بین کرنے کے بعد شاید اِس علم میں سے جو بکھرا ہوا علم ہے جس کے متعلّق میں نے وضاحت کی اُس میں سے تھوڑا سا حصّہ شاید کام آئے۔ لیکن خدا، خدا ہے نا! اُس کے پاس کس چیز کی کمی ہے، خداوند جس کے سو (۱۰۰) نام سب کے سب اچھے ہیں اور اُن میں مہربانی و رحمت پائی جاتی ہے تو کس طرح ممکن ہے خدا کے لئے کہ وہ ہدایت کا ایک سرچشمہ نہ بنائے، اور لوگوں کو ایک ایسے علم کی طرف چلائے کہ

اُس علم کے اندر شک اور شبہ ہے ۔ جیسے میں نے بتایا بکھرا ہوا علم، اُس میں شک و شبہ ہے آلودگی ہے، اُس میں صحیح (Guidance) نہیں ہوسکتی ہے، اُس میں صحیح ہدایت نہیں ہوسکتی ہے، ہدایت اِس سے ہوسکتی ہے جس کے متعلّق رسولِ اکرمؐ نے دو مشہور حدیثوں سے نشاندہی کی، خاکہ بنایا نقشہ بنایا اور اچھی طرح سے ہم کو قابلِ فہم ایک مثال میں سمجھایا کہ جو تازہ علم ہے، جو (Fresh) علم ہے، جو وقت اور زمانے کی ہدایت ہے وہ ایک گھر کے اندر ہے، اُس کا ایک گیٹ ہے، تو مطلب کہ پیغمبر کا جو علم ہے وہ خدا کا علم پیغمبر کو اور پیغمبر کا علم امام کو ملتا رہتا ہے وہ اُسی گیٹ سے نکلے گا، اُس کا ظہور اُس گیٹ سے ہوگا، اور اگر کوئی اندر جاتا ہے تو اندر جانے کی صورت میں بھی وہ گیٹ ہی چاہئے ۔ اگر وہ علم خود از خود باہر آتا ہے تو گیٹ کے (Through) آئے گا، اور اگر کوئی شخص اُس گھر کے اندر داخل ہوتا ہے تو وہ بھی گیٹ ہی سے داخل ہوجائے گا، اور باقی کوئی شخص ممکن نہیں ہے کہ دیوار کو پھلانگ کر گھر میں داخل ہوجائے یا کھڑکی سے جائے تو یہ ناممکن بات ہے ۔ اِس لئے یہ فرق رہا ہے کہ جو امامؑ کے ماننے والے ہیں اُن کو امامؑ سے علم ملتا ہے اور جو لوگ امامؑ کو چھوڑتے ہیں وہ گمراہ ہوجاتے ہیں ۔ اِس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن دیکھئے ! پیغمبروں کی (History) کو پڑھئے ہر وقت باور کرنے والے یا ایمان لانے والے یا جنہیں مومنین کہا جاتا ہے وہ بہت ہی تھوڑی تعداد میں ہوا کرتے ہیں، بہت تھوڑی تعداد میں ! پیغمبروں کی (History) جو مختصر اور ضروری ہے قرآن میں موجود ہے، آپ کو یہ احوال ملتے ہیں، یہ تذکرہ مل سکتا ہے کہ ہر پیغمبر نے جو دینِ خدا کی تبلیغ کی اُس کو کتنے لوگوں نے قبول کیا، قبول کرنے والے زیادہ تھے یا انکار کرنے والے زیادہ تھے ! یہ آپ کو قرآن بتائے گا اور بہت آسانی سے بتائے گا، تو ہمیشہ جو اعلیٰ چیز ہوتی ہے وہ بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے ۔ اِس کے علاوہ ایک اور بات میں یہ بتانا چاہوں گا کہ جو پیغمبروں نے دعوت کی یا جس پیغمبر نے بھی دعوت کی، تبلیغ کی لوگوں کو بلایا خدا کے رستے کی طرف، اُس وقت جو لوگ قبول کرکے آئے وہ کمزور اور ایسے لوگ [تھے] جن کی دُوسرے لوگ تحقیر کرتے تھے یعنی اُن کو حقیر سمجھتے تھے، آپ ہم سے پوچھیں کہ اِس کی کیا وجہ ہے، [وجہ] یہ ہے کہ دُنیاوی لحاظ سے جو بڑے عزّت والے ہوتے ہیں یا جو بڑی دولت والے ہوتے ہیں اُن کے دماغ پر بڑائی اور بزرگی یا برتری سوار ہوجاتی ہے، لہٰذا بہت سے زمانوں میں جب بھی کوئی پیغمبر آیا تو جو اہلِ دولت تھے، جو زمانے میں کسی بھی لحاظ سے اپنے ذہن میں برتری کا خیال رکھتے تھے وہ لوگ پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اور اگر کسی بہانے سے یا کسی وجہ سے کسی نے تسلیم بھی کرلیا تو ایسے لوگ بہت اعلیٰ مومن نہیں بن سکتے تھے ۔ اب بھی ایسا ہے کہ امام کو امام تسلیم کرنے کے باوجود آپ کو خود اسماعیلی مذہب کے اندر بھی فرق و تفاوت ملے گا، بہت سے اسباب سے، بہت سی وجوہ سے یہ تو ہوتا رہتا ہے ۔ خیر ! بہرحال یعنی علم سے متعلّق جو آپ کے سامنے میں نے مثال دی وہ بہت ہی ضروری ہے اُس کی طرف میں دوبارہ متوجّہ ہوتا ہوں ۔

دیکھیں ! حکمت کے گھر کے باہر اور علم کے شہر کے باہر جو بھی چیز علم و حکمت کے نام سے ملتی ہے وہ تو نام کی چیز

ہوتی ہے،لیکن اُس میں آلائش ہوتی ہے غلط روایات کی ،اِس کی مثال قرآن میں بارش سے دی ہے،اور خداوندِ عالم نے اپنی حکمت سے یوں فرمایا ہے کہ: اُس نے آسمان سے پاک پانی کو برسایا[۲۵:۴۸] ۔ دیکھیں تو! پانی پر پاک لفظ کا استعمال یا اطلاق خدا نے اپنی حکمت سے اُس صورت میں کیا جہاں کہ پانی برسنے کی صورت میں ہوتا ہے،اور خدا نے نہر کے پانی کو یا دریا کے پانی کو پاک نہیں کہا اِس میں راز ہے ۔حالانکہ کبھی کبھار دریا کا پانی بھی پاک ہوسکتا تھا اور نہر کا پانی بھی، اِس کا سبب کیا ہے؟ سبب یہ ہے کہ دیکھیں! خدا نے کسی نہر کی ضمانت نہیں لی، دریا کی ضمانت نہیں لی، نہیں کہا کہ پاک ہے، اِس میں اشارہ علم کی طرف ہے کہ جو علم بکھرا ہوا علم، پُرانا علم، روایتی علم کتابوں میں ملتا ہے اُس کے پاک وصاف ہونے کی خدا نے ضمانت نہیں دی ۔اگر کوئی پاک ہے تو بھی اُس کا ذکر نہیں کیا، اِس میں مقصد خدا کا یہ ہے کہ ہم اُس علم کی طرف رُجوع کریں جو پیغمبر اور امام کے توسّط سے ملتا ہے ۔

آسمان سے مُراد پیغمبر اور آسمان سے مُراد امام اور جو چیز پیغمبر اور امام کے (Through) سے ملتی ہے وہ پاک ہے وہ تو آسمان ہے اور جو چیز پیغمبر اور امام کے ذریعے سے ملتی ہے علم کی چیز، ہدایت کی چیز وہ گویا کہ بارش ہے، کسی کو کیا شک ہوسکتا ہے کہ آسمان سے بارش برستی ہے اُس میں کیا آلودگی ہوسکتی ہے؟ وہ تو صاف ہے وہ تو پاک ہے اور جہاں نہروں کی مثال ہے یا دریا کی مثال ہے تو آپ جا کر دیکھیں نہروں کو دیکھیں، انسانوں کی بستیاں ہیں، جانور ہیں، مٹّی ہے، زمین ہے، جنگل ہے، کیڑے مکوڑے ہیں، جراثیم ہیں، کیا کیا آلائشیں ہیں اور کیا کیا آلودگیاں ہیں .بہت کچھ ۔لہٰذا ایک سائنسدان جانتا ہے کہ پانی کی صفائی کس طرح ہوتی ہے اور اگر ضرورت ہے تو کوئی ڈاکٹر، کوئی سائنسدان پانی کو صاف کرتا ہے ۔مشین سے، اُبال کر اور طرح طرح کے وسیلوں سے، ذریعوں سے پانی کو صاف کرتا ہے نہیں تو جہاں سے صاف پانی آتا ہے تو اُس کو استعمال کرتا ہے ۔اسی طرح اگر علم کا کوئی ڈاکٹر ہو تو وہ ہم کو بتا سکتا ہے کوئی کتاب ہے تو اُس کے سامنے ہو جو روایتی کتاب ہے تو وہ ہم کو صاف اور پاک کر کے اُس میں سے کوئی چیز بتا سکتا ہے، کیونکہ اُس کے پاس ہنر ہے اور تجربہ ہے جس طرح ڈاکٹر کے پاس اور سائنسدان کے پاس ہنر ہوتا ہے تو وہ پانی کی پاکیزگی کو، صفائی کو ضرور جانتا ہے ۔وہ جانتا ہے کہ کس پانی میں جراثیم ہیں اور کس میں نہیں ہیں، اُس کے پاس خردبین بھی ہوتی ہے اور دیگر آلے بھی ہوتے ہیں اور پانی کو صاف کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بھی خوب جانتا ہے ۔

تو یہ ہے کہ جس طرح غلط غذا کے کھانے سے اور ناصاف پانی کے پینے سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے، اسی طرح رُوح کی بھی غذا ہے، رُوح کا بھی پانی ہے، تو اُس میں پرہیز اور احتیاط ضروری ہے، لیکن جسم کی بیماری اور رُوح کی بیماری میں ایک فرق یہ ہے کہ جب ہم جسمانی طور پر بیمار پڑتے ہیں تو اِس کی علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں چہرے سے، کمزوری سے اور غذا جو نہیں کھائی جاتی ہے اُس سے اور دیگر علامتوں سے یا کم سے کم ڈاکٹر ہم کو بتاتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ جو رُوحانی بیماری

ہوتی ہے اُس میں پتا نہیں چلتا کیونکہ ہماری جو انا ہے، ہماری جو خودی ہے وہ یعنی جسمانیت کی طرف زیادہ ہے اور ہمارا جو شعور ہے وہ رُوحانی اور عقلی طور پر اتنا بلند نہیں ہے، ہم جسمانی ہیں اور ہمارا تعلّق فی الوقت جسم سے زیادہ ہے ایک عام انسان کی حیثیت سے، جب ہم فوت ہو جائیں اور ترقّی کریں تو بے شک ہم اپنی رُوح کی بیماری کو بھی سمجھ سکتے ہیں، تو اِس لئے اِس جسمانی خوراک کے ناصاف ہونے سے جس طرح انسان بیمار ہو جاتا ہے اسی طرح رُوحانی غذاؤں کے ناصاف ہونے سے [وہ] رُوحانی طور پر بیمار ہوتا ہے اور اُس میں زیادہ مشکل ہو جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ رُوحانی طبیب نہیں ملتا ہے، ایک تو یہ کہ انسان رُوحانی بیماری کو لئے پھرتا ہے لیکن اِس کا اُس کو احساس نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ابھی بتایا ہے اور رُوحانی بیماری کی علامتیں یوں ہوتی ہیں کہ جس طرح جسمانی طور پر آدمی جب بیمار ہوتا ہے تو اُس کو کھانے پینے میں مزہ نہیں آتا ہے کیونکہ مزہ تو تندرست کو آنا چاہئے نا! جس طرح ایک جوان کو خوراک سے مزہ آتا ہے اِس طرح ایک بوڑھے کو اتنا مزہ نہیں آتا ہے اِس لئے کہ اُس کے اندر نشوونمائی نہیں ہوتی ہے، غذا اِس قدر جزوِ بدن نہیں ہوتی ہے، اسی طرح رُوحانی بیماری کی صورت میں ایک تو عبادت سے مزہ نہیں آتا ہے لذّت نہیں ملتی ہے یہ رُوحانی بیماری کی علامت ہے، اور ایک علم سے کوئی لذّت نہیں ملتی ہے، علم سے جس قدر لذّت زیادہ ملے اُس قدر اُس کی عقلی صحت کا ثبوت ملتا ہے اور عبادت سے جس قدر زیادہ لذّت ملے اُس وقت اُس کی رُوح کی صحت کا پتا چلتا ہے۔

تو صحیح عبادت ہو اور عبادت سے صحیح لذّت ملے اور صحیح علم حاصل ہو اور علم سے بہت زیادہ لذّت و حلاوت ملے تو یہ مومن کی رُوحانی صحت کی علامت ہے، یہ ہیں چند باتیں علم سے متعلّق اور اِس میں جو اہم بات تھی وہ قرآن کے بارے میں تھی کہ قرآن کا علم جو ہے وہ خزانوں کی شکل میں ہے، اور قرآن کے علم کا خزانہ دار امامِ زمان ہے، اور یہ بہت بڑا امتحان ہے ہم سے کہ امام کو امام مانتے ہوئے ہر وقت اُس کے فرامین کے لئے توجّہ دیں، اور اُس کے احکام کو بجا لائیں اور اُس کو خدا اور رسولؐ کا نمائندہ اور خلیفہ مانیں، یہ تسلیم کریں کہ قرآن کا جو علم ہے وہ امام کے توسّط سے، امام کے وسیلے سے ملتا ہے۔ اِن شاء اللہ چند سالوں کے اندر اندر خانۂ حکمت بہت کچھ، بہت کام کر چکا ہوگا قرآن کے سلسلے میں اور خانۂ حکمت کے جو خوش نصیب ممبران ہیں وہ اِن شاء اللہ علم میں کافی حد تک مضبوط ہو جائیں گے، لیکن اِن کی یہ مضبوطی اِس لئے ہونی چاہئے کہ جماعت کی خدمت کریں اور جماعت کے لئے، امام کے لئے کام کریں، یہی ایک مقصد ہے خانۂ حکمت کا اور میں اِن الفاظ کے ساتھ اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں، شکریہ، مہربانی کہ آپ نے توجّہ سے سُنا۔

اپنی عاجزانہ گفتگو میں معمول کے مطابق علم کے بارے میں کچھ باتیں کروں گا، اور اُس میں شاید ایک دو تجاویز بھی ہوں گی، تو میرے عزیزان! آپ نے جو وقتِ عزیز صَرف کر کے اِس چھوٹی سی مجلس میں آنے کی زحمت اُٹھائی ہے اِس کا صلہ ہم تو نہیں دے سکتے ہیں بلکہ خداوند خود اپنی بے پناہ رحمت سے آپ کو نوازے گا۔ لیکن ہم صرف کچھ عاجزانہ باتیں

کریں گے جو ایک عاجز بندے سے ہوسکتی ہیں، وہ یہ کہ حقیقی علم کو حاصل کرنے کے لئے مختلف طریقوں سے کام لینا چاہئے اور وہ طریقے بہت ہی پسندیدہ اور بہت ہی اچھے ہوں، تو بہت بڑی سعادت ہوگی، کیونکہ کسی بھی کام کے کرنے کے مختلف طریقے ہوا کرتے ہیں، اگر وہ طریقے اچھے ہیں تو کام اچھا ہوتا ہے اور حُسن وخوبی سے انجام پاتا ہے، اگر طریقے ایسے نہیں ہیں کہ وہ خشک خشک سے ہیں اُن میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو وہ کام اچھی طرح سے انجام نہیں پاتا ہے یا یہ کہ اُس میں دلچسپی نہیں رہتی ہے۔ اِس لئے میں یہ کوشش کروں گا کہ کوئی دلچسپ طریقہ آپ کو پیش کروں جس کے ذریعے سے آپ حقیقی علم کے ذخیرے میں اضافہ کرسکیں، اور میرے نزدیک ایک طریقہ یا ایک طریقۂ کار یا کہ اُصول یہ ہے کہ ہر وہ عزیز جس کو حقیقی علم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا شوق ہو تو اُس کو چاہئے کہ اپنا ایک گروپ بنائے اُس میں کم سے کم پانچ افراد ہوں، اُن میں سے دو ایسے ہوں جو کہ اُن تینوں کو علم دے سکیں، اور پھر اُن دونوں کے اندر یہ بھی ذوق ہو کہ اپنے گروپ میں علمی مذاکرہ کرنے کے علاوہ باہر سے بھی کسی نہ کسی طریقے سے علم کو حاصل کرتے رہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہونا یہ چاہئے چونکہ یہ بات خانۂ حکمت کی حدود میں ہوتی ہے اِس لئے خانۂ حکمت کی بات ضرور آئے گی، ساتھ ہی ساتھ یہ ہونا چاہئے کہ خانۂ حکمت کی کوئی ایک کتاب سامنے رکھی جائے، اُس میں جن قرآنی آیات کا حوالہ دیا گیا ہے اُن آیات کو (Original) سے ملایا جائے یعنی کتاب کے اندر کسی بھی موضوع سے متعلّق قرآن کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اُس آیت کو قرآن کھول کہ سامنے لایا جائے اور ترجمے کی مدد سے مقصد کو دونوں مقامات پر ملالیا جائے، اور اُس میں ایک معمولی سی پینسل کی نوک سے قرآن کے کنارے پر تھوڑا سا مارک کیا جائے یا یہ کہ کسی کاپی میں مارک کیا جائے۔ اسی طرح ایک کتاب کے اندر کتنی آیاتِ قرآن سے بحث کی گئی ہے، اُن سب کو ایک بار گجراتی ترجمے میں یا اُردو ترجمے میں (Original) میں یعنی قرآن میں دیکھا جائے، اور اُس مخصوص آیت کی مدد سے ماحول کو بھی دیکھا جائے کہ اُس آیت کے آگے کیا ہے اور پیچھے کیا ہے وہ کس ربط میں ہے اور کس سیاق وسباق سے چلی آئی ہے وہ دیکھا جائے۔ اسی طرح ایک کتاب کو قرآن کے ساتھ ملا کر ختم کرلی جائے تو اسی کے ساتھ ساتھ قرآنی علم کا ایک چھوٹا سا حصّہ اسماعیلی نکتۂ نگاہ کے مطابق آپ کو حاصل ہوگا، اور ساتھ ہی ساتھ اُس کتاب کے متعلّق جس طرح کا کام کیا گیا ہے ایک مزید اطمینان آپ کو حاصل ہوگا، مثال کے طور پر سب سے پہلے [ایک] بہت چھوٹا سا کام کیا جائے اور سب سے چھوٹا کام ''حقیقی دیدار'' ہے۔ ''حقیقی دیدار'' کے اندر جن جن آیتوں کا (Reference) دیا ہوا ہے، اور جس طرح قرآنی مطلب کو کتاب کے موضوع سے ملایا گیا ہے اُس کو ضرور دیکھا جائے، دیکھنے سے کیا ہوگا؟ قرآن کے اہم مقامات کا پتا چلے گا یعنی اُن آیات کی خبر ہوگی جو امام کی شان میں ہیں یا اسماعیلی مذہب کے بارے میں ہیں تاکہ دُوسری دفعہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ اُن آیات کا مفہوم کیا ہے، مطلب کیا ہے یا حکمت وتاویل کیا ہے۔ اسی طرح یہ کام آپ نے ختم کیا اور آپ کو مزہ آیا کہ ایک طرف سے آپ کو اسماعیلی (Literature) میں سے یا اسماعیلی دینی کتاب

میں سے خبر ہوئی، پتا چلا، اور ساتھ ہی ساتھ آپ کو قرآن کی بعض اہم آیتوں کی حکمت بھی معلوم ہوگئی، اور دُوسرے مرحلے پر کسی اور کتاب کو لیا جائے۔ میرے خیال میں اِس میں آپ کو بہت دلچسپی ہوگی اور یہ کام بھی چار پانچ کے گروپ میں کیا جائے تو اچھا ہے، اور گروپ میسّر نہیں آتا ہے تو تنہائی میں بھی یہ کام ہوسکتا ہے۔ اِس لئے کہ یہ کام بہت ضروری ہے اور اِس کی ضرورت کے بہت سے پہلو ہیں، اوّل اِس لئے کہ آج کل مادّی ترقّی کا ایک طوفان برپا ہے اور اِس طوفان کی زَد میں بہت سے لوگ آچکے ہیں، بہت سی قومیں اِس میں بہہ گئی ہیں، یہاں تک کہ یہ طوفان یہ سیلاب اسماعیلیوں پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، تو اِس میں اپنوں کی مدد کرنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح کہ کسی ملک میں جب سیلاب آتا ہے تو جو ہمدرد انسان ہیں، جو خیر خواہ ہیں وہ اُن ڈوبے ہوئے انسانوں کے نکالنے میں مصروف ہوجاتے ہیں اور یہ اُن کا فرض ہوجاتا ہے، ایک ضرورت اِس کی ہے اور اِس کے علاوہ خود اپنے علم میں بھی اضافہ کرنا بہت ہی ضروری ہے، اپنے خاندان کو سنبھالنا بہت ہی ضروری ہے، اور سب سے ضروری یہ کہ امامؑ کے امر و فرمان کو بجالانا اور دین کی معرفت حاصل کرنا بہت ہی ضروری ہے اور آخرت کے لئے ایک سرمایہ بنانا بہت ضروری ہے۔ تو قرآن، رُوحانیت، اسماعیلیت الگ الگ نہیں ہیں، یہ جو اہم چیزیں ہیں اندر اندر سے ایک ہیں تو اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو حقیقی علم ملے گا، ایک یہ چیز ہے اور اِس کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں، شاید اُن میں سے ایک دو کا میں ذکر کروں گا، تو اِس میں آپ کو اگر مزہ آوے تو سمجھ لینا کہ اِس میں امام کی طرف سے اشارہ ہے کہ آپ کی یہ خدمت یہ کوشش قبول ہو رہی ہے اور اگر مزہ نہ آوے تو سمجھ لینا کہ تھوڑا سا نقص اِس کارِ خیر میں [ہے]، مزہ نہ آنے کے نتیجے میں تھوڑا سا نقص خود اپنے اندر ہے کہ کوشش کرنا یا پانا، سمجھ لینا کہ وہ کون سی بات ہے کہ جس کی وجہ سے اِس رُوحانی نعمت سے آپ کو مزہ نہیں ملتا ہے اور حالانکہ یہ عظیم نعمت ہے۔

بہر حال ایک حقیقی مومن کی حیثیت سے مجھے اُمید ہے کہ آپ کو اِس کام میں بہت ہی دلچسپی ہوگی اور بہت مزہ آئے گا۔ اسی طرح میرا یقین ہے کہ آپ جب پندرہ، بیس کتابیں اِس طرح پڑھ چکے ہوں گے، تو اُسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے علم کا ایک عظیم حصّہ آپ کو ملے گا، اِس لئے کہ مولا علیؑ نے اپنے ایک مقدّس فرمان میں ارشاد کیا ہے، وہ ارشاد عربی میں یہ ہے: ''ولنا کرائم القرآن'' [شرح الاخبار، جلد ۹، علیؑ فی القرآن، ص ۳۵۳] مولا فرماتے ہیں اِس عربی فرمان کے اندر کہ قرآن کی بزرگ آیتیں یعنی بڑی بڑی آیتیں ہماری شان میں ہیں۔ دیکھیں! مولا کیا فرماتے ہیں اِس سے ہم کو ایک بنیادی بات معلوم ہوئی، ایک تو یہ پتا چلا کہ قرآن کی چھوٹی بڑی مختلف آیات ہیں، اور دُوسری بات ہم کو یہ ملی کہ جو بڑی بڑی آیات ہیں وہ امام کی شان میں ہیں، پھر تو ہم ایک مومن کی حیثیت سے سمجھ گئے کہ سارا قرآن امام کی شان میں ہے وہ اِس لئے کہ چھوٹی سب آیتیں بڑی آیتوں کے تحت ہیں اِس معنی میں کچھ آیتیں بڑی ہیں اور کچھ آیتیں چھوٹی ہیں، گویا کہ قرآن جو ایک دُنیا کی

طرح ہے اُس دُنیا پر قرآن کی بڑی بڑی آیتوں کی حکمرانی ہے، تو پھر اور کیا رہا چھوٹی سب آیتیں بڑی آیتوں کی تشریح وتفسیر کی حیثیت سے آگئیں ۔ دیکھا! کتنی عمدہ بات ہے، کتنی صاف بات ہے اور کیسی ستھری بات ہے کیا اِس میں کچھ نقص ہے؟ مولا نے فرمایا: ''ولنا کرائم القرآن'' قرآن کی بڑی بڑی آیتیں ہماری شان میں ہیں ۔ دیکھا آپ نے یہ کیسا کلیّہ ہے یہ کیسا (Principle) ہے، کتنا زرّین اُصول ہے کہ خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ ہم نے تمام چیزوں کو امامِ ظاہر کی ذات میں سمو دیا ہے ۔ (۳۶:۱۲) ساری چیزوں کا مجموعہ کائنات ہے یہ کائنات، یہ (Universe) جس میں ہم رہتے ہیں یہ سب چیزوں کا (Collection) ہے، مجموعہ ہے، اِس معنی میں یہ ساری کائنات امام کے نور کے اندر سمو دی گئی ہے، اِس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں امام سے مُراد نور ہے اور وہ نور اِس پوری کائنات پر محیط ہے، جس نے پورے جہان کو، ساری دُنیا کو اِس (Universe) کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے وہ نور ہے، تو یہ ''کرائم القرآن'' کی ایک مثال ہوئی کہ قرآن کی عظیم اور بزرگ آیتیں کس معنی میں امام کی شان میں آئی ہیں، حالانکہ بات صحیح ہے تو اسماعیلی نکتۂ نگاہ سے چند عظیم آیتوں کا مطالعہ کرنے سے قرآن کا خلاصہ اُس کی (Summary) اُس کا مغز آپ کے ہاتھ میں آئے گا ۔ دُوسری بات یہ ہے کہ قرآن کو ضخامت کے لحاظ سے دیکھ کر کیوں آپ ڈرتے ہیں، آپ کیوں یہ سوچتے ہیں کہ اتنی بڑی کتاب کون پڑھے گا ۔ یہ بات ایسی ہے جیسا کوئی بھلا مانس کہتا ہے کہ ایک بڑے درخت کو دیکھ کر وہ کہتا ہے کہ کتنا بڑا درخت ہے ۔ بہت بڑا درخت ہے، سوچتا ہے کہ اِس پر کوئی آدمی حاوی نہیں ہوسکتا، حالانکہ اُس کو جاننا چاہئے کہ درخت بے شک بڑا ہے لیکن اُس درخت کا ایک ہی پھل کھائے تو گویا کہ وہ اُس پورے درخت پر قابض ہوجاتا ہے کیونکہ پھل کے اندر درخت کے سارے معنی تمام مقاصد سموئے ہوئے ہیں ۔

اسی طرح آپ قرآن کو ایک درخت سے تشبیہہ دیں، اور قرآن کے اندر بہت سی آیات کو درخت کے اجزاء سمجھیں، اور کچھ مخصوص آیات کو درخت کا پھل قرار دیں، اِس معنی میں جب آپ کچھ خاص آیتوں کے مطلب کو سمجھ لیتے ہیں تو یقین کرلیں کہ آپ قرآن کے پورے مقصد کو حاصل کرتے ہیں ۔ لہٰذا آپ قرآن کی اتنی ضخامت کو دیکھ کر کیوں فکر کرتے ہیں اور کیوں یہ سوچتے ہیں کہ اتنے بڑے قرآن کو پڑھنے کے لئے کس کے پاس وقت ہے ۔ دُوسری بات میں آپ کو بتاؤں قرآن کے اندر ایک [ہی] قسم کی بہت سی آیتیں ہیں، اُس قسم میں جتنی آیات ہیں اُن کا ایک ہی مجموعی مطلب ہے، تو آپ اُن آیتوں میں سے جو مرکزی آیت ہے اُس کو لیں تو ساری آیتیں اُس مطلب میں آجائیں گی ۔ مثال کے طور پر قرآن کے اندر نور کے بارے میں تقریباً پچاس (۵۰) آیات ہیں، ہوسکے تو سب آیات کو پڑھ لینا، نہیں ہوتا ہے تو کسی مضمون کے تحت دیکھیں اُن میں سے کوئی مرکزی آیت آپ کو ملے گی، کوئی کسی کتاب میں اُس کی تشریح ہوگی، جیسے کہ: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۴:۳۵) ۔ یہ آیاتِ نور کی سرتاج ہے اور تمام آیتوں کی بادشاہ ہے بلکہ ''کرائم القرآن'' میں سے ہے، قرآن

کی بزرگ آیات میں سے ہے۔ آپ کسی اسماعیلی کتاب کی روشنی میں اِس آیت میں غور کرتے ہیں تو یقین کر لیجئے کہ اِس کے تحت جو کچھ آپ کو علم ملتا ہے اُس کے اندر اُن پچاس آیتوں کا مغز ہے، یہ دُوسری بات ہوگئی، اور تیسری بات جو بہت ہی عمدہ ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ قرآن کے اُصولات میں سے ایک اُصول یہ بھی ہے کہ جو مطلب اِس آیت میں ہے وہی مطلب دُوسری آیت میں ہے، یہ نہ خیال کرنا کہ وہ آیت دُوسری طرف جاتی ہے اور یہ آیت دُوسری طرف جاتی ہے یہ بات نہیں ہے، یہ آیت اگر اِدھر سے آتی ہے تو وہ آیت اُس طرف سے آتی ہے اور ایک مقام پر یہ دونوں آیتیں معنوی لحاظ سے آپس میں مل جاتی ہیں یعنی اِن کا مغز اِن کی حکمت ایک ہے۔ لہٰذا کوئی فکر کی بات نہیں ہے کہ آپ سب قرآن کو نہیں پڑھتے ہیں لیکن جو آیت آپ پڑھتے ہیں، اور اُس کا جو اُصول ہوتا ہے اُس کی جیسی حقیقت ہوتی ہے تو اُسی حقیقت میں دُوسری حقیقتیں بھی ہم آہنگ ہو جاتی ہیں، یہ تیسری بات ہوگئی۔

اِسی سلسلے میں ایک دلیل، قرآن میں کچھ آیات ہیں جن میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا اپنے ایک قانون کی وضاحت کرتا ہے کہ اُس نے ایک ہی حقیقت کو مختلف مثالوں میں بیان کیا ہے، خدا فرماتا ہے کہ اُس کے سامنے ایک ہی حقیقت ہے لیکن اُس کی مثالیں مختلف ہیں [۲۹:۴۳، ۲۴:۳۵]۔ سو آپ اِن مثالوں میں جس مثال کو بھی لیں اُس مثال کی گہرائی میں جائیں تو وہی حقیقتیں ہوں گی جو دُوسری آیات میں ہیں، اِس لئے کہ قرآن کی آیتیں جو ہیں آپس میں ملتی ہیں اور قرآن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ قرآن میں ایک جگہ پر ارشاد ہوا ہے یا کہ (Challenge) کیا گیا ہے دُنیا والوں کو کہ اگر جن و اِنس باہم مل کر اتفاق کریں اور قرآن جیسی کتاب بنانے کے لئے کوشش کریں تو وہ قرآن جیسی کتاب بنانا تو کہاں وہ ایک سورہ بھی نہیں بنا سکیں گے [۱۷:۸۸]، اور پھر ایک جگہ پر اشارہ کیا گیا ہے کہ انسانوں کے کلام میں تضاد پایا جاتا ہے انسان لاشعوری طور پر یہاں کچھ کہتا ہے اور آگے چل کر کچھ کہتا ہے تو وہ بات اور یہ بات آپس میں متضاد ہو جاتی ہیں اور ایک دُوسرے کو (Cross) کرتی ہیں ایک دُوسرے کو کاٹتی ہیں، تو (Logical way) میں آپ سوچیں کہ اُس بات نے اِس کو نابود کیا اور اِس نے اُس کو تباہ کیا تو کچھ بھی نہیں ہوا، صفر (0)۔ جس طرح (Mathematic) میں آپ جمع و تفریق کرتے ہیں اور ایسا ہو کہ جتنا جمع تھا اتنا تفریق کیا گیا تو پھر کچھ نہیں رہتا ہے، اسی طرح اگر کسی کے کلام میں تضاد پیدا ہو جائے اور کوئی منطق کا ماہر اُس کو دیکھے تو اُس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے، اِس کے برعکس خدا کے کلام میں یہ خوبی ہے کہ اُس میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ جو مقصد اِس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہی مقصد دُوسری آیت میں بھی ہے، حالانکہ دیکھنے والے اِس حکمت کو نہیں سمجھتے ہیں، جن کی بصیرت نہ ہو جو حقیقت کی روشنی سے بے بہرہ ہوں تو اُن کو اِس کا علم نہیں ہوتا ہے کہ کس طرح قرآنی کی آیات کے آپس میں (Unity) ہے، اتّحاد ہے، معنوی اتّحاد، ہم آہنگی ہے یا یک جہتی ہے تو اُن کو پتا نہیں چلتا اِس لئے وہ بھی اپنی عقل سے اِس میں تضاد پیدا کرتے ہیں، تو یہ اُن کی نااہلی ہے۔

مطلب یہ ہے اِس گفتگو سے مُراد یہ ہے کہ آپ قرآن سے دلچسپی پیدا کر سکتے ہیں ۔آپ شاید دل میں یہ سوال بھی رکھتے ہوں گے کہ ہم ست پنتھ پر چلتے ہوئے قرآن کا جو مقصد تھا وہ ہم کو حاصل ہے تو اُس کو [قرآن کو] کیا کریں گے، یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ اِس بات سے بہت دفعہ نقصان ہوا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بچّوں کو اور آئندہ نسل کو قرآن سے وابستہ کریں، اور قرآن ہی کی روشنی میں اپنے دینِ مبین کو دینِ حق کو سمجھیں جو صراطِ مستقیم ہے، جو حقیقی اسلام ہے، جو خدا کا دین ہے، جو سیدھا راستہ ہے، تو اِس کو قرآن کی روشنی میں سمجھیں تو کوئی اِس میں نقصان کی بات نہیں ہے بلکہ اِس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دُوسری بات یہ ہے کہ دُوسرے لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کو قرآن کی کوئی آیت (Quote) کر کے اُن کو اِس مذہب سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں، تو اِس کے لئے ہم کیوں ایسا نہیں کرتے ہیں کہ قرآن ہی سے اور قرآنی علم سے اپنے بھائیوں کو اپنی نسل کو اپنی نئی پوت کو واقف اور آگاہ کریں اور دکھائیں کہ اِس کے اندر جو جواہر ہیں وہ اسماعیلیت کے بارے میں ہیں اور یہ ہیں۔

اب اسی کے ساتھ میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ آئندہ ہم ایسی کوشش کریں گے کہ خانۂ حکمت کی پندرہ، بیس کتابیں یا کچھ کم کتابیں سامنے رکھیں گے، اُن میں سے ایک سوال نامہ مرتّب کریں گے، وہ کیسا؟ اِس سے دلچسپی ہوگی، وہ ایسا سوال نامہ ہوگا کہ ہم پوچھیں گے کتابوں کی فہرست ہوگی کہ یہ کتابیں جو ہیں اِس سوالنامے سے (Concern) ہیں، کتابوں کی فہرست ہوگی دس یا پندرہ یا بیس، ہو گیا، اور پھر ایک سوال پوچھیں گے آپ بتائیں کہ اِس سوال کا جواب کس کتاب کے کون سے صفحے پر درج ہے؟ میرے خیال میں جن کو شوق ہو وہ اِس کے لئے مطالعہ جاری رکھیں گے اور فارم ہوگا اُس میں کتاب کا نام لکھیں گے اور صفحہ لکھیں گے، ضرورت نہیں ہے اپنے الفاظ میں سوال کا جواب دینے کے لئے، اور اِس کے علاوہ بھی سوالات ہو سکتے ہیں لیکن وہ سوالات اُن ہی کتابوں میں سے ہوں گے تا کہ اِس میں ایک قسم کی دلچسپی ہو۔ آج کل کے زمانے میں جو مطالعے کا فرسودہ نظام ہے اُس کے مطابق کوئی نہیں پڑھتا ہے، آپ دیکھتے ہیں دینی تعلیم ہو یا دُنیوی ہو وہ جدید طریقوں سے اُس سے فائدہ لیا جاتا ہے، اپنی نسل کو بہت ہی جدید طریقوں سے اور (Scientific) اُصولوں سے پڑھاتے ہیں سکھاتے ہیں۔ اِس لئے ہم چاہتے ہیں کہ خانۂ حکمت سے جن کو دلچسپی ہو اُن کے لئے تھوڑی سی کوشش کریں گے اور سوال نامہ بنائیں گے، کتابوں کا نام درج کریں گے اور اِس کے علاوہ بھی جو کچھ ہو سکے یہ کوشش جاری رکھیں گے، اور دُوسری بات اس سلسلے میں ضرور ہمارے سیکریٹری صاحب بھی آپ کو بتائیں گے یہ بھی شاید علمی باتوں کے ضمن میں آسکتا ہے، ہم یہ کوشش کریں گے کہ کچھ مستقل ممبران ہوں تو اُن کو کچھ پڑھائیں سکھائیں اُن کو کچھ دے سکیں، اِس کے لئے کوشش کریں، مستقل ممبران ہوں تو اُس میں ہم یہ خانۂ حکمت کی اچھی کارکردگی کا ثبوت پیش کریں گے کہ اُن کو کچھ علم دیں گے اور کچھ (Practical) کام شروع ہوگا، اور کبھی قرآن سے کوئی موضوع اُن کے سامنے رکھنا چاہئے، مثلاً میری خواہش

ہے آج میں مجلس ہی میں بتاؤں گا کہ ہمارے محترم عزیز مظہر ہیں میں اُن سے درخواست کروں گا کہ آئندہ مجلس میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا جو قصّہ قرآن میں ہے اُس کو تیار کر کے لائیں اور مجلس میں پڑھیں۔

اسی طرح ہم قرآن کی بعض سورتوں کو درمیان میں رکھیں گے اور اِس کے علاوہ کچھ لکھنے کے لئے بھی کوشش کریں گے۔اسی طرح عملی طور پر ہم قرآن کے علمی ذخیرے میں اضافہ کر سکتے ہیں اور بہت ہی ضروری ہے، میں آپ کو بتاؤں کہ یہ کیوں ضروری ہے، آپ سوچیں خوب اچھی طرح سے سوچیں اِس وقت یعنی موجودہ وقت میں اِس چیز کی کمی ہے، ہمارے پاس اسماعیلیوں کے پاس کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے، امام ہے تو کس چیز کی کمی ہو سکتی ہے۔لیکن یہ کمی بھی اپنی سُستی کی بنیاد پر ہے کہ ہم نے رُوحانی علم کی طرف توجّہ نہیں دی، ہم بے نیاز ہو گئے، اُس امیر زادے کی طرح جس کے باپ کے پاس بہت کچھ ہے تو وہ ایک طرح سے لاڈلا بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ بس میرا باپ ہے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے لیکن اُس کو کسی بھی معاشرے میں کسی بھی سوسائٹی میں کچھ کہنا پڑتا ہے یا کچھ دکھانا پڑتا ہے تو لوگ دیکھتے ہیں کہ تم فلان کے بیٹے ہو نا تو اپنے باپ کا ہنر دکھاؤ، وہ کہتا ہے کہ بس ''پدرم سلطان بود'' میرے والد بادشاہ تھے، اسی کے ساتھ کیا بنتا ہے، تمہارے والد بادشاہ تھے ہم مانتے ہیں تو کچھ وہ خواص بتاؤ، کچھ ہنر بتاؤ جو تمہارے باپ میں ہے۔بڑے شرم کی بات ہے کہ باپ امام ہو اور ہم نالائق، دُنیا والوں کو کچھ تو دکھانا چاہئے کچھ تو کرنا چاہئے کچھ تو سیکھنا چاہئے، ہمارے پاس علم کیوں نہیں ہے؟ ماضی کی طرح ہمارے بزرگانِ دین کے پاس علم تھا، حقیقی علم، چلو ہم اُن کی طرح معجزے نہیں کر سکتے ہیں، ہم بہت ہی حقیر، بہت ہی کمزور ہیں لیکن سیدھا سادا علم تو ہونا چاہئے معلومات تو ہونی چاہئیں علم کی باتیں اور اسماعیلی مذہب میں بکھری ہوئی ہیں علم کی باتیں، یہ موتی ہم کیوں جمع نہیں کر سکتے ہیں جو کتابوں میں ہیں، قرآن میں ہیں، فرامین میں ہیں، ہم فرامین بھی پڑھتے ہیں بس سطحی سطحی طور پر، ہم نے کبھی سوچا نہیں کہ اِس فرمان کے اندر کیا ہے، فرمان کی گہرائی میں کیا ہے، ہم نے کبھی کوشش نہیں کی۔مثال کے طور پر امام فرماتے ہیں کچھ بزرگوں کے بارے میں کہ وہ اپنی رُوح کے عاشق تھے [دارالسّلام ۲۹۔۹۔۱۸۹۹] ابھی آپ بتائیں کہ امام کے اِس ارشاد میں کیا معنی ہیں؟ کسی کو اپنی رُوح پر عاشق ہونے کی اجازت کہاں ہے یا اگر اجازت ہے اور امام فرماتے ہیں تو اِس کا ہم کو پتا ہونا چاہئے، اِس کے معنی میں جانے کی ضرورت ہے اِس کی حکمت سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کس طرح اپنی رُوح کے عاشق تھے یا اِس کے معنی یوں ہونے چاہئیں کہ امام ہماری رُوح ہیں، ہم امام کے عاشق ہیں تو اپنی رُوح کے عاشق ہیں یا یوں ہونا چاہئے کہ ہم اور امام ایک ہیں، امام سے ہمارا جو عشق ہے وہ اپنی رُوح سے عشق ہے، ایسی کچھ حکمت ہونی چاہئے تو اِس کے لئے توجّہ کی ضرورت ہے علم کی ضرورت ہے اور پھر ایک مقام پر ہے تقریباً اُسی مقام پر ہے مولا فرماتے ہیں کہ: تم کوشش کرو تم ہمّت کرو تو پیروں کی طرح ہو سکتے ہو، پیر شمسؒ کی طرح، پیر صدر دینؒ کی طرح اور منصور کی طرح، بلکہ تم اِس سے بھی اُوپر جا سکتے

ہو[دارالسّلام ۲۹۔۹۔۱۸۹۹] ابھی تعجّب کی بات ہے، ایک بات تو یہ کہ پیروں کی طرح ہونا، جن میں پیری تھی جن میں بزرگی تھی، جن میں علم تھا، جن میں معرفت تھی، جن کو لوگ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، جن کی بہت بڑی عزّت تھی تو کیا ہم بھی پیر بنیں گے؟ کیا ہم بھی اتنی خدمت کر سکیں گے؟ اور اِس سے بڑھ کر یہ تعجّب کی بات ہے جو امام ہی فرماتے ہیں کہ تم اِس سے اُوپر بھی جا سکتے ہو، اُوپر کہاں؟ پیروں سے، بزرگوں سے اور کیا بننا ہے یا کیا ہے؟ اِس میں کیا صرف اُن سے اُوپر یا اِس سے اُوپر کہنے کا مطلب اُن کی صرف ظاہری منزلت ہے یا اِس میں اُن کی رُوحانی مرتبت ہے، یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ تاویل طلب ہیں۔ اِس سے پتا چلا کہ ہم نے آج تلک فرمان جو پڑھا ہے وہ بالکل سطحی سطحی طور پر پڑھا ہے، اور اِس سے ہماری عادت ایسی ہوگئی کہ بس ہم کُرید نہیں سکتے ہیں۔ پہاڑ کے اندر جو جواہرات ہیں اُن کو نکالنے کے لئے ہم میں کوئی ہنر نہیں ہے، بس زمین کی سطح پر جو کچھ چیزیں ملتی ہیں اُسی کو لیتے ہیں۔

تو مطلب کی بات یہ ہے کہ اسماعیلی مذہب باطنی مذہب ہے اور رُوحانی مذہب ہے تو ہم کو باطن میں جانا چاہئے اور رُوحانیت میں جانا چاہئے تب ہی تو پتا چلے گا کہ اِس مذہب کا جوہر کیا ہے۔ ہم نے امام کو اُوپر اُوپر سے پہچان لیا، تو یہ پہچان کافی نہیں ہے، کم سے کم علم الیقین جیسی چیز کو اِس زندگی میں حاصل کریں تو شاید اِس سے کچھ ہو سکتا ہے اگر ہم علم الیقین کو چھوتے نہیں ہیں اور روایتی اسماعیلی بنتے ہیں تو اِس سے کیا مزا آئے گا؟ اِس سے کچھ مزا نہیں آئے گا ہم کو علم حاصل کرنا ہے، اپنے لئے اور دُوسروں کے لئے کام کرنا ہے، یہ ہے خانۂ حکمت کا مقصد، تو اِس کے لئے بعد میں مجلس کے بعد آپ کو اس سلسلے میں کچھ مزید باتیں بتائی جائیں گی اور میں شاید یہاں رُکوں گا اور چونکہ اِس مجلس میں کچھ اور مقالے یا تقاریر ہیں اور میں یہاں پر رُکتا ہوں۔ مولا آپ کو حوصلہ اور ہمّت عطا کرے۔

ٹائپنگ: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی قس کا پُرحکمت بیان

عنوان: اعتکاف، امام کی محبّت، قصّہ موسیٰؑ اور خضرؑ

کیسٹ نمبر: ۳۵ تاریخ: جنوری ۱۹۸۱ء، کراچی

Click here for Audio

آپ نے سُنا کہ فیڈرل کونسل برائے انڈیا کے پریذیڈنٹ نے جو کچھ کہا امامِ عالی مقامؑ کے حضور میں اور اُس کے نتیجے میں جس طرح اُس کے آنسو آنے لگے، خوشی کے آنسو آنے لگے اور پھر امامؑ کھڑے ہوگئے، امامؑ نے جس خوشی کا اظہار کیا، جو کچھ ارشاد فرمایا تو اُس کے نتیجے میں امامؑ کی پاک آنکھوں سے بھی خوشی اور مسرّت و شادمانی کے آنسو آنے لگے اور امامؑ نے اِس کیفیت کو چھپایا نہیں بلکہ اِس کیفیت کو اُجاگر کر دیا، اِس کا اعلان کر دیا اور اپنی اِس پاکیزہ کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ بیٹھ بھی گئے اور اسی کے ساتھ ساتھ بیگم صاحبہ کے متعلّق جو کچھ امامؑ نے ارشاد فرمایا تو اُن کی آنکھوں سے بھی آنسو آ گئے۔ اب ذرا دیکھنے کی بات ہے [کہ] امامؑ کی مبارک و مقدّس آنکھوں سے جو آنسو آئے تو وہ خوشی کے تھے لیکن ہم ایسے کمزور انسانوں کی آنکھوں سے جو آنسو آئیں گے وہ تو حسرت کے آنسو ہوں گے، اپنی نامُرادیوں کے آنسو ہوں گے، ہمارے آنسو تو رشک کے ہوں گے، کہ ہمارے بزرگانِ دین نے کیسی کیسی ترقیاں کیں اور ہم کتنے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہمارے آنسو اِس لئے بھی آئیں گے کہ ہم عبادت و بندگی میں (Regular) نہیں ہیں اور اگر ہم (Regular) ہیں تو اُس میں ہم کامیابی حاصل نہیں کر سکتے ہیں، ہم علمی طور پر، رُوحانی طور پر اور خدمات کے لحاظ سے اور کتنے دیگر مواقع میں کیسے پیچھے ہیں، کتنے پیچھے ہیں، اِس کو دیکھ کر البتہ ہم روتے ہوں گے، تو کیا امامؑ کی جس مثال کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اُس مثال کی روشنی میں یہ ممکن ہے کہ ہم نہ روئیں، بے شک یہ بات تو صحیح ہے، کہ ہم اِس لئے نہیں روتے ہیں کہ ہمارے دین میں کس چیز کی کمی ہے، اِس لئے ہم کبھی نہیں روتے ہیں اور اِس کے لئے ممانعت کی گئی ہے لیکن کیا ہم اپنی تقصیرات پر بھی نہ روئیں اپنی کمی اور کوتاہیوں کی ندامت میں نہ روئیں! آنسو نہ بہائیں! کیا ہم اپنے باطن کی پاکیزگی نہ کریں! اپنے دل و دماغ کو صاف کرنے کے لئے ہمارے پاس اور کیا طریقہ ہے۔ ہماری جو مقدّس عبادت ہے اُس کے اندر ایک (Item) ہے، گریہ وزاری، آپ ذرا سوچیں کہ فارسی زبان میں ''گریہ'' کا کیا مطلب ہے اور ''زاری'' کسے کہتے ہیں، اصل میں جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ اصطلاح فارسی ہے اور (Literal Meaning) میں گریہ رونے کو کہتے ہیں اور زاری عاجزی کو کہتے ہیں، تو ہماری اسماعیلی تعلیمات میں سے جو تعلیم اُصولی طور پر ہمارے سامنے رکھی گئی ہے دُعا کے عنوان سے، اور اُس

میں جو (Item) گریہ وزاری کا ہے تو کیا ہم اِس کو اپنی اِس مروّجہ دُعا سے الگ کر سکتے ہیں۔ افسوس ہے اُن لوگوں پر جو اِس حقیقت کو نہ جانتے ہوئے کبھی کبھار ہماری مجلس پر اور ہماری گریہ وزاری پر اعتراض اٹھاتے ہیں اور اِس حقیقت کو ذرا اپنی جگہ سے ہٹا کر کچھ دُوسری شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ہمارے لئے امامؑ کی اِس ہدایت میں ایک روشن مثال ہے ایک نورانی ہدایت ہے، کہ ہم بھی خوشی کے موقع پر یا توبہ کے طور پر یا اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کو محسوس کرتے ہوئے بھی اپنی اِن ناچار آنکھوں سے آنسو بہا سکتے ہیں، اِس میں کوئی بات نہیں ہے اور اگر نہیں بہا سکتے ہیں تو دُوسرے پر اعتراض بھی نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے دل کے اندر یہ حسرت ہونی چاہئے، یہ رشک ہونا چاہئے کہ اگر ایک مومن اپنے مولا سے محبّت کرتے ہوئے کسی بھی کمی کو محسوس کرتے ہوئے مولا کے حضور میں گریہ وزاری کرتا ہے اور ہم اُس کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل کے اندر بھی آرزو ہونی چاہئے کہ ہم بھی اُس جیسے حال میں امامؑ کے سامنے گریہ وزاری کریں، تو قرآن میں آپ انبیاء علیہم السّلام کی حیاتِ طیّبہ کا ذرا مطالعہ کریں یعنی اِس بھید کے لئے ذرا قرآن میں کوشش کریں کہ انبیاء علیہم السّلام نے یعنی پیغمبروں نے جس شان سے خدا کے قُرب کو پایا گو کہ اُس کی بنیادی وجہ خدا کی رحمت ہی تھی، لیکن اِس رحمت کے ساتھ ساتھ بندگی کا کوئی طریقۂ کار بھی تھا، اور اُس طریقۂ کار کو ذرا دیکھیں، کوشش کریں، مطالعہ کریں، ڈھونڈیں تو آپ کو ایک واضح چیز ملے گی وہ کیا؟ وہ آنسو بہاتے تھے۔ ویسے بھی قرآن کے اندر بہت سے موضوعات ہیں، تو گریہ وزاری کے موضوع کو ذرا دیکھیں، قرآن کے اندر بہت سے موضوعات ہیں، اور اُن موضوعات کا تجزیہ کرنے کے مختلف طریقے ہیں، ایک تجزیہ اِس طرح سے ہے کہ اِنڈیکس میں آپ دیکھیں کہ قرآن میں کتنے الفاظ مذکور ہیں اور جتنے الفاظ ہیں اور کثرت سے مذکور ہیں تو اُن کا ایک موضوع بنتا ہے، مثلاً لفظِ ہدایت، ہادی کی صورت میں، ہدایت کی صورت میں اور دُوسرے صیغوں میں ہدایت کا لفظ جو ہے قرآن میں بار بار آیا ہے، اور ہدایت کی ضد ضلالت یعنی گمراہی، یہ بھی اِس مضمون میں آتا ہے، اور ہدایت کے ساتھ ساتھ صراطِ مستقیم یہ بھی اِس مضمون میں آتا ہے، اور صراطِ مستقیم کا دُوسرا لفظ سبیل، تو قرآن کے اندر جو سبیل کا ذکر ہے یا جتنی دفعہ یہ لفظ آیا ہے وہ بھی اسی موضوع میں آتا ہے، اسی طرح ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ قرآن کے اندر کونسے کونسے موضوعات ہیں۔ چنانچہ ہم اگر چاہیں تو قرآن میں سے گریہ وزاری کے موضوع کو لے سکتے ہیں کہ "بُکَاءِ" اور "یَبکُونَ" [۱۷:۱۰۹، ۱۹:۵۸] جیسے الفاظ میں اِس کا موضوع آتا ہے، اِس کے علاوہ عجز وانکساری اور تضرّع وغیرہ جیسے مترادفات ہیں اُن میں بھی یہ موضوع آسکتا ہے۔ چاہے ہم قرآن میں سے عجز وانکساری کے موضوع کو لیں، چاہے [ہم] گریہ وزاری کے موضوع کو چھیڑیں تو ہر حال میں ہم کو قرآن کا یہ خلاصہ ملے گا کہ یہ پیغمبروں کا شیوہ رہا ہے عجز وانکساری یعنی گریہ وزاری، اور اگر ہم نے دیگر آسمانی کتابوں میں سے کچھ مدد لینی ہے تو بہتر ہے کہ ہم زبور کو لیں۔ زبور جو ایک آسمانی کتاب ہے جو حضرت داودؑ کو عطا کی گئی تھی وہ تو گریہ وزاری ہی کا موضوع ہے۔ ساری کتاب اِس سِرے سے اُس سِرے تک بس وہ

گریہ وزاری کا موضوع ہے اور اِس کے سوا اور کوئی موضوع نہیں ہے، ہاں اُس گریہ وزاری کے اندر ساری باتیں ہیں، مناجات کے طور پر جس طرح آپ چاہیں تو کبھی مناجات کر سکتے ہیں تو اُس مناجات کے اندر آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، اپنے ہم نشینوں سے کچھ کہنا ہے یا خدا سے کچھ کہنا ہے یا اپنے نفس سے کچھ کہنا ہے کچھ مانگنا ہے دُعا، علم، ہدایت، تقریباً سب کچھ اِس میں آتا ہے۔ اِس طرح اگرچہ زبور کا (Main Subject) گریہ وزاری ہے لیکن اُس گریہ وزاری کے اندر بہت کچھ ہے۔

اب یہاں یہ بات بھی آتی ہے کہ اُس کا اندازِ بیان کیا ہے، چونکہ میں نے کہا وہ تو گریہ وزاری ہے اور اگر گریہ وزاری ہے تو یہ گریہ وزاری خدا کی تو نہیں ہو سکتی ہے، خدا گریہ وزاری کے طور پر کسی کو وحی نہیں کر سکتا ہے وہ تو خدا ہے، اُس کو گریہ وزاری نہیں چاہئے، گریہ وزاری اگر چاہئے تو بندے کو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ جب الہامی کتاب ہے، آسمانی کتاب ہے تو اُس میں گریہ وزاری کیسی؟ میں آپ کو بتاؤں بہت عجیب حکمت والی بات ہے، ایک راز ہے کہ جب انسان عجز و انکساری میں مٹتے مٹتے مقامِ فنا کے قریب ہو جاتا ہے، اور جہاں اُس کی انا ختم ہو جاتی ہے یا ختم ہونے اور نہ ہونے کے درمیان ہوتی ہے تو اُس وقت آپ جانتے ہیں کہ وہ خدا کا قُربِ خاص ہوتا ہے، ایسا مقام جو ہوتا ہے وہ خدا کا قُربِ خاص ہوتا ہے، یعنی خدا سے انتہائی نزدیکی ہوتی ہے، تو وہیں اُسی مقام پر آسمانی وحی بھی آتی ہے، کیونکہ وحی کی قسموں میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ وہ جبرائیل کی زبانی ہوتی ہے، اور کم سے کم وحی کے درجے تین ہیں، جو سب سے اُونچی وحی ہے وہ تو صرف اشاروں میں ہوتی ہے، اور اِس کے نچلے درجے کی جو وحی ہوتی ہے وہ حجاب کے پیچھے سے خدا کا کلام ہوتا ہے، اور اُوپر سے ترتیب رکھ کر نیچے کی طرف جو تیسرے درجے کی وحی ہے وہ کسی فرشتے کی زبانی ہوتی ہے (۴۲:۵۱)، تو دیکھا آپ نے کہ سب سے نزدیک ترین جو وحی ہے وہ فرشتۂ مُرسل کی زبانی ہے، مُرسل میں نے اِس لئے کہا کہ جس طرح انسانوں میں سے، کامل انسانوں میں سے رسول ہیں یعنی خدا کے بھیجے ہوئے اسی طرح فرشتوں میں سے بھی رسول ہیں۔

رسول کے (Literal Meaning) بھیجا ہوا، بھیجا گیا، ایلچی، یہ تُرکی لفظ ہے، تو خدا کے حضور سے جو فرشتے بھیجے جاتے ہیں پیغمبروں پر یا کامل انسانوں پر یا کسی بھی اعلیٰ درجے کے مومن پر، جس طرح (Mary) مریمؑ پر وحی نازل ہوئی تھی اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کی ماں پر بھی وحی نازل ہوئی تھی، تو اِس درجے میں بھی فرشتے ہی ہوا کرتے ہیں۔ یہ جو وحی ہے یہ بشریت سے بہت ہی قریب ہے تو آپ نے دیکھا یہ بہت ہی قریب ہے اور میں ایک اور راز کی بات بتاؤں ابھی بات پوری نہیں ہوئی ہے وہ یہ، کہ آپ کے اندر قوتیں ہیں، صلاحتیں ہیں جن کو انگریزی میں (Abilities) کہتے ہیں، تو اُن میں سے ایک (Ability) ایک صلاحیت جبرائیل کہلاتی ہے، وہ آپ ہی کی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ جبرائیل آپ سے الگ ہے، آپ سے جدا ہے تو وہ جبرائیل آپ کی اِس (Ability) کا رُوپ دھار کر اِس (Ability) کے اندر آپ کو وحی کرتا ہے، تو دیکھا ابھی مطلب کے قریب آ گئے۔ اسی طرح جب داؤد علیہ السّلام گریہ وزاری کرتے کرتے فنا کے سمندر

میں ڈوب جاتے تھے تو اُس وقت اُس کی وہ (Ability) جس کو جبرائیل کہا جاتا ہے وہ بہت اُجاگر ہو کر کام کرتی تھی، تو اُسی مقام سے وہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو وہ مناجات کرتا تھا، اور ایک طرح سے دیکھا جائے تو اُس کی مناجات خود وحی تھی چونکہ وہ اُس کی (Ability) بولتی تھی جس کا نام تاویل میں جبرائیل ہے، تو اِس طرح سے وہ وحی اور گریہ وزاری کا سنگم ہے یہ وہ مقام ہے جہاں پر بشری گفتگو اور وحی جو ایک دُوسرے سے ملتی ہیں یہ وہ مقام تھا، تو اِسکے معنی ہیں آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ آسمانی کتاب ہے، اِس معنی میں کہ وہ الہامی کتاب ہے اِس معنی میں کہ وہ جبرائیل کا کلام ہے، اور ساتھ ہی ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حضرت داؤدؑ کی زبان سے ہے۔ قرآن کے اندر ایک آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا نے کچھ لوگوں پر لعنت بھیجی داؤدؑ کی زبان سے (۵:۷۸)۔ تو بات بہت ہی چھوٹی ہے، لیکن اِس میں سے آپ کو حکمت کا ایک اُصول ملے گا کہ جہاں خدا کسی پیغمبر یا کسی کامل انسان کی زبان سے کسی اُفتادہ قوم پر لعنت بھیجتا ہے تو وہاں وہ ایسی ہستی کی زبان سے رحمت بھی بھیج سکتا ہے۔ جب یہ خیر و شر کی دونوں باتیں ہوگئیں، تو ہم مان گئے کہ نبی اور امام خدا کی زبان کی حیثیت سے ہیں، جس طرح اِس آیت سے پتا چلا کہ اِس معنی میں داؤدؑ اپنے وقت میں خدا کی زبان کی حیثیت سے ہیں۔ ایک تو کسی بات کو بتانا روایت کی رُو سے ہے ایک تو قرآن کی رُو سے ہے، اور یہ جو اُصول (Set) ہوتا ہے قرآن کی روشنی میں کہ کس طرح امامؑ خدا کی زبان ہوسکتا ہے اور کس طرح پیغمبر اپنے زمانے میں خدا کی زبان تھے۔ اگر یہ اُصول صحیح ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کو یا امامؑ کو اپنی زبان کے طور پر (Use) کرسکتا ہے، استعمال کرسکتا ہے تو پھر اُس پیغمبر کا کلام اور اُس امامؑ کا کلام بالکل وحی کے قریب ہے یا جو مانیں تو اُن کے لئے وحی کا درجہ رکھتا ہے، تو بات ذرا علم کے میدان کی طرف آگے بڑھنے لگی، تو یہ ہے کہ امامؑ جو کچھ بھی کرتے ہیں گو کہ لوگوں کے لئے وہ ایک معمولی سی چیز ہے یا مختصر چیز ہے لیکن ہمارے لئے امامؑ کی ہر ہر بات کے اندر ہدایت کے درخشان چراغ رکھے ہوئے ہیں، اور اُس کے اندر بہت جواہر ہیں اور علم و حکمت کے خزانے رکھے ہوئے ہیں، تو امام کے چہرۂ مبارک سے آنسو کا آنا۔ اگلے زمانے میں یہ بات پائی جاتی تھی، کتابوں میں ہے کہ علیؑ کس طرح عبادت کرتے تھے، حسنؑ، حسینؑ، زین العابدینؑ اور محمد باقرؑ، اور دیگر امام جو شریعت کے زمانے کے امام تھے لیکن اِس زمانے میں یہ بات بہت ہی مشکل ہوگئی تھی کہ امامؑ نے کبھی اپنی مبارک آنکھوں سے کوئی آنسو بہایا نہیں لیکن آج پتا چلا کہ امامؑ بھی ہادیانہ اور قائدانہ قسم کی (Feelings) رکھتے ہیں، اور آپ جیسے ہوشمند اسماعیلیوں کے لئے امامؑ کی ہر ہر بات میں، ہر ہر کام میں بہت سی روشنی ہے، بہت سی ہدایت ہے۔ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگر امام خوشی کے آنسو بہاتے ہیں تو ہم حسرت و ندامت کے آنسو بہا سکتے ہیں، یہ حسرت و ندامت اِس لئے نہیں کہ دین کے اندر کسی چیز کی کوئی کمی ہے، کوئی کمی نہیں اور اگر کمی ہے تو وہ ہماری کوششوں کی کمی ہے، ہمارے اعمال میں کمی ہے، ہماری علمیت میں کمی ہے، ہمارے جاننے میں کمی ہے، ہمارے شوق کی کمی ہے اور ذوق کی کمی ہے اور عمل کی کمی ہے، سُستی ہے، اِس لئے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے آپ پر

روئیں اور اپنی تقصیرات پر آنسو بہائیں تو یہ بات صحیح ہے۔ اِس لئے یہ آرٹیکل پڑھا گیا، میری اُمید ہے کہ اِس آرٹیکل سے متعلّق زیادہ معلومات یا جو مکمّل آرٹیکل ہے یا اِس کا (Background) کیا ہے یا کس آرٹیکل میں ہے یا کن صاحب نے یہ لکھا ہے اِس کو بھی ہم کوشش کرتے ہیں تا کہ یہ چیز ہاتھ آئے۔ اسی کے ساتھ میں اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں، شکریہ، چونکہ نامعلوم وقت کتنا ہے اور کیا ہے اِس لئے میں بیٹھ جاتا ہوں۔ یا علی مدد۔

جس طرح حضرت موسیٰ ؑ اور معجزاتی شخصیت کے درمیان جو کچھ قصّہ گُزرا تھا اُس کو خود قرآن ہی سے ترجمہ کے ساتھ اور تشریح و تاویل کے ساتھ پیش کیا بہت ہی شاندار طریقہ تھا، اور اُس میں کچھ مزید کہنے کی گنجائش نہیں ہے، تاہم ہمارے صدر صاحب کے کہنے کے مطابق میں ایک دو نکات صرف بیان کروں گا اور وہ یہ کہ اِن نکات کا اپنے عزیز نے بھی ذکر کیا ہے لیکن میں مختصر یہ بتاؤں گا کہ معجزاتی شخص نے جو کچھ کیا تھا وہ خدا کے امر و فرمان کے مطابق کیا تھا، اور اُس کے اندر تاویل تھی۔ تاویل میں جانے سے پیشتر اِن تین چیزوں کو دیکھئے کہ کیسے انوکھے اور نرالے ہیں، ایک تو یہ کہ خضرؑ نے یا کہ معجزاتی شخص نے کشتی کے اندر چھید ڈالا، موسیٰ ؑ کی نظر میں یہ ایک ناپسندیدہ کام تھا کہ وہ جس کشتی میں سوار ہوئے تھے اُس کے اندر چھید ڈالا اور خطرہ تھا کہ وہ ڈوب جائے۔ اُس سے آگے چل کر کچھ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے کھیلتے تھے اُن میں سے ایک بچّے کو لے کر خضرؑ نے تاویل سے پہلے اُس کو ذبح کیا یعنی قتل کیا، اِس پر موسیٰؑ نے اعتراض کیا، حالانکہ پہلے معاہدہ ہوا تھا کہ اگر موسیٰؑ اُس اُستاد سے کچھ لینا چاہتا ہے تو موسیٰؑ کو صبر کرنا پڑے گا جو کچھ بھی کہ وہ کرے اِس کے لئے کوئی اعتراض نہیں کوئی اِس میں شک نہیں یہ شرط تھی یہ معاہدہ ہوا تھا۔ لیکن اِس کے باوجود موسیٰؑ اُس زمانے کے پیغمبرِ عظیم ہونے کے باوجود ہر مقام پر اعتراض کرتا رہا اور پوچھتا رہا، خیر اِس دُوسرے مرحلے سے آگے گزرنے کے بعد وہ دیہات میں جب پہنچے تو شام کا وقت تھا اُن کو رہائش کی جگہ کی ضرورت تھی کچھ کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت تھی، تو اُن کو نہ تو رہائش کے لئے جگہ ملی اور نہ کھانا ملا اِس پر موسیٰؑ بہت ہی ناراض ہوئے، جب صبح ہوئی تو وہ باغ میں گئے جہاں پر کہ ایک دیوار گرنے پر تُلی ہوئی تھی تو خضرؑ نے موسیٰؑ سے اور اُن کے ساتھی سے کہا کہ چلو اب اِس دیوار کو ٹھیک کرنے کا ہے۔ اِس پر پھر اعتراض کرنے لگے کہ کل جن لوگوں نے ہمیں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں دی ہے، سونے کے لئے کوئی جگہ نہیں دی ہے ہم مفت میں اُن کے کام کو کیوں کریں؟ ہم کو یا تو مزدوری ملنی چاہئے، دیکھیں کہ یہ باتیں ہوتی رہیں تو پھر اِس پر تیسری دفعہ جو موسیٰؑ سے صبر نہیں ہو سکا تو اِس پہ خضرؑ نے کہا ابھی تو یہ فراق ہے ہماری اور تمہاری جدائی، اِس پر وہ جدا ہو گئے لیکن جدا ہونے سے پہلے خضرؑ نے اِن تینوں چیزوں کی تاویل بتائی، تو اِس کے پس منظر میں ایک تاویل تھی ایک حکمت تھی، تو مطلب کی بات یہ ہے کہ آج امامؑ جو کچھ کرتے ہیں اُس پر لوگ اعتراض اُٹھاتے ہیں، کبھی تو کہتے ہیں کہ امام کا یوں لباس کیوں؟ اُن کی رہائش فلاں ملک میں کیوں اور حالانکہ جو ہادیٔ برحق ہے وہ خدا کی منشاء سے اُس کی رضا سے باخبر ہے اور زمانے میں جو

کچھ کرنا چاہیئے وہ خوب جانتا ہے،لوگوں کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ صاحب اِمر کو اپنے کسی معیار سے تولے۔

اِس مقام پر جناب مرتضیٰ علیؑ کی ایک بات یاد آتی ہے کہ وہ اپنے کوٹھے پہ یعنی چھت پر بیٹھے تھے کہ ایک یہود نیچے سے آئے اور اُس زمانے میں اسلام کے ظہور کے ساتھ ساتھ یہودیوں اور مسلمانوں کی آپس میں دشمنی ہوئی تھی تو وہ طرح سے ایک دُوسرے کے ساتھ مناظرے کرتے تھے تو یہود نے کہا کہ دیکھو علیؑ تم خدا پر بھروسہ رکھتے ہو نا! تو چھلانگ لگاؤ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تم کو بچاتا ہے،سلامت رکھتا ہے کہ یا تمہارے ہاتھ ، پاؤں ٹوٹ جاتے ہیں ہم دیکھیں گے،تو مرتضیٰ علیؑ نے کیا جواب دیا،کہا ارے نادان! جاہل! خدا بہت ہی عظیم ہے ایک چھوٹے کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ بڑے کو تولے، چھوٹے کے پاس بھلا معیار ہی کیا ہے،کسوٹی کیا ہے کہ اُس سے وہ اپنے سے بڑے کو اُستاد کو تولے،تو مرتضیٰ علیؑ نے یعنی یہ جواب دیا۔اسی طرح لیکن اِس کے باوجود لوگ امام کو پرکھنے کے لئے، پھر پیغمبر کو پرکھنے کے لئے کوشش کرتے ہیں یہ تو انسان کی عادت ہے،جہاں پیغمبر سے موسیٰؑ سے نہ رہا گیا صبر نہیں ہوا تو کسی کو کیا گلہ تو امامؑ کے بارے میں سوالات کرتے ہیں اور اگر سوالات نہیں کرتے ہیں تو دل میں شکوک ضرور رکھتے ہیں ،ہر چیز پر شکوک وشبہات رکھتے ہیں وہ کبھی کہتے ہیں کہ امام کو ”نجیب الترّ فین“ ہونا چاہیئے،یہ کسی نے سوال کیا ”نجیب الترّ فین“ تو ”نجیب الترّ فین“ کا کیا مطلب ہے؟ یعنی دونوں خاندانوں سے سیّد ہونا چاہیئے،تو ہمارے ایک دوست نے اِس سوال پر کیا جواب دیا۔اچھا! آپ یہ بتائیں کہ آپ کی زبان سے ابوطالب کیا تھے اور یہ سوال کرنے والا اثنا عشری تھا،ابوطالب کیا تھے دُوسروں کی زبان سے،آپ کی زبان سے،کیا وہ سادات تھے اور اِس سے بڑھ کر اُن کو یوں بھی کہنا چاہیئے تھا کہ حضرت امام حسینؑ جو ہمارے عظیم اماموں سے ہوئے ہیں اور جن کے کارناموں کو دُنیا یاد کرے گی تو اُن کی بیگم کون تھیں؟ کل ہی ٹی وی پر [یا] پرسوں پوچھا گیا کہ اُن کا نام نامی کیا تھا،اُن کا نام نامی تھا شہربانو، جو ایران کے کسی بادشاہ کی شہزادی تھی ،وہ آتش پرست خاندان سے تھیں،تو دیکھئے کہ وہ جن بیگم سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے وہ سادات میں سے نہیں تھی اگر سادات سے مُراد صرف رسولؐ سے شروع کرنا ہے اور سادات اگر رسولؐ سے شروع ہوتی ہے تو رسولؐ سے آگے ظاہری طور پر باطنی طور پر جو کچھ ہے اُس کا یہاں ذکر نہیں ہے۔مطلب کی بات پر آتے ہم ہیں واپس تاویلات میں کہ تاویل کے اندر جو کچھ چیز ہوتی ہے وہ حکمت ہوتی ہے جس کو امامؑ جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا ہے،تو یہ ایک مثال ہے کہ ہادیٔ برحق جو کچھ کرتے ہیں اُس پر لوگ اعتراض اٹھاتے ہیں اِس کو مولائے رومؒ نے اپنی مثنوی کے اندر کھول کھول کر بیان کیا ہے،کھول کھول کر بیان کیا ہے،اور اُس نے اِس کے ساتھ قلندر والے قصّے کو ملایا ہے،میں ذرا قلندر والے قصّے کو ذرا لطیفے کے طور پر بیان کروں گا کہ ایک بقّال تھے،ایک بنیّا تھا زمانۂ قدیم میں مثنوی سے بہت پہلے تو وہ اپنی دکان پر بیٹھ کر تجارت کیا کرتے تھے۔اُس کا ایک طوطا تھا وہ بولتا تھا،خریداروں سے بھی گفتگو کرتا تھا،ایک دن کیا ہوا بلّی آ گئی تو ظاہری بات ہے کہ پرندہ جو ہے وہ درندوں سے ڈرتا ہے،بلّی کو دیکھتے ہی طوطا اُڑ

گیا وہ طاقچے کے اندر الماری کے اندر جو تیل کی شیشیاں رکھی ہوئیں تھی اُن میں گھس گیا بلّی کے ڈر سے، جیسے ہی وہ [گھس گیا تو بقّال نے] ڈنڈا لیا اور طوطے کو پیٹا، جیسے ہی پیٹا بُری طرح سے پیٹا تو اُس کے بہت سے پر گر گئے، معلوم نہیں موسم بہار تھا یا کیا تھا بہت سے پَر گر گئے، تو وہ میری طرح سے گنجا ہوگیا گنجا ہوگیا تو اب وہ چُپ ہوگیا جو بولتا تھا وہ بھول گیا ابھی بولنا جو تھا طوطے نے بند کر دیا۔ دُوسرے دن ایک بھیک مانگنے والا ایک قلندر آیا اور جس کا سر تراشا ہوا تھا میری طرح سے گنجا تھا ،اُس کے سر پر ایک بھی بال نہیں تھا، دو دن تین دن کے بعد یہ درویش آیا تھا، تو اب کتنے دن تک بقّال جو تھا [یعنی] بنیا جو تھا حیران تھا کہ اُس کا جو طوطا ہے وہ کیوں (Silent) ہے، خاموش ہے۔ کچھ دنوں کے بعد جوں ہی قلندر بھیک مانگنے کی غرض سے وہاں آیا تو قلندر کو دیکھتے ہی طوطا بولنے لگا، کہا ارے قلندر! کیا تم نے بھی میری طرح کسی کی تیل کی شیشی کو گرا دیا کیا اِس واسطے تم گنجے ہو، جس طرح میں گنجا ہوں، تو پھر [رومی] کہتا ہے کہ اِس طوطے کی طرح لوگ اپنا ہی قیاس کرتے ہیں، اپنی بشریت اپنی خامیاں اور اپنی کمزوریوں کو معیار بنا کر کسی پیغمبر کو پیر کو امام کو پَرکھنے کی کوشش کرتے ہیں، تو یہ بہت کمزور بات ہے، تو موسیٰؑ نے بھی اپنی معلومات کا معیار بنایا تھا جو کچھ اُس کی دانست میں تھا اُسی کو سامنے رکھ کر اسی سے اپنے اُستاد کو تولنا چاہتا تھا لیکن یہ بات بالکل ایسی تھی جیسے طوطے نے قیاس کیا اور اُس نے کہا کہ ارے قلندر کیا تم نے بھی تیل کی یا عطر کی شیشیاں گرا دیں تھیں کیا اِس لئے تم کو کسی نے پیٹا ہے اور تمہارے سر سے سب بال گر گئے ہیں [مثنوئ مولانا روم، شعر نمبر ۲۴۶ تا ۲۷۰، دفتر اوّل] تو یہ ہے کہ پیغمبروں نے جو اللہ سے وحی لائی اُن پہ دُوسرے عوام نے اعتراض یہ اُٹھایا کہ یہ بشر ہیں چونکہ لوگ اپنی بشریت سے تنگ آئے ہوئے تھے اور اِس بشریت کو اپناتے ہوئے بھی تنگ تھے اور یہ اُن کی کمزوری تھی، وہ اِس کی حکمت والے پہلو کو نہیں جانتے تھے جو کمزور پہلو ہے اُس کو سمجھتے تھے، اِس واسطے پیغمبروں کی اماموں کی بشریت پر ہر زمانے میں اعتراض ہوتے رہے ہیں، شادی بیاہ، نسل، خاندان، بیوی، بچّے، کھانا پینا، یہ لباس اور ڈاڑھی نہیں ہے تو کیسے امام ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے اِن بشریت کی چیزوں کو معیار بنایا کسوٹی بنایا، اور پھر اِس سے آگے نہیں بڑھ سکے، یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو کچھ وہ جانتا ہے اُسی کو معیار بناتا ہے اور اِس کے ماسوا جو کچھ ہے اُس کو وہ حاصل نہیں کر سکتا ہے، تو آج اِس دُنیا کے اندر یا اسلام کے فرقوں کے اندر جو بات چل رہی ہے وہ بالکل اِسی بنیاد پر ہے کہ ہر کوئی اپنی کتاب کو اپنی شریعت کو اپنی روایات کو معیار بناتا ہے، حالانکہ یہ کتنا ظلم ہے اور کتنی ناانصافی ہے کہ وہ اپنے ہی معیار سے دُوسرے کو پرکھنا چاہتا ہے، اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی چیز کو حق سمجھتا ہے اور اپنے دین کو برحق جانتا ہے، اور اسی کو معیار کر کے دُوسرے کو دیکھنا اور تولنا چاہتا ہے اور یہی چلتا ہے، تو انبیاء اور اولیاء کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے منشاء کے مطابق ہوتا ہے اور اُن کو خداوندِ عالم کی طرف سے جو روشنی ملی ہے جو چشمِ باطن عطا ہوئی ہے وہ دیکھتی ہے۔ بہرحال اسماعیلیوں کو شکر گزار ہونا چاہئے کہ اُن کا ہادیٔ برحق اور رہنما صحیح ہے، اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ دُرست اور حق ہے

لیکن جب کسی بھی اسماعیلی کے دل میں شکوک وشبہات کام کرنے لگتے ہیں تو دل کے اندر تاریکی آتی ہے اور [وہ] دُوسرے لوگوں کی باتوں میں آتا ہے تو اُس وقت کوئی اسماعیلی بھی جو ہے شک کرسکتا ہے اپنے امامؑ پر اور امامؑ کے کاموں پر اِس کے لئے یہ ضروری ہے کہ علم کو حاصل کیا جائے۔

یہاں پر اپنے عزیز نے جو تشریح کی اُس میں ایک بات میرے ذہن میں آئی وہ بات یہ ہے کہ دیکھیں کہ ہر مقام پر علم کی کتنی اہمیت ہے، انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ معجزانہ شخصیت نے کہا کہ اے موسیٰؑ تم صبر کیسے کرسکو گے ایک ایسی چیز کے بارے میں جس کا علم تم کو نہیں ہے، تو یہاں اِس انداز میں صبر اور علم کا مقابلہ ہوتا ہے۔ حالانکہ صبر کتنی اعلیٰ صفت ہے، صبر کتنی بلند صفت ہے لیکن یہاں صبر اور علم کا مقابلہ ہوتا ہے اور علم، صبر سے بلند نظر آتا ہے۔ یعنی جن واقعات کے متعلّق تم کو علم نہیں ہے تو وہاں پر تم کو صبر کیسے ہوسکے گا چونکہ صبر علم کے لئے محتاج ہے اِس کے معنی یہ ہوئے، اور قرآن میں یہ بھی ہے کہ تقویٰ اور علم کا مقابلہ ہے، ہر جگہ پر تقویٰ یعنی پرہیزگاری کی تعریف کی گئی ہے لیکن جا جا کر ایک آیت کے اندر یہ ارشاد ہوا ہے کہ تقویٰ صرف اُن لوگوں کو پہنچتا ہے جو جاننے والے ہیں: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (۳۵:۲۸) جن کے پاس علم ہے وہی صحیح معنوں میں خدا سے ڈرتے ہیں، خدا سے ڈرنے کے معنی ہیں کس انداز میں ڈرنا چاہئے؟ کیا ایک دشمن اپنے ظالم دشمن سے زور آور دشمن سے ڈرتا ہے اِس طرح ڈرنا چاہئے، کیا جس طرح کوئی شخص کسی درندے سے ڈرتا ہے اِس طرح ڈرنا چاہئے، کیا کوئی شاگرد جس طرح اپنے پیٹنے والے اُستاد سے ڈرتا ہے اِس طرح ڈرنا چاہئے، کس طرح ڈرنا چاہئے؟ آخر ڈرنے کے کچھ تو معنی ہیں ڈرنے کا تو کوئی تصوّر ہونا چاہئے، ڈر کس قسم کا ہونا چاہئے؟ تو اُس کے لئے (Reference) دیتا ہے خدا: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (۳۵:۲۸)۔ اور خدا سے ڈرنا جو ہے وہ علم کے تحت ہے علم کی روشنی میں ہے اِس مقام پر علم کو تقویٰ سے بھی برتری حاصل ہے، تو اِس وقت اِن کے بیان کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں یہ آگیا کہ کیا اچھا ہوگا کہ ہم علم اور دیگر صفات کے مقابلے کراتے ہوئے ایک مقالہ لکھیں، (Comparison) کریں، علم اور دیگر اوصاف کا تو کتنا مزہ آئے گا، تاکہ ہم کو علم کا ایک مزید ذوق ملے گا کہ علم سب چیز سے اُوپر ہے اور ہر چیز سے اُوپر ہے یعنی اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبر اور تقویٰ [اور] دیگر جو اوصاف ہیں وہ نہیں چاہئیں، نہیں اِن کی ایک ترتیب ہے یہ سب چیزیں درجہ وار ہیں، درجہ وار ہیں لیکن علم جو ہے [وہ] سب سے اُوپر ہے اور اسی لئے خداوندِ عالم نے اِس کو اپنا تخت قرار دیا ہے، عقل اور علم کو خدا نے اپنے لئے تخت بنایا ہے۔ دیکھیں! کتنی اچھی بات ہے کہ خدا سب سے اُوپر ہے، خدا سب سے اُوپر ہے، اور درجے میں اُس کے نیچے جو چیز ہے اُس کو خدا کا تخت ہونا ہے تو وہ علم ہے اور عقل ہے۔ بہرحال یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ موسیٰؑ اور خضرؑ کے درمیان کیا قصّہ ہوا تھا، اور اِس کو مثنوی میں بھی بیان کیا گیا ہے اور اِس چیز میں ذرا سوچنے کی ضرورت ہے کہ امامؑ جو کچھ کام کرتے ہیں زمانے میں جیسی ہدایت دیتے ہیں اور جس چیز کو وہ

اُٹھاتے ہیں اور جس چیز کو وہ رکھتے ہیں وہی بہتر جانتے ہیں وہ عقلِ کُل ہیں۔ دُوسرے لوگ خوامخواہ اپنی محرومی اور مایوسی کے لئے اعتراضات کرتے ہیں، چونکہ وہ اِس کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں، اور چونکہ ہر شخص کو سزا بھگتنا ہوتی ہے کہ اُس نے جانشین رسولؐ کے مقدّس دامن کو ہاتھ سے کیوں چھوڑا، تو اسی کے ساتھ میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں، شکریہ، یا علی مدد!۔

تو اُس ہندو ڈاکٹر نے جو بہت بڑا ڈاکٹر تھا، اور واقعی بہت دُنیوی علوم سے یا جس کو (Psychic) کہتے ہیں اور سائنس کہتے ہیں اُس سے بہت ہی آشنا تھا، کیونکہ وہ ملک آپ جانتے ہیں کہ ایسا ہے کہ اُس میں آدمی دُنیاوی طور پر بہت کچھ حاصل کرتا ہے، تو اُس نے اہتمام کیا تھا میرے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے بہت سے سوالات کئے اور بہت دلچسپ سوالات تھے، میرے ساتھ دو اسٹوڈنٹ تھے میں تنہا نہیں تھا، ایک عزیز ماوجی تھا جو میرے دوستوں اور شاگردوں میں سے ہے، ایک لڑکی اسٹوڈنٹ تھی جو کافی پڑھی ہوئی تھی، اُن کا نام نشوت تورانی ہے، تو ہم گئے تو اُس نے بات چیت شروع کی کچھ اپنے طور سے کتابیں بھی رکھی تھیں اور وہ (Transcendental Meditation) کا قائل تھا، اُس نے درمیان میں ایک سوال کیا کہا کہ آپ پانی کے (Surface) پر، پانی کی سطح پر چل سکتے ہیں، تو دیکھیں! یہ بہت اُس نے عجیب سوال کیا میں نے ایک دم سے بلا تاخیر یہ کہا کہ یہ ہے (Lower Spiritualism) کی بات ہے آپ تو (Lower Spiritualism) کی طرف جاتے ہیں۔ ہم لوگ (Higher Spiritualism) کے ماننے والے ہیں ہم علمی طور پر عالمِ علوی کی طرف، عالمِ بالا کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں، تو پانی کی سطح پر چلنا ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے، تو اِسی کے ساتھ وہ چُپ ہوگیا، پھر میں نے مثالیں دینا شروع کیا کہ ہمیں یعنی کہ عالمِ علوی سے علمی عالم سے عالمِ بالا سے کیا چیزیں ملتی ہیں، تو میں نے ایک دو مثالیں دیں، میں نے کہا کہ ہم اپنے تجربے کی روشنی میں تم کو بتا سکتے ہیں کہ دُنیا میں کیسے کیسے واقعات آئندہ رُونما ہونے والے ہیں، اور انسانیت میں کس طرح (Unity) ہوگی وغیرہ، تو میں نے بہت عمدہ طریقہ سے بیان کیا تو وہ بہت مطمئن ہوگیا، اور پھر میں نے اُس کو روشنی کے موضوع پہ اُس کو مطمئن کیا۔ میں نے کہا تم جس روشنی کے متلاشی ہو وہ (Animal Soul) کی روشنی کو چاہتے ہو یہ تو بہت ادنیٰ روشنی ہے، میں نے کہا کہ اِس کے اُوپر دو (۲) روشنیاں اور ہیں وہ یعنی کہ انسانی رُوح کی روشنی ہے اور پھر اِس کے اُوپر جو ہے وہ (Intellect) کی عقل کی روشنی ہے، تو اب اُن کی کتابوں میں یہ باتیں نہیں تھیں وہ ایک کتاب کو کھینچ کے میرے سامنے لانا چاہتا تھا، وہ معلوم نہیں اُس نے پہلے سے وہ تیار کی تھی یا اتفاق سے تاکہ مجھ کو حیران کرے اُس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ دکھا کہ اور جب میں نے نور کی تشریح شروع کی نا! تو سب سے پہلے میں نے حیوانی رُوح کی روشنی کس طرح ہوتی ہے وہ بتائی دیکھو کہ انسان جب ریاضت کرتا ہے اور محنت کرتا ہے تو اُس کے نفس حیوانی کی تحلیل ہو جاتی ہے، تحلیل ہونے سے روشنی نظر آتی ہے گو کہ وہ روشنی نفس حیوانی کی تحلیل سے جو روشنی پیدا ہوتی وہ بہت پُرکشش ہے لیکن اہمیت اُس کی بہت کم ہے، اِس کے اُوپر

رُوحِ انسانی کی روشنی ہے اور میں نے اُس کو بتایا کہ دیکھو وہ سکون اور خوشی اور مسرّت و شادمانی کی شکل میں ہے، اُس کا رنگ یہ ہے جو حقیقی ، مثلاً آپ عبادت و بندگی میں جو خوشی محسوس کرتے ہیں گو کہ وہ (Visible) روشنی نہیں ہے، (Invisible) ہے وہ دکھائی نہیں دیتی ہے لیکن اُس کا وجود ہے، جب آپ کسی چیز کے وُجود کو محسوس کرتے ہیں تو آپ کو محسوس کرنا ہوگا تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ ہے (Existence) میں ہے، تو یہ یعنی انسانی رُوح کی روشنی ہے۔ اِس کے اُوپر جو سب سے اُونچی روشنی ہے وہ عقلی روشنی ہے جو کہ جہالت و نادانی کی تاریکیوں کو دُور کرسکتی ہے، شکوک وشبہات کو دُور کرسکتی ہے، تو میں نے اُس کو (Explain) کیا، تو وہ کافی مطمئن ہوگیا، اور پھر آگے بڑھنے کے لئے کوشش اُس نے نہیں کی تو یہ بات ہے۔ کون سی بات ہوئی تھی، کیا سوال ہوا تھا، تو یہ ہے نا کہ یہ کچھ اِس میں آمیزش ہوگئی ہے کسی طرح سے، غائب ہوجانا بہت قسم کا ہے کیا جسم کا غائب ہوجانا اِس سے کیا مراد ہے؟ انسان کی خودی اور انا ایک دم سے غائب ہوجاتی ہے اور فنا ہوجاتی ہے اُس کی خودی نہیں رہتی ہے اور دُوسری بات ایسا کہ (Soul) نکل جاتی ہے، (Soul) نہیں نکلتی ہے، (Soul) مرکوز ہوجاتی ہے، یعنی رُوح جو ہے مرکوز ہوجاتی ہے۔ رُوح کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ یہاں پیشانی میں جو اصل مقام ہے جہاں نور کا مرکز ہے، جہاں معراج ہے، جہاں کوہِ طور ہے، جہاں غارِ حرا ہے اور بہت سی تاویلیں یہاں جمع ہوجاتی ہیں، جہاں عرش ہے، یہ عرش بھی ہے، یہ غارِ حرا بھی ہے، یہ کوہِ طور بھی ہے اور یہ مرکزِ نور بھی ہے تو اِس مقام تک جب رُوح مرکوز ہوتی ہے تو یہی مقصود ہے۔

اِس کے علاوہ رُوح کو یہ تن چھوڑ کر نہیں نکلنا چاہئے، ہاں یہ دیکھا گیا ہے کہ پاؤں ٹھنڈے ہوجاتے ہیں اور سب جسم اِدھر سے کاٹیں تو کچھ پتا نہیں چلے گا، رُوح بالکل سانس بھی ختم ہوجاتا ہے اور رُوح بالکل یہاں پر آتی ہے۔ اُس وقت یا تو آدمی کو لیٹنا پڑتا ہے یا دیوار کا سہارا لینا پڑتا ہے، تو یہ اِس کو رُوحانیت میں مرحلۂ عزرائیل کہنا چاہئے وہ ایسی منظّم طور پر اِس کی اصطلاحات نہیں ہیں، میں اپنے طور سے اِس کو کہتا ہوں مرحلۂ عزرائیل کہنا چاہئے، جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل یہ یعنی اِس (Division) کے اعتبار سے یہ چوتھا مرحلہ ہے، ویسے اِس کے نیچے اور بھی بہت سے مراحل ہیں یعنی اِس (Division) کے لحاظ سے جب عزرائیل کی نوبت آتی ہے اور وہ ہم کو اپنا معجزہ دکھاتا ہے تو وہ ایک اِسم پڑھتا ہے، اسم کو [اور] اِس واقعہ کو مجھے نہیں ملانا چاہئے، تو مجھے وہ اسم کبھی کہنا چاہئے لیکن یہ کہہ کر نہیں بتانا چاہئے کہ کس طرح ہے، تو وہ ایک اسم کے ذریعے سے انسان کی رُوح کو مرکوز کرتا ہے یہاں، اور جان کس طرح نکالتا ہے اُس کا تجربہ کرتا ہے، تو یہ ہوا ایک طرح سے غائب ہوجانا، تو میں کہہ رہا تھا کہ غائب کئی طرح سے ہے اور سب سے بہترین غائب ہوجانا یہ ہے کہ ہم یہاں رہیں لیکن ہماری جو توجّہ ہے نا! یا جو خودی ہے نا! وہ غائب رہے۔ اب [ہم] اِس جگہ سے غائب ہوجائیں تو پھر دُوسری جگہ جائیں گے تو وہ بھی دُنیا ہے لیکن دُنیا کو فراموش کریں تو بہترین غائب ہوجانا یہ ہے، دُنیا کو فراموش کریں کہ ہم دُنیا سے

غائب نہ ہو جائیں، بلکہ دُنیا کو اپنے اندر سے باہر پھینکیں یہ غائب ہو جانا بہترین ہے، اور باقی لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالنا، کرامات کرنا یہ تو جو ہے مشکل ہے، امامؑ کی اِس میں خوشنودی نہیں ہے اور کرامات بھی کئی قسم کے ہیں۔ خیر بہرحال غائب ہو جانا کئی طرح سے ہے اور جب (Astral Body) کا استعمال آئے گا تو اُس میں غائب ہو جانا آجائے گا۔ رُوحانیت کے مقامات اور مراحل کا تجربہ ہونا چاہئے لیکن اصل میں یہ ہوتا ہے کہ قرآن اور امام کا یہ اُصول ہوتا ہے کہ جو سب سے چوٹی کی چیز ہے اُس کی طرف نشاندہی کی جاتی ہے۔ اگر آدھی بات ہوگئی تو آدھی رہنمائی ہوگئی اور رستہ سے رہنما جو ہے وہ چھوڑ کر چلا گیا، امامؑ کے کلام میں جو گہرائی سے سوچیں، تو ہر بات اُس کی گہرائی یا کہ ہر بات کی بلندی جو ہے وہ آخری مقام تک ہے، لہٰذا رُوحانیت کے آخری مراحل میں جو کچھ سامنے آتا ہے وہی چیز امامؑ کے پیشِ نظر ہے یعنی رہنمائی جو ہے منزلِ آخرین تک یا کہ منزلِ مقصود تک یا کہ مقصدِ اعلیٰ تک ہونی چاہئے۔ اِس دلیل سے یہ ایک مکمّل بات ہے کہ بظاہر اِس کے معنی یوں بھی ہوتے ہیں کہ ہر کسی کو اپنی اپنی رسائی کے مطابق کچھ تو تجربہ ہونا چاہئے، اِس میں یہ معنی کی گنجائش بھی ہے، لیکن جو صحیح معنی اور آخری معنی کی تلاش کریں گے تو وہ یہ معنی نکلیں گے کہ (Top) کی بات ہوتی ہے، جس طرح رہنمائی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آخری مرحلہ تک ہو۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ رُوحانیت کے آخری مرحلے میں جو کچھ ہے اُس کی طرف نشاندہی ہے، امامؑ کا دیکھنا تو بھرپور اور مکمّل یا کہ درجۂ کمال پر دیکھنا ہے نا! تو وہی جو ابھی میں نے اِس کا ذکر کیا تھا کہ جب امام گوہرِ عقل کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں گے اور کائنات کو اپنی مٹّھی میں لیں گے، اور جہاں پر ابد اور ازل ایک ہیں اور مکان و لامکان ایک ہیں اور جہاں پر عقلِ کُلّی کا (Demonstration) ہے، جہاں پر کلمۂ کُن کا (Demonstration) ہے، جہاں پر امرِ کُل کا مقام ہے تو یہ انسان کا آخری مقام ہے۔

آج جو ہم بات کریں گے یا گفتگو وہ اعتکاف کے بارے میں ہوگی، میرے نزدیک اعتکاف کا جو موضوع ہے یہ نیا موضوع ہے جس پر کبھی کوئی گفتگو نہیں ہوئی ہے، اور میرے خیال میں یہ بہت بڑا اہم بھی ہے، چونکہ یہ عبادت کا موضوع ہے، ذکر کا میں سمجھتا ہوں کہ اِس میں آپ کے لئے نئی معلومات فراہم ہو سکتی ہیں، اِس کے لئے میں نے یہ چاہا ہے کہ آپ سب عزیزوں سے اندرونی طور پر رُوحانی قوت کو حاصل کروں، آپ کی پاک و پاکیزہ رُوحوں سے تعاون حاصل کروں تاکہ اِس تعاون کی بدولت یہ جو گفتگو ہے یہ مؤثر ہو پُر لطف ہو اور معلوماتی ہو۔ اِس لئے کہ آپ جو یہاں آئے ہیں بڑے بھروسے سے آئے ہیں اور بہت ہی اُمید سے آئے ہیں، اور مجھے اِس کا خوب اندازہ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک کی کیا اہمیت ہے، علم کے لحاظ سے، خدمت کے لحاظ سے، اعتماد اور بھروسے کے لحاظ سے، لہٰذا میں بڑی خوشی سے اِس موضوع کو چھیڑتا ہوں اور کوشش یہ کرتا ہوں کہ آپ کے لئے اِس میں نئی قسم کی معلومات ہوں اور اِس سے بہت شاندار معلومات حاصل ہوں، ویسے تو آپ جانتے ہوں گے کہ اعتکاف عربی کا ایک لفظ ہے جو مسلسل عبادت کرنے کو کہتے ہیں۔ اب میں یہ کوشش

کروں گا کہ اِس کا رُوحانی فائدہ کیا ہے اور قرآن میں اِس کا کس طرح سے ذکر آیا ہے، اور انبیاء علیھم السّلام سے اِس اعتکاف کا کیا تاریخی طور پر تعلّق رہا ہے یا اسلام میں اِس کی کیا اہمیت ہے اور اسماعیلی مذہب میں اِس کی کیا قدر دانی کی گئی ہے وغیرہ، تو میں اپنی گفتگو میں جہاں بھی موقع ہو اِس سلسلے میں معلومات فراہم کرنے کے لئے کوشش کروں گا۔

قرآنِ مجید میں اعتکاف کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے اور بڑے اہتمام سے ذکر ہے، اور میں موقع پر اُس آیت کو بھی بتاؤں گا، قرآن میں اعتکاف کے سلسلے میں بڑے اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے اور چند آیتوں میں ہے اور اِس کے علاوہ دُوسری آیات میں اعتکاف کا لفظ نہیں ہے لیکن اِس کے مترادفات میں اِس کا ذکر ضرور ہے۔ مترادفات سے مطلب یعنی یہ ہے کہ کسی بھی زبان کے ہم معنی الفاظ یا کہ ایک معنی کے لئے کئی الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو الفاظ کے اُس گروپ کو مترادفات کہتے ہیں۔ چنانچہ اعتکاف کے بارے میں قرآن میں جا بجا ذکر موجود ہے، تو آیئے انبیاء علیھم السّلام کے بارے میں ذکر کریں گے کہ سب سے پہلے اعتکاف کے ساتھ انبیاء علیھم السّلام کا کیا تعلّق رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآنِ مقدّس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا ذکر تو نہیں ہے، چند پیغمبروں کا اُس میں ذکر آیا ہے اور جن انبیاء علیھم السّلام کا قرآنِ مقدّس میں ذکر آیا ہے اُن میں سے چند مقدّس ہستیاں ہیں جو نمایاں ہیں، اُن میں سے سب سے پہلے جس پیغمبرِ بزرگ کا اعتکاف کے سلسلے میں ذکر آتا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام ہیں، حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر اعتکاف کی مدّت پوری کی، جس کا نمایاں طور پر قرآنِ حکیم میں ذکر آیا ہے اور اُن کے اعتکاف کی مدّت چالیس (۴۰) دنوں کی ہے (۷:۱۴۲)۔ اب مجھے چاہئے کہ یہاں چالیس کا جو عدد ہے اُس کے بارے میں بھی دو چار الفاظ عرض کروں، کہ یہ مدّت چالیس دنوں کی کیوں رکھی گئی تھی؟ تو عرض یہ ہے اِس سلسلے میں کہ چالیس کا جو عدد ہے وہ بڑا منطقی ہے، تاویل کے لحاظ سے بھی اور طبّی لحاظ سے بھی، سائنسی لحاظ سے بھی اور ہر لحاظ سے چالیس کا جو عدد ہے اُس کے اندر کئی کئی حکمتیں موجود ہیں اور ایک حکمت یہ ہے کہ انسان چالیس دنوں کے اندر اندر یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ ماشاء اللہ ہمارے یہاں ایک بہت عظیم ڈاکٹر صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں وہ بعد میں اِس کے بارے میں اگر چاہیں تو سوچیں گے اور کوئی مفید مشورہ بھی دے دیں گے، کہ چالیس دنوں کے اندر انسان کیوں کر تبدیل ہو جاتا ہے، وہ تبدیلی مذہبی طور پر کچھ اِس طرح سے بتائی گئی ہے کہ انسان کے اندر ذرّات ہیں، انسان کا یہ ڈھانچہ، انسان کی یہ شخصیت، انسان کا یہ جسم، گوشت پوست، ہڈّی سب کچھ ذرّات پر مشتمل ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو کائنات و موجودات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ذرّات کے بغیر ہو بلکہ یوں ہے کہ ہر چیز ذرّات کا مجموعہ ہے، اسی طرح انسان کی تخلیق میں ذرّات پائے جاتے ہیں، چھوٹے چھوٹے، لاانتہا چھوٹے، اور انسان کی تخلیق یا اِس کی نشو و نمائی کا اُصول یہ ہے، کہ یہ ایک تالاب کی طرح ہے، سمجھ لیجئے کہ تالاب کا ایک نکاس ہے [یا] مخرج اور ایک منبع ہے، منبع سے میری مُراد پانی کے آنے کی جگہ، مخرج سے میرا مقصد پانی کے نکلنے کی جگہ، تو تالاب کے عموماً یہ دو مقام

ہوتے ہیں یا کہ دو جگہیں ہوتی ہیں، ایک رستے سے پانی تالاب میں گرتا رہتا ہے اور دُوسرے رستے سے فاضل یا بھر چکنے کے بعد جو (Over Flowing) ہوتی ہے وہ پانی اُس نکاس سے نکلتا رہتا ہے، تو بالکل اسی طرح سے انسان کی یہ سرشت، تخلیق یا کہ شخصیت ہے۔ انسان کی شخصیت بالکل اِسی طرح سے ہے تو انسان کا منبع کیا ہے، خوراک، پانی وغیرہ اور نکاس کیا ہے، انسان کا نکاس یہ ہے کہ پسینے کی راہ سے ذرّات نکلتے ہیں، تھکان اور فرسودگی سے ہمارے ذرّات اور (Energies) جو ہیں وہ خارج ہو جاتی ہیں اور اِس کے علاوہ فضلا وغیرہ ہے، بول و براز یہ انسان کی شخصیت کے تالاب کا نکاس ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان ایک طرف سے بنتا جاتا ہے اور دُوسری طرف سے فرسودہ ہوتا جاتا ہے، بگڑتا جاتا ہے، اِس کا نمایاں تجربہ اُس وقت ہوتا ہے جب کہ آدمی بیمار پڑتا ہے، خوراک نہیں کھائی جاتی ہے تو بہت ہی کم مدّت میں انسان گل جاتا ہے، تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ چالیس دن کی مدّت میں اِس کے (Cells) اور ذرّات اور ہر چیز نئے سرے سے بنتی ہے اِس سے پہلے نہیں۔ اب اگر انسان نے کوئی گناہ کیا ہے تو اُس کا اثر شخصیت پر ہوتا ہے، ہمارے (Cells) پر ہوتا ہے، حرام کا کھایا ہے تو اِس سے ہماری جو سرشت ہے اُس پر دھبّہ پڑتا ہے اور یہ جو جسم جس طرح سے کام کرنا چاہئے ایسا نہیں کرتا ہے اور یہ دھبّہ ہمٹ نہیں جائے گا، جب تک کہ چالیس دن کی مدّت نہ گزرے اور وہ بھی عبادت و بندگی اور توبہ سے ہو تو اِدھر سے یہ (Changing) کام کرے گی اور اُدھر سے عبادت کام کرے گی اور دونوں چیزیں مل کر انسان کو پاک اور پاکیزہ کیا جائے گا، تو یہی وجہ ہے جو چلّہ کی سب سے بڑی مدّت چالیس دن کی رکھی جاتی ہے ایک بات اور دُوسری چیز میں آپ کو بتاؤں کہ دُنیا کے اندر بہت سے علوم ہیں اُس میں سے ایک علم ہے جسے علمِ تسخیر کہا جاتا ہے یعنی کہ (Souls) کو (Capture) کرنے کے لئے اور جنّات کو تابع کرنے کے لئے اور دیگر ایسے مقاصد کے لئے لوگ چلّے کاٹتے ہیں تو لفظِ چلّہ کیا ہے؟ یہ فارسی زبان کا ایک لفظ ہے، چہل سے (Short) میں چل یا کہ چلّہ کہتے ہیں جس طرح ایک دن کو روز کہتے ہیں اور ایک دن کی مدّت کو روزہ کہتے ہیں اور مہینے کو ماہ کہتے ہیں اور ایک مہینے کی مدّت میں جو کام کیا جاتا ہے اُس کو ماہایا کہ مہینہ کہتے ہیں، ماہا کہتے ہیں۔ اسی طرح چلّہ سے مُراد چالیس دنوں کی مدّت لیکن یہ جو اصطلاح ہے یہ جو (Term) ہے یہ مذہبی نہیں ہے، آپ چلّہ کی اصطلاح کو مذہبی طور پر (Use) نہیں کرنا یہ الگ اصطلاح ہے، [یہ] علمِ تسخیر کی اصطلاح ہے جو لوگ رُوحوں کو اور جنّات کو (Capture) کرنا چاہتے ہیں یعنی جو اپنے لئے تابع بنانا چاہتے ہیں یا کسی بھی مقصد کے لئے چلّہ کاٹتے ہیں تو وہی لوگ چلّہ کاٹتے ہیں، چلّے کا مقصد الگ ہے اعتکاف الگ ہے، اعتکاف میں تقدّس کا تصوّر پایا جاتا ہے اور چلّے میں نہیں، چلّے میں کوئی شخص یعنی اپنے آپ کو شُہرت دینے کے لئے یا کسی مقصد کے لئے یا تعویذ لکھنے کے لئے یا درویشی جتلانے کے لئے وہ چلّہ کاٹتا ہے، دریا کے کنارے پر جاتا ہے اور قبرستان پر جاتا ہے، بیابان میں جاتا ہے، جنگل میں جاتا ہے، تو اُس کی مدّت چلّہ کہی جاتی ہے، تو میرا مقصد یہاں اِس بیان سے یہ ہے وہ چلّہ

والے اِس چالیس کی تعداد کو، چالیس کے عدد کو مانتے ہیں، چالیس کے (Figure) کو مانتے ہیں اور میرے پاس اور بھی دلائل ہیں جو کہ چالیس کے عدد کی اہمیت ظاہر کرنے کے سلسلے میں پیش کئے جاسکتے ہیں، لیکن اتنی لمبائی میں نہ جائیں اتنا طول نہ دیں، جب کہ آپ بھروسہ کرتے ہیں کہ چالیس کا جو عدد ہے وہ صحیح ہے، تو آیئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے اُس اعتکاف کی طرف لوٹیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو طورِ پر اعتکاف کے لئے گئے تھے اور چالیس دن تلک وہاں پر رہے تھے۔ قرآن میں چالیس راتوں کو ذکر ہے چالیس دنوں کا ذکر نہیں ہے، اِس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام دن کو عبادت نہیں کرتے تھے، دن کو بھی عبادت کرتے تھے رات کو بھی عبادت کرتے تھے لیکن خصوصاً رات کا ذکر اِس لئے ہے کہ رات کی اہمیت ہے اور رات کی جو عبادت ہے وہ بہت ہی مؤثر ہے، اِس لئے وہاں راتوں کا ذکر ہے۔ بہرحال ہم مان گئے کہ سب سے پہلے جو نمایاں طور پر اعتکاف کا ذکر آتا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے قصّے میں ہے جو قرآن میں مشہور ہے۔ اِس کے بعد آیئے رسولِ خدا سرورِ انبیا حضرت محمّد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زندگی سے اِس کی مثال لیں، تو حضورِ اکرمؐ جیسا کہ آپ جانتے ہیں غارِ حرا میں جایا کرتے تھے، اور مکّہ کے اُوپر ایک پہاڑ ہے جہاں پر آپؐ جا کر ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے تھے، یہ سوال الگ ہے کہ وہاں آپ کیا ذکر کرتے تھے، میں نے کئی مقالوں میں یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ اسمِ اعظم پڑھتے تھے، بہرحال یہ موضوع سے کچھ الگ بات ہے، تو آنحضرتؐ وہاں اعتکاف کرتے تھے۔ مدّت کے بارے میں کسی کتاب میں کچھ لکھا ہوا نہیں ہے لیکن گمانِ غالب ہے کہ لازمی طور پر حضورِ اکرمؐ نے بھی کم سے کم چالیس دنوں کی عبادت کی، خواہ وہ مسلسل ہو یا غیر مسلسل، بہرحال حضورؐ نے وہاں چالیس دنوں کی عبادت کی۔

اب اِس اعتکاف کے رُوحانی پہلو کو سامنے رکھتے ہیں کہ اِس میں کیا فائدہ ہے، اصل میں اِس اعتکاف کے کئی پہلو ہیں یعنی اعتکاف کرنے کی کئی وجوہ ہیں، اور دُوسری بات یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء ایسے پہاڑوں میں کیوں جایا کرتے تھے، میدانوں میں اور لوگوں کے درمیان اور گھروں میں رہتے ہوئے یہ اعتکاف کیوں نہیں کرتے تھے؟ اِس کا جواب کس طرح سے ہونا چاہیئے۔ میرے اپنے مطابق جہاں تک مجھے اِس میں روشنی ملی ہے یا تجربہ ہوا ہے یا جو تاثر لیا ہے اِس کے مطابق تنہائی ایک مؤثر چیز ہے عبادت کے لئے اور لوگوں کے درمیان عبادت کرنا بہت مشکل ہے، خصوصاً ابتدائی مراحل میں، اِس لئے تنہائی ضروری ہے۔ پھر آپ سوال کریں گے کہ تنہائی کسی گھر میں بھی ہوسکتی ہے، دُوسری بات کہ تنہائی میں یہ بھی ہونا چاہیئے کہ دُور جگہ ہو کہ وہاں تک لوگوں کا گزر نہ ہو۔ اِس میں رُوحانی حکمت یہ ہے کہ کچھ رُوحیں رہتی ہیں بستیوں میں جو رُوحیں رہتی ہیں وہ الگ ہیں اور جو بیابانوں میں رُوحیں رہتی ہیں وہ الگ ہیں، کچھ بیابانوں میں جو رُوحیں رہتی ہیں اُن کی اہمیت بڑھ کر ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ صاف بات کہ وہاں کچھ حدودِ دین رہا کرتے ہیں بیابانوں میں، وہ حدودِ دین کچھ بیگانہ لوگوں کو جنّات کے نام سے خود کو ظاہر کرسکتے ہیں، لیکن جو مومنین ہیں اُن کے لئے ایسا نہیں کرتے ہیں اُن کی چونکہ دو

(Positions) ہیں، دو رُوپ ہیں، تو انسان بھی کئی صورتیں رکھتا ہے انسان اپنوں کے لئے مہربان اور دوست ہوتا ہے، بیگانوں کے لئے دشمن ہوتا ہے، ایک انسان کے دو رُخ ہوتے ہیں، اسی طرح رُوحانین کے بھی دو رُخ ہیں حالانکہ وہ دو ہیں، ایک ہی چیز جنّ بھی اور فرشتہ بھی بن سکتی ہے، ایک ہی رُوح، آپ تعجّب کریں گے، تعجّب کی کوئی بات نہیں ہے ایک ہی رُوح خیر و شر کے دونوں کام کر سکتی ہے، تو وہ جو حدودِ دین ہیں جسمِ لطیف میں ہیں بیابانوں میں رہتے ہیں اور مومنین کی مدد کیا کرتے ہیں۔ اِس فلسفے کے جاننے سے آپ کو بڑا فائدہ ہے، تو دو وجہیں ہوگئیں الگ ہونے کی، یہ تو گوشہ نشینی کی بات ہوگئی۔ تیسرا سوال ہے کہ مسلسل عبادت کیوں؟ اِس کا جواب یوں ہے کہ بعض کام ہیں کہ اُن کو آپ آرام سے انجام دے سکتے ہیں قسطوں سے، بعض کام ایسے ہیں کہ آپ اُن کو قسطوں سے انجام نہیں دے سکتے ہیں اُن کے لئے مسلسل اور پیہم کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً کسی چیز کو جو بہت ہی وزنی ہے اُٹھانا ہے تو آپ ایسا نہیں کریں گے کہ اُٹھائیں گے پھر رکھیں گے اُٹھائیں گے پھر رکھیں گے، ایسا نہیں ایک ہی ساتھ زور دیں گے اور ایک ہی ساتھ مشقّت کر کے اُس کو اپنے مقام تک اُٹھانا پڑے گا ایک یہ چیز۔ دُوسری چیز کسی کو کسی چیز کو کسی مشین کو (Start) کرنا ہے اور اُس میں طاقت کی ضرورت ہے کہ وہ بجلی کی رگڑ ہو اور وہ (Start) ہو جائے، اُس کے لئے آپ ایسا نہیں کرتے ہیں کہ [اُس کو] تھوڑا سا گھمائیں پھر چھوڑیں اور درمیان میں وقت لگے اور پھر اُس میں یوں کرنا ہوتا ہے کہ اُس کو بہت زور سے گھمائیں جب تک کہ (Start) نہیں ہوتا ہے، دو مثالیں۔ تیسری مثال یہ ہے کہ کسی کشتی میں پانی بھر رہا ہے ایسا نہیں ہے کہ آپ یعنی کہ آج تھوڑا سا [پانی] نکالیں اور کل تھوڑا سا نکالیں پرسوں نکالیں اِس کا فائدہ نہیں ہے، اور جو آپ درمیان میں وقفہ چھوڑیں گے تو اُس میں پانی اور بھرے گا، تو یہ آپ کی جو مشقّت ہے فضول جائے گی، رائیگاں جائے گی، اِس میں یوں کرنا پڑے گا کہ آپ کوشش کریں اور بہت ہی جلدی جلدی سے اُس کو نکالیں تا کہ وہ خالی ہو جائے یہ تیسری مثال ہے۔ چوتھی مثال یہ ہے کہ ایک رسّی لٹکی ہوئی ہے، اُس رسّی سے آپ کو چڑھنا ہے، اُس میں آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ دو گز آپ بلند ہو جائیں پھر واپس آ کر زمین پر لیٹیں اور تھوڑا آرام کریں اور پھر چڑھیں چار گز بلند ہو جائیں اور پھر زمین پر آئیں اور پھر تھوڑا آرام کریں کھائیں پئیں پھر چھ گز اُوپر جائیں پھر زمین پر آئیں یعنی آرام کریں اور سوئیں، اِس کوشش سے آپ کو کوئی چیز حاصل نہیں ہوگی۔

۔۔۔ یہ آپ کی اُن عبادتوں کی مثالیں ہیں جو وقفہ وقفہ سے کرتے ہیں۔ ہاں! ٹھیک ہے! قیامت کے دن اِن تمام چیزوں کا بدلہ آپ کو ملے گا لیکن دُنیا میں اِس سے کوئی ترقّی نہیں ہوگی، آپ کا جو کام ہے وہ التوا میں پڑے گا، آپ کو دُنیا میں ترقّی کرنی ہے اور چھلانگ لگانی ہے تو چھلانگ لگانا اور ہے اور آہستہ چلنا اور ہے۔ اُس میں آپ اپنی ساری طاقت کو مرکوز کریں اور بس ایک زور لگائیں، بھلے جتنی محنت ہو اُٹھائیں جتنی مشقّت ہو اُٹھائیں، لیکن چھلانگ لگائیں تو یہ اعتکاف جو

ہے ایک چھلانگ لگانے کی طرح ہے اور بیک وقت رسّی سے چڑھنے کی طرح ہے اور کشتی سے پانی نکالنے کی طرح ہے، اور کسی وزنی چیز کو اٹھانے کی طرح ہے اور بھی مثالیں ہوسکتی ہیں، تو یہ ہوا دُنیا کے اندر دو طرح سے کاموں کو انجام دیا جاتا ہے ایک کام کو قسطوں میں اور دُوسرا جو کام ہے وہ بالکل بیک وقت اور اسی وقت۔ دشمن سے مُٹھ بھیڑ [یا] لڑائی ہے، جہاد ہے تو آپ اُس کو قسطوں میں نہیں کرسکتے ہیں، کسی کو گرانا ہے تو قسطوں میں نہیں کرسکتے ہیں وقفہ وقفہ سے نہیں ہوتا ہے، وہ جتنا زور ہے وہ لگائیں اور کام کریں ختم، یہ اعتکاف اِس لئے ہے کہ ساری طاقت کو لگائیں اور کامیابی کی کوئی منزل حاصل کریں۔ دیکھا آپ نے پُرزور عبادت اور پُرزور عبادت کا اُس میں مظاہرہ ہوتا ہے اور اِس کی مدّت جو ہے وہ چالیس دن ہے۔ لہٰذا حضورِ اکرمؐ نے غارِ حرا کے اندر عبادت و بندگی کی، سکون سے کسی کی مداخلت کے بغیر، ہاں! ایک بات پھر یہ ہے آپ کو معلوم ہے کہ انسان کے اندر جو عبادت کی صلاحیت ہے وہ اُس وقت زیادہ اُجاگر ہوجاتی ہے جب کہ یہ خوف اور تکلیف اور مشقّت میں مبتلا ہوجائے اور راحت وسکون میں اِس کی عبادت نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا بیابان اور جنگل جو ہے وحشت اور خوف کا بھی ایک ذریعہ ہے اِس میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہاں پر ٹھیک ٹھیک عبادت ہوتی ہے اور خدا کو سکون سے مکمّل توجّہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ بہرحال اِس میں کئی حکمتیں ہیں، تو آنحضرتؐ نے اپنے اعتکاف کو مکمّل کیا۔

اب یہ وجہ کہ اگر اِس قسم کے اعتکاف میں فائدہ ہی فائدہ ہے تو کیا ہم کو ایسے اعتکاف کرنے چاہئیں یا نہیں کرنا چاہئیں یہ سوال ہے۔ دیکھئے کوئی ایسا اتفاقاً موقع ہو تو بات الگ ہے لیکن اہتمام سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ دین کے اندر ہر بات ہر کام اجازت سے ہوتا ہے، لہٰذا اِس کی اجازت نہیں ہے اور پھر اجازت میں بھی کوئی فلسفہ ہونا چاہئے، کوئی وجہ ہونی چاہئے معقول وجہ ہونی چاہئے، وہ معقول وجہ یہ ہے کہ بے شک اُن حضرات نے اِس طرح سے اعتکاف کیا اچھا کیا وہ ابتدائی وقت بھی تھا اور اُس میں کچھ صورتِ حال بھی ایسی تھی۔ اُن حضرات کے لئے جو ابتدا میں جو اُن کی نبوّت کا صحیح طور سے پرچار نہیں ہوا تھا تو ایسا اچھا سلجھا ہوا معاشرہ کہاں تھا؟ عبادت خانہ کہاں تھا؟ مسجد کہاں تھی؟ ایسے بہت سارے اچھے اوصاف والے مومنین کہاں تھے؟ اگر آنحضرتؐ اِس طرح سے عبادت نہیں کرتے تو اپنے گھر میں کرتے اپنے مقام پر کرتے تو اُس کے لئے ایک ایسا ماحول نہیں تھا جو بعد میں پیدا ہوا، ایسی سوسائٹی نہیں تھی، ایسی محفل نہیں تھی، ایسے مومنین نہیں تھے۔ لہٰذا اِس کی وجہ تھی جس کے لئے اور اِس کے علاوہ اور بھی تاویلیں ہیں اور بھی تاویلیں ہیں، اُن میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ دیکھئے پہاڑ یہ ہے، پہاڑ یہ ہے انفرادی عبادت میں جب آپ بندگی، عبادت کریں گے تو آپ کا جو ذکر ہے یہاں سے اُٹھے گا اور یہاں آئے گا، اِس بائیں کان میں آئے گا پھر اِس کے بعد یہاں آئے گا پھر اِس کے بعد یہاں آئے گا، تو یہ آپ کا کوہِ طور ہے اور یہ آپ کا غارِ حرا ہے، تو پیغمبروں کو بھی کوئی ایسا کام کرنا چاہئے کہ جس کے پس منظر میں تاویل ہو اور مُریدوں کو اُس میں علامت ونشان ہو، تو اِس میں تاویل یہ ہے، اور رسولِ اکرمؐ بعد کے زمانے

میں اِس قسم کا اعتکاف نہیں کرتے تھے بلکہ مسجد میں یا اپنے حجرۂ مبارک میں شب بیداری کرتے تھے عبادت کرتے تھے، تو ہم کو اُس پر عمل کرنا چاہئے جو آنحضرتؐ نے بعد کے وقت میں پیش کیا اور آخری وقت میں وہ ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے اور اُس سے ہم مثال لے سکتے ہیں، بیان کر سکتے ہیں لیکن واجب العمل نہیں ہے اور کہیں اگر اتفاق سے ایسی کوئی بات ہوئی تو اُس میں اعتراض نہیں ہے۔

اب ہم جو اسماعیلی ہیں ہمارے لئے کوہِ طور جماعت خانہ ہے اور ہمارے لئے غارِ حرا جماعت خانہ ہے یہ صاف بات ہے اور حقیقت ہے، اِس لئے کہ وہاں جو تقدّس ہے، وہاں جو افراد ہیں اور اُن کی رُوحوں کے اندر جو فضیلت ہے، اور اِن کے علاوہ بھی جو جماعت خانے کے اندر پاک اور مقدّس رُوحیں آتی ہیں اور سب سے بڑی چیز جو امامؑ کا نور ہے تو کہیں نہیں ہے اور اِس کے علاوہ مومنین کی آبادی بھی اِس بات میں ہے کہ وہ صاحبِ امر کے امر کے مطابق کام کریں، عمل کریں۔ لہٰذا ہمیں جماعت خانے کی عبادت بہت ہی ضروری ہے۔ اب رہا کہ ابھی ابھی ہم نے مثالیں دیں کہ پُر زور عبادت، ہاں! جماعت خانے میں مجموعی طور پر یہ جو ستاڑے مقرّر ہیں یہ ایک طرح سے اعتکاف ہے اور اگر صحیح معنوں میں اور صحیح طرح سے دُرست طریقے سے یہ ستاڑے انجام دیئے جاتے ہیں تو یہ چھوٹا سا اعتکاف ہے جو سات دن کا ہے، یہ بجائے خود ایک اجتماعی اعتکاف ہے۔ اِس کے علاوہ بھی میں آپ کو ایک مشورہ دیتا ہوں وہ مشورہ کچھ ایسا نہیں ہے کہ آپ کسی اور جگہ میں چلے جائیں، دیکھیں کہ سختی کے ساتھ عبادت و بندگی کرنے کے لئے آپ جب کہ آپ نے اِن مثالوں سے سمجھ لیا کہ ترقّی کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے بھرپور طاقت کے ساتھ، کیونکہ یہ جو نفس ہے اِس قدر قوی ہے کہ اِس کو ہم نے اژدھے کی شکل دی ہے، اِس کو شکست دینا اِس کو ہلاک کرنا قتل کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جب تک یہ قتل نہیں ہوتا ہے تو رستہ جو ہے وہ صاف نہیں ہے وہ رستہ میں ہے، پیر ناصرِ خسروؒ کے مطابق وہ خزانہ ہے جو خدا کی خدائی اور خدا کی صفات کا خزانہ ہے اور رستے میں یہ [نفس] اژدھا ہے، ہم ہر بار کوشش کرتے ہیں کہ اُس خزانے تک جائیں اور اُس کو حاصل کریں لیکن رستے میں چونکہ اژدھا ہے وہ ہم کو نہیں چھوڑتا ہے اور ہر روز ہم شکست کھا کر لوٹتے ہیں۔ لہٰذا جب تک ہم نفس کو شکست نہیں دیں گے تو وہ جو معرفت کا خزانہ ہے جو خدا کا خزانہ ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔

اِس لئے مشورہ یہ ہے کہ آپ معمول کے مطابق جو عبادت و بندگی کرتے ہیں جو اجتماعی رُسومات ہیں اُن کو بحال رکھیں، اُس میں ذرا بھی فرق نہیں لیکن اِس کے علاوہ چپکے چپکے ذاتی طور پر ایک پروگرام بنائیں۔ وہ پروگرام پہلے پہل مشق کے طور پر صرف ایک دن کا بنائیں، پہلے آپ خفیہ طور پر ایک (List) بنائیں کہ آپ میں کیا کیا کمزوریاں ہیں، صوفی لوگ ایسا کرتے ہیں۔ کیا آپ دن میں زیادہ بولتے ہیں یا زیادہ ہنستے ہیں یا لوگوں کی غیبت کرتے ہیں، کس طرح دیکھتے ہیں کس طرح سے سنتے ہیں کس طرح سے چلتے ہیں کیا کرتے ہیں کیسے کھاتے ہیں کتنی عبادت کرتے ہیں دل میں کیسے خیالات

گزرتے ہیں، اِن چیزوں کو (Check-up) کریں، (Check-up) کرنے کے بعد اپنی عادتوں میں سے دس (۱۰)، بارہ (۱۲)، پندرہ (۱۵)، بیس (۲۰)، تیس (۳۰) کو ٹارگٹ کریں، دن کے لئے۔ ٹارگٹ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ دائم الذّکر ہو جائیے، یہ تہیّہ کرلیں کہ دن بھر آپ زیادہ سے زیادہ خدا کے نام کو جانچیں گے، زیادہ سے زیادہ ذکر کریں گے یعنی ذکرِ کثیر یا دائم الذّکر کی کیفیت کو اختیار کریں گے، یہ عہد کریں اور چوبیس گھنٹے کا پروگرام بنائیں، اُس میں سوسائٹی سے ملنے جلنے میں بھی اعتدال سے کام لیں اور اپنے جو جائز کام ہیں اُن کو کریں خاموشی سے اور تفریح، سیر جو کچھ یعنی ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ سننے کے جو [کام] ہیں اُس میں بھی محدود ہو جائیں اور کافی اُس میں آپ رُوح کے لئے گنجائش رکھیں، کھانے پینے میں بھی محتاط ہو جائیں، نیند میں بھی محتاط ہو جائیں، ہر چیز میں محتاط ہو جائیں، کہیں کہ آج میں نے ایک دن کے لئے اعتکاف اختیار کیا ہے وہ کسی کو پتا نہ ہو، ایک دن کا اعتکاف، لیکن ایسا نہیں کہ آپ برائے نام نہیں کرنا صحیح معنوں میں اعتکاف کرنا ہے، اُس میں صحیح وقت پر عبادت میں شرکت کریں، جماعت خانہ جائیں لیکن دن بھر زیادہ سے زیادہ خدا کے نام کو لیں زیادہ سے زیادہ ذکر کریں۔ دیکھیں کہ اِس کا جو (Result) ہے، صبح کی عبادت میں یا خواب میں یا بیداری میں یا آپ کی گفتگو میں، آپ کے چلنے میں بولنے میں کس طرح (Result) نکلتا ہے، اگر کوئی (Result) نکلتا ہے تو اچھا، نہیں نکلتا ہے تو بھی اچھا، نہیں نکلتا ہے اِس لئے اچھا کہ آپ کو چاہئے کہ نئے سرے سے اِس کو (Check-up) کریں، آپ نے اچھا پروگرام نہیں بنایا تھا، آپ نے سطحی سطحی کام کیا، کیسے ممکن ہے کہ اعتکاف کا کوئی نتیجہ نہ ہو اور دن بھر آپ خدا کو پکاریں اور وہ نہ سُنے یا آپ نے اچھی طرح سے کام نہیں کیا ہے یا آپ نے اُن چیزوں کو (Target) نہیں کیا ہے جو آپ کے اندر تھیں یا یہ کہ آپ نے اچھے ذکر کو اچھے طریقے سے ادا نہیں کیا پھر دوبارہ کریں، جب تک کوئی (Result) نہیں دیتا ہے، تو آپ اِس کو [آگے] نہ بڑھائیں، کوئی اچھا (Result) دیتا ہے تو پھر درمیان میں وقفہ کریں، درمیان میں وقفہ کر کے ہفتے کے بعد مہینہ کے بعد پھر آپ دُوسری (Term) میں دو دن کا رکھیں، اِس کو کامیاب کریں، پھر درمیان میں وقفہ کریں اور تیسری دفعہ آپ اُس کو تین دنوں کو اعتکاف رکھیں اِس طرح کرتے کرتے سات دن کا اعتکاف رکھیں، اُس اعتکاف میں آپ اپنے اُوپر بہت ساری پابندیاں رکھیں، اور اگر اُس میں کوئی نتیجہ ہے تو پھر آپ کو عبادت و تقویٰ کی طرف زیادہ سے زیادہ توجّہ دینی ہوگی، جب آپ مانیں گے کہ اُس کے اندر معجزہ ہے اِس طرح آپ تجربہ کر سکتے ہیں اور اسی طرح آپ اپنے مقام پر ہی اعتکاف کر سکتے ہیں اور کسی مقام میں نہیں لیکن جماعت خانے کی حاضری میں باقاعدگی ہو۔۔۔۔۔

ٹائپنگ: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی (ق س) کا پُرحکمت بیان

عنوان: بہشت کی شناخت، خدا کی زبان

کیسٹ نمبر: ۳۶   تاریخ: ۹ر جنوری ر ۱۹۸۱، کراچی

Click here for Audio

آیاتِ خداوندی کے مقام تین ہیں۔ آیات، معجزات کے معنی میں بھی اور آیات نشانیوں کے معنی میں بھی [ہیں] تو آیاتِ خداوندی کے تین مقامات ہیں۔ سب سے پہلے قرآن ہی کو لیجئے، کیونکہ یہ ذکر بھی قرآن میں ہے جس میں آیاتِ خداوندی ہیں، اور دُوسرا مقام آیاتِ خداوندی کا آفاق ہے معنی (Universe) کائنات، یہ دُنیائے ظاہر، اور تیسرا مقام ''اَنفُس'' ہے یہ لفظ ''نَفس'' کی جمع ہے یعنی نفوسِ انسانی، یہ تیسرا مقام ہے جس میں آیاتِ خداوندی پائی جاتی ہیں (۴۱:۵۳)۔ میں نے کہا تھا کہ آیات معجزات کے معنی میں بھی اور نشانیوں کے معنی میں بھی، کہ وہی معجزات، نشانیاں بھی ہیں۔ قرآن نے آیاتِ خداوندی میں غور و فکر کی دعوت دی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ جہاں خداوندِ عالم نے اپنی آیات میں غور کرنے کے لئے دعوت دی ہے اُس میں ہمیں یہ سوچنا چاہئے، ہمارے پاس کوئی کسوٹی ہونی چاہئے، کوئی معیار ہونا چاہئے یا کوئی حد ہونی چاہئے یا کوئی سطح ہونی چاہئے کہ اُس سے ہم آیاتِ خداوندی میں غور کریں۔ عام طور پر لوگ خیال ہی نہیں کرتے ہیں کہ بس خدا نے دعوت دی ہے، دعوتِ فکر دی ہے قرآن میں اور آفاق و انفس میں غور کرنے کے لئے، تو اتنا ہی سوچتے ہیں اور جو ہو سکے تو تھوڑا بہت اور بھی کرتے ہیں لیکن جاننا چاہئے کہ اس کی سطحیں کم سے کم کتنی ہیں یا اِس کے مدارج کتنے ہیں۔ ہمارے نزدیک اِس غور و فکر کے لئے دو سطحیں ہیں ایک عام سطح ہے جس سے کہ لوگ اپنی بساط کے مطابق غور و فکر کر سکتے ہیں، اور دُوسری سطح جو ہے وہ خاص ہے وہ یہ کہ حصولِ رُوحانیت کے بعد سوچا جائے۔ حصولِ رُوحانیت کے بعد سوچنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ آپ تو یہ خیال کریں گے کہ بس حصولِ رُوحانیت کے بعد سب کچھ ہو گیا، یہ بات نہیں ہے۔ حصولِ رُوحانیت سب سے پہلے تنزیل کی صورت میں ہوتی ہے اور تاویل کی صورت بعد میں بنتی ہے، یعنی اگر کسی خوش نصیب مومن کو رُوحانیت حاصل ہوتی ہے اور وہ رُوحانیت کے (Miracle) سے گزرتا ہے اور رُوحانیت کے مقامات کو دیکھتا ہے تو وہ مقامات اور وہ واقعات یا کہ (Miracles) ایسے ہیں کہ ایک دم سے اُن کی گہرائی میں نہیں جا سکتا ہے گو کہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے اور دیکھ پاتا ہے، لیکن تاویل کی گہرائی تک اس کی رسائی نہیں ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ اُن معجزات اور واقعات کی گہرائی میں جانے کے لئے ہمّت و توفیق ملتی ہے۔ اسی دُوسرے مرحلے کی مدد سے وہ قرآن

کی حکمت میں بھی غور کرسکتا ہے، اپنی ذات میں بھی دوبارہ غور کرسکتا ہے، اور اِس کائناتِ ظاہر کی آیات میں بھی غور کرسکتا ہے اِس لئے یہ خاص جو سطح ہے کا تعیّن بعد میں ہوتا ہے۔ تو اِس لئے کہا گیا ہے کہ کائنات میں غور کرنے کی جو اعلیٰ سے اعلیٰ سطح ہے وہ یہی [ہے] کہ حصولِ رُوحانیت کے بعد اِس کائنات میں سوچا جائے، تاکہ آفاق و انفس، اور قرآن کی آیتوں کو ملائیں اور اُس سے نتیجہ اخذ کریں، یہ بات قابلِ غور ہے اِس لئے میں نے دوبارہ اِس کی طرف آپ کو توجّہ دلانے کی کوشش کی۔

اِس کے بعد یہاں پر ایک خاص بات ہے دُنیا کی کوئی زبان خدا کی زبان قرار نہیں پاسکتی ہے، کوئی زبان خدا کی زبان نہیں ہے، لیکن اِس کے باوجود خداوندِ عالم جب کسی سے کلام کرنا چاہے تو اُسی شخص کی زبان میں کلام کرتا ہے۔ دُنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے تو اُن کے لئے کوئی مشترکہ اور مخصوص زبان نہیں تھی، اُن کو جو کچھ فرمایا گیا وہ اُن کی قومی زبان میں تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ اللہ رَبُّ الْعِزَّت جو قادر و توانا ہے، وہ ہر کسی سے اُس کی مادری زبان میں یا کہ اُس کی قومی زبان میں یا اُس زبان میں جسے وہ استعمال کرتا ہے ہم کلام ہوتا ہے۔ اب یہاں ہر ایک قرآنی سوال آپ کے سامنے لاؤں گا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (۱۴:۴)۔ یہاں پر ایک بہت بڑا (Problem) ہے، ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اُس کی قومی زبان میں۔ اب اِس سلسلے میں مسلم قوم کے بارے میں سوچیں تو اِس قوم کے اندر کوئی ایک زبان نہیں ہے، کوئی فارسی بولتا ہے تو کوئی عربی بولتا ہے، کوئی سندھی بولتا ہے کوئی اُردو بولتا ہے، اور یہاں تک کہ تقریباً دُنیا کی تمام زبانوں میں مسلم پائے جاتے ہیں، لیکن مسلمانوں کی کوئی مشترکہ زبان نہیں ہے۔ اب اِس آیت کے معنی کو موجودہ صورتحال جو مسلمانوں کی ہے اُس کے ساتھ کس طرح (Adjust) کریں؟ جو خدا نے ارشاد فرمایا کہ: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (۱۴:۴)۔ ہم نے کسی بھی پیغمبر کو سوائے اُس کی قومی زبان کے نہیں بھیجا اور جس کسی کو بھی بھیجا تو اُس کی قومی زبان میں بھیجا، اِس صورت میں یا تو یہ بات بالکل عرب والوں کے ساتھ مخصوص اور محدود ہو کر رہ گئی یا اِس کے اندر کوئی تاویل ہونی چاہئے تاکہ جس سے ہم کو اِس مسئلے کا حل ملے، تو اِس سلسلے میں یہ ہے کہ اِس کا جواب تاویل سے ملے گا، وہ یہ کہ آنحضرتؐ پر جو جبرائیل نازل ہوا، تو اُس نے عربی میں بات کی چونکہ آنحضرتؐ کی اپنی زبان عربی تھی اور پھر دعوتِ حق کے سلسلے میں دُنیا کے اندر جو اسلام پھیلایا گیا، جو حق کی بات پہنچائی گئی، جو ہمارے بزرگوں نے، پیروں نے، داعیوں نے دعوت کی تو انہوں نے اسی زبان، اسی دعوت کی تشریح کی اور وہ رسولؐ کی زبان بن کر اسی پیغام کو اُن تک پہنچایا۔ ایک طرح سے اِس سوال کا جواب یہ ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے پیر بزرگ جو آئے تو وہ ہر علاقے کی زبان میں آئے، اور انہوں نے اُن لوگوں کی اپنی زبان میں خدا کا (Message) رسولؐ اور امامؑ کی طرف سے پہنچایا، اور اِس کے علاوہ ہمارے بزرگوں نے جو رُوحانی طور پر اصل سے (Approach) کیا جو پیغمبر کے نور سے، امامؑ کے نور سے رسائی کی تو اُس وقت اُن کو رُوحانی جو گفتگو ہوتی تھی وہ اُن کی اپنی زبان میں ہوتی تھی، عربی میں نہیں، فارسی میں نہیں کسی اور زبان

میں نہیں بلکہ اُن کی اپنی زبان میں، اور آپ ماشاء اللہ آگے چل کر جب رُوحانیت میں کامیاب ہو جائیں گے، اور جب آپ سے خدا ہم کلام ہو جائے گا جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے، تو اُس وقت بھی وہی (Message) آپ کو دیا جائے گا جو آنحضرتؐ پر مُلکِ عرب میں نازل ہوا تھا۔ وہ اِس طرح سے رکھا ہوا ہے آپ کے لئے تو گویا کہ آپ سے جو طاقت بولنے لگے گی جو نور آپ سے ہم کلام ہو جائے گا وہ ایک طرح سے رسولؐ ہیں وہ آپ کو اِسی آیت کے مطابق: وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ (۱۴:۴) اور (Real Message) اور (Fact) جو آپ کو پہنچنا چاہئے وہ رُوحانیت میں پہنچے گا، اور اِس معنی میں رسولؐ سب لوگوں کو خدا کا (Message) اُن کی زبان میں پہنچا سکتا ہیں، رسولؐ کہئے یا نور کہئے یا رُوحانیت کہئے یا امامؑ کہئے، تو وہ جب اپنے اُس (Message) کو لینے کے لئے آپ رُوحانیت میں آگے بڑھیں گے اور اصل مقام پر پہنچیں گے، رسائی کریں گے تو رسولؐ کو سُننے لگیں گے، تو اُس وقت آپ کو رسولؐ آپ کی زبان میں خدا کا (Message) بتائے گا۔

تو رسول کے معنی ذرا تشریح طلب ہیں، بظاہر محدود ہیں لیکن بباطن یہ ذرا وسیع ہے، رسول کے معنی اُس فرشتے کو بھی کہا جاتا ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے، یہ قرآن کی بات ہے (۴۲:۵۱)۔ سب سے پہلے رسول دو قسم کے ہوتے ہیں ایک یہ کہ یعنی فرشتوں میں، اور اُس کے بعد پھر انسانوں میں سے مثلاً (Literal Meaning) میں جبرائیل، رسول تھے معنی ایلچی، (Messenger) کہاں سے؟ خدا کے حضور سے، کس کی طرف؟ آنحضرتؐ کی طرف اور آنحضرتؐ (Messenger) تھے لوگوں کے لئے، تو اِس معنی میں رسول کا اطلاق یا کہ لفظِ رسول کا استعمال فرشتوں کے لئے بھی ہوتا ہے، اور آپ تعجّب کریں گے اور تواریخ کی کتابوں کو، اسلامیات کو پڑھ کے کہ رسول کے بھی رسول ہوتے ہیں وہ اصطلاحی (Sense) نہیں (Literal Meaning) میں، مثلاً آنحضرتؐ نے اپنے زمانے میں جن جن ایلچیوں کو اِدھر اُدھر تبلیغِ اسلام کی غرض سے بھیجا وہ بھی (Literal Meaning) میں رسول کہلاتے تھے یعنی عربی میں ایلچی کو [رسول کہتے ہیں]، تو اسی طرح کیا یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ ہمارے جو پیروں نے داعیوں نے جو دعوت کی وہ دینِ حق کی طرف سے ایلچی نہیں تھے؟ ایک طرح سے یہ اِس کی (Meaning) کا اُن کے ساتھ (Touch) ہوتا ہے، مگر (Literal Meaning) میں اصطلاحی طور پر رسول ایک ہی ہے، اُردو اور فارسی ادب میں "پیامبر" کا جو لفظ ہے اُس کو ذرا تبدیل کر کے استعمال کرتے ہیں لوگ "پیامبر" اور حالانکہ یہ وہی لفظ ہے پیغام بر اور اِس کو مختصر کریں تو پیغمبر اور بعض دفعہ پیغام اور پیام دونوں لفظ ایک ہیں کبھی پیام کہا جاتا ہے اور کبھی پیغام کہا جاتا ہے، تو اسی کو کبھی پیامبر کہتے ہیں تو کبھی کہتے ہیں پیغام بر، ذرا تفاوت رکھنے کے لئے پیامبر کہتے ہیں، تو مطلب لفظی طور پر اِس کا یہ ہوتا ہے کہ پیغام لے جانے والا (Message) لینے والا لیکن اصطلاحی طور پر اِس میں (Restriction) ہے، پابندی ہے کہ اُس (Sense) میں اِس کو (Use) نہیں کرنا چاہئے یعنی پیغامبر، پیغمبر یا کہ رسول، آنحضرت۔

بہر حال یہ کہنا ہے کہ خدا کی زبان جو ہے وہ دُنیا کی کوئی زبان خدا کی زبان نہیں ہے، اور دُوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ خدا کی جو زبان ہے وہ تاویلی زبان ہے یا کہنا چاہئے کہ حکمت کی زبان ہے یا کہنا چاہئے کہ (Symbolical Language) ہے، وہ اِشاروں سے، آگے چل کر اِس کا (Proof) پیش کرتا ہے کہ قرآنِ مقدّس کی ایک آیت کے اندر یہ ذکر آیا ہے کہ خدا انسانوں سے کس طرح ہم کلام ہوتا ہے، اُس کے بڑے تین طریقے بتاتے گئے ہیں، ایک یہ کہ سب سے اعلیٰ درجے پر خدا کا ظہور ہوتا ہے، آپ پوچھ لینا یا آپ کے پوچھے بغیر میں خود اِس کی کچھ تشریح کروں گا کہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا کا ظہور ہوتا ہے۔ اُس کے نچلے درجے میں حجاب کے پیچھے سے کلام ہوتا ہے، جیسے موسیٰؑ سے کلام ہوا، جیسے معراج کے ایک مرحلے پر آنحضرتؐ سے کلام ہوا جو معراج کے قصّے میں یہ ذکر ہے کہ خداوندِ عالم نے حجاب کے پیچھے سے بات کی، یہ اُوپر سے 2nd ہے۔ اُس کے بعد خدا کا جو کلام ہے وہ بلواسطہ ہوتا ہے، یہ (Indirect) یعنی دُوسرے کے ذریعے سے، جبرائیل کے ذریعے سے، یہ 3rd ہے لیکن قرآن میں اُوپر سے نیچے کا ذکر ہے، یہ صحیح ہے کہ اُوپر سے نیچے کا ذکر ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ: کسی انسان کے لئے یہ لائق نہیں ہے کہ خدا اُس سے ہم کلام ہو جائے مگر اِشارے سے یا حجاب کے پیچھے سے یا کوئی رسول بھیجے یعنی فرشتہ جو کہ خدا کی مرضی کے مطابق وہ وحی کرے (۴۲:۵۱)۔ اِس میں اِن تین درجات کا ذکر ہے، تو اِس سے معلوم ہوا کہ خدا کا جو کلام ہے وہ بہت ممکن ہے لیکن پیغمبری کا جو مرتبہ ہے وہ تو صحیح ہے، الگ ہے، مگر خدا کا انسانوں سے بولنا بہت ممکن ہے اور ایک آیت ایسی بھی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ خداوندِ عالم قیامت کے دن کچھ لوگوں سے بولے گا، کچھ لوگوں سے کلام نہیں کرے گا (۳:۷۷)۔ تو بالکل واضح ہے اور سب لوگ مانتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ لوگوں سے ہم کلام ہو جائے گا لیکن اگر قیامت پیشگی طور پر آئے تو اور قیامت اگر رُوحانیت کا نام ہو تو اِس سے لازمی طور پر اللہ کا انسانوں سے ہم کلام ہونا ثابت ہے۔

بہر حال اِس میں حکمت کی تعریف کی گئی ہے کہ حکمت یا کہ اشارہ جو ہے بہت ہی اعلیٰ چیز ہے، اور خدا کی اگر کوئی زبان ہے تو وہ بس حکمت کی زبان ہے (Symbolical Language) خدا کی (Language) ہے جو اِشارات پر مبنی ہے، تو اِس کے بعد کہا گیا ہے کہ اِن تین درجوں میں جن سے کہ اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے، سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اُس میں صرف ایک قول ہوتا ہے یعنی ایک کلمہ ہوتا ہے اور ایک اشارہ ہوتا ہے بس اِس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ کیوں؟ چونکہ خدا ایک ہے اور ایک کے باوجود وہ کافی ہے خالقیت کے لئے، ربوبیت کے لئے، معبود ہونے کے لئے، اور سب کچھ کرنے کے لئے، اسی طرح وہ اِس بات پر بھی قادر ہے کہ ایک ہی قول میں یا ایک ہی کلمے کے اندر ساری چیزیں سمو دے، ساری چیزیں سمو دے اور ایک ہی اشارے میں تمام اشارے سمو دے، تمام باتیں، تمام علم و حکمت ایک ہی کلمے میں آوے اور ایک ہی اشارے میں سمو جائیں۔ جس طرح کہ سورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا ہے کہ: اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰہُ

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (۱۴:۲۴) ۔کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے ایک پاکیزہ مثال کی تشبیہ کس طرح دی ہے، ایک پاکیزہ کلمے کی طرح، کہ وہ پاک کلمہ اتنے وسیع معنی رکھتا ہے کہ وہ گویا ایک پاک درخت کی طرح ہے، ایک ایسے درخت کی طرح جو ہر وقت پھل لاتا ہے، پھل دیتا ہے۔ اُس پر کبھی خزاں کا موسم گزرتا نہیں ہے، تو یہاں پر اُس ایک کلمے کی تعریف ہے کہ اُس میں سے ہمیشہ علم و حکمت کے سوتے نکلتے رہتے ہیں۔ ہمارے بزرگانِ دین نے اِس کو ''کلمۂ باری'' کہا ہے اور اِس کی ایک تشریح ''کُن'' سے دی ہے، یہ ''کُن'' سے بھی عبارت ہے اور ''کُن'' وہ امر ہے جس سے کائنات کو پیدا کیا گیا ہے اور ''کُن'' وہ مقام ہے جو عقل سے بھی برتر ہے، تو یہ وہ کلمہ ہے اور اِس کلمے میں اور ایک ہی اشارے میں اللہ سب کچھ وحی کرتا ہے، اشارہ کرتا ہے۔ اِس کے بعد دُوسرا درجہ حجاب کے پیچھے سے کلام کرنے کا ہے اور اِس کا ذکر قصّۂ معراج میں اور موسیٰ علیہ السّلام کے تذکرے میں آتا ہے کہ اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا اور ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ نوّے ہزار باتیں کی تھیں خداوندِ عالم نے اپنے رسولؐ سے معراج کے موقع پر، نوّے ہزار کلمات، تو یعنی پردے کے پیچھے سے جو کلام ہوتا ہے وہ یہ ہے۔ اِس کے بعد کسی رسول کے ذریعے سے بات کرنے کی۔

اِن تینوں مقامات کے دو دو پہلو بتائے گئے ہیں۔ ایک اشارے کا پہلو، ایک کلام کا پہلو، اشارے سے مُراد حکمت، اشارے سے مُراد وحی۔ اسی (Sense) میں قرآن کے بھی دو نام ہیں ویسے قرآن کے بہت نام ہیں، لیکن اُن بہت سے ناموں میں یہ دو نام بھی ہیں، ایک قرآن کو وحی کہا جاتا ہے وحی کا مطلب (Literal Meaning) اِشارہ، یہ اِشارے سے ہے، اِشارے سے بنا ہے اور ایک کلام، تو یہ کلام سے ہے، تو اِس کے اندر کلام یعنی گفتگو کا پہلو بھی ہے اور اِشارے کا پہلو بھی ہے جس طرح کہ خدا کے انسانوں سے کلام کرنے کے اِن تین درجات پر یہ دو دو پہلو پائے جاتے ہیں، سب سے اُونچے درجے میں دو پہلو ہیں، اِشارے کا پہلو، کلام کا پہلو۔ اِشارے میں ایک اِشارہ اور کلام کے سلسلے میں صرف ایک ہی کلمہ اور دُوسرا پردے کے پیچھے سے بھی جو کلام ہوتا ہے اُس کے بھی دو پہلو ہیں کہ اُس میں واضح کلام بھی ہے اور اِشارہ بھی ہے، اِس کے بعد جو فرشتہ کلام کرتا ہے اُس میں بھی دو پہلو ہیں، وہ اشاروں سے بھی کام لیتا ہے اور پھر واضح کلام بھی کرتا ہے۔ اب آتا ہے ایک رُوحانی واقعہ کا ذکر یہ بہت دلچسپ بات ہے۔ یہ آپ کا اُستاد کہتا ہے کہ ایک دفعہ چین میں ایسا ہوا کہ عبدالاحد نامی ایک مومن تھا، وہ زار و قطار روتا تھا، بڑا اچھا مومن تھا تو وہ جماعت خانے میں آتا تھا، عبادت کرتا تھا، بہت گریہ وزاری، بہت گریہ وزاری کرتا تھا، چنانچہ ایک دن اُس کا روشن تصوّر سامنے آیا اور اِس تصوّر میں اُس نے۔۔۔

معرفت نام ہے رُوحانی مشاہدات کا، اُن معجزات کو دیکھے بغیر کیسے معرفت ہو سکتی ہے اور اُن حالات کو اُن تمام چیزوں کو دیکھے بغیر تو یہ معرفت ہے وحی نہیں ہے، وحی ایک اصطلاح کی صورت میں ہے کہ [جب] کوئی ہستی لوگوں کو دینِ

خدا سے آشنا کرنے کے لئے، لوگوں کو دعوت دینے کے لئے ایک نئی شریعت لانے کے طور پر جو ہستی ہے اُس کے لئے جو کچھ (Message) آتا ہے وہ وحی ہے اور یہ وحی نہیں ہے، معرفت ہے مگر چیز وہی ہے، چیز وہی نہ ہو اور دو چیزیں ہوں ایک اصلی اور دُوسری نقلی پھر بھی معرفت نہیں ہو سکتی ہے یہ ناممکن ہے، پھر کمی رہی۔ آپ معرفت کے (Sence) میں سمجھ سکتے ہیں کہ معرفت کس چیز کا نام ہے، معرفت رُوحانی آنکھ سے دیکھنے کا نام ہے، اور تمام احوال کو دیکھنے کا نام ہے، تو اِس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم آنحضرتؐ کو رُوحانی طور پر پہچانیں تا کہ اُس کی عظمت و بزرگی ہم کو معلوم ہو جائے۔ لوگ سطحی سطحی طور پر رسولؐ کی حُرمت و تعظیم کرنے کے دعوے کرتے ہیں لیکن آپ سوچ کر بتائیں کہ کیا رسولؐ کی نورانیت کو دیکھے اور سمجھے بغیر اور اُن کی رُوحانی شناخت کے بغیر کوئی شخص زبانی طور پر اُن کی عظمت و بزرگی کا۔۔۔۔

مذہب میں تو معرفت ہے۔ رسولؐ نے معرفت کی تعریف کی ہے گو کہ یہ معرفت، معرفتِ نفس ہو یا معرفتِ امام، معرفتِ خدا ہو یا یہ معرفتِ رسول ہو آپ جس نام سے بھی یاد کریں گے تو مضمون ایک ہی ہے یہ الگ الگ معرفتیں نہیں ہیں۔ چونکہ رُوحانیت کی بلندیوں پر یہ سارے حقائق و معارف ایک ہو جاتے ہیں، چونکہ وہ مقامِ توحید ہے، چونکہ وہ سب چیزوں [کے] اکھٹے ہونے کی جگہ ہے اِس لئے وہاں معرفتیں الگ الگ نہیں ہوتی ہیں، رُوح کی شناخت، اپنی ذات کی شناخت، امام کی شناخت، رسول کی شناخت اور خدا کی شناخت مطلب ایک ہے۔ اب ہم یہ ذکر کریں گے عبدالاحد سے آگے بڑھ کر کہ اُس میں جو اشارے ہو رہے تھے آپ اُس کو (Literal Meaning) میں وحی کہہ سکتے ہیں مگر معرفت کے طور پر، اور عبدالاحد نے جو اِس کائنات کے بہت سے ستاروں کی طرف اشارے کئے اُس کا مطلب یہ ہے کہ واقعاً اِس کائنات کے اندر بہت سی دُنیائیں ہیں، جتنے ستارے ہم دیکھتے ہیں وہ سب دُنیائیں ہیں کوئی کسی مرحلے میں ہے تو کوئی کسی مرحلے میں ہے، اب اِس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے خداوندِ عالم نے اجسامِ لطیف (Astral bodies) پیدا کئے ہیں۔ میں آپ کو عرض کروں کہ (Astral bodies) کیا ہے، قرآن میں اِس کا ذکر ہے کبھی اِس پر آرٹیکل بھی لکھنا چاہئے۔ خداوندِ عالم نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ہم نے تمہارے لئے کُرتے بنائے کہ اُن میں سے ایک کُرتا تو تم کو گرمی سے بچاتا ہے، اور ایک کُرتا تم کو جنگ سے بچاتا ہے (۱۶:۸۱)۔ آپ سوچیں! اچھی طرح سے اِس لفظ کو (Catch) کریں اور سوال کے انداز میں، تنقیدی طور پر آپ سوچیں، تنقید قرآن پر نہیں! لوگوں کی ذہنیت پر۔ کیا ایسا کوئی کُرتا ہے دُنیا میں جو ہر قسم کی گرمی سے ہم کو بچائے اور وہ بھی مسلمانوں میں؟ چونکہ یہ خطاب مسلمانوں کی طرف ہے، اور کوئی ایسا کُرتا ہے جو ہم کو اِس زمانے میں ایٹمی جنگ سے، اور دُوسرے ہتھیار سے محفوظ رکھے، کوئی نہیں ہے یا تو اِس میں یوں کہنا پڑے گا کہ یہ تو بہت پُرانی بات ہو چکی ہے اور قرآن میں جو کچھ کہا گیا تھا اِس کا اطلاق اُس زمانے پر ہو سکتا تھا اب یہ بہت پرانی کتاب ہو چکی ہے، یہ کہنا پڑے گا یا ایسا نہیں ہے وہ خدا کی کتاب ہے اُس میں حکمت ہے تو یوں کہنا پڑے گا کہ انسان کے

اِس جسم کے علاوہ دو جسم اور ہیں، کُرتے سے مُراد یہ رُوح کی قمیص، رُوح کا کُرتا اور اِن کُرتوں میں سے، اِن قمیصوں میں سے جو ادنیٰ ہے وہ یہ ہے، یہ جو جسم ہے۔ بہت ادنیٰ ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اجسامِ لطیفہ ہیں (Astral bodies) ہیں۔ دُنیا والوں نے اِس کا انکشاف کیا اور بہت سے لوگوں نے اِس کو دیکھا بھی اور اِس کے نام بھی مقرّر ہوئے (Astral body) سے مُراد یعنی فلکی جسم اور ہمارے دین میں بھی ہے "جُثّہَ ابداعیہ" اور اِس معنی میں کہ وہ "کُن فیکون" سے متعلّق ہے کہ جو چاہے وہ صورت اختیار کرے صرف کُن کے ساتھ، صرف ارادے کے ساتھ، وہ کبھی نظر آئے اور کبھی نظر نہ آئے اور کبھی کچھ ہو اور کبھی کچھ ہو، یہ چیز ہے۔

اب اگر اِس کے علاوہ دو جسم ہیں تو پھر ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ہماری جو (Second life) ہے وہ اُن دو جسموں میں ہو گی، چونکہ ہم ایسی جنّت کو نہیں چاہتے ہیں جو بالکل خواب ہی کی طرح اور بے حقیقت ہو وہ (Fact) نہ ہو، اور ہم ایسی رُوحانی زندگی کو نہیں چاہتے ہیں [جو] بالکل خواب ہی کی طرح ہو، اُس کے احساسات، اُس کے شعور بے حقیقت ہو، بلکہ ہم ایسی زندگی کو چاہتے ہیں کہ اِس سے کئی گنا زیادہ اُس میں شعور ہو، اُس میں بیداری ہو، اُس میں حقیقت ہو، اور اُس میں سب کچھ ہو، تو اِس کے لئے لطیف جسم کا ہونا صحیح ہے۔ اِس کے علاوہ ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں [اور] ابھی ابھی بات ہوئی تھی، خداوندِ عالم نے دعوت دی تھی کہ دیکھو اِس ظاہری کائنات کو بھی ذرا دیکھو، قرآن کو دیکھو، اپنے باطن کو دیکھو، ہمارا جو قانون ہے وہ تم کو ظاہر ہو گا (۵۱: ۲۰۔۲۱)، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اِس کائنات کے اندر، تو اِس کائنات کے اندر مخلوق کی ایک قسم کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری ظاہری آنکھوں کے سامنے اپنا رُوپ بدل لیتی ہے وہ مخلوق ریشم کا کیڑا ہے یا کچھ دُوسرے کیڑے ہیں جو کہ پہلے تو وہ کیڑے ہوتے ہیں اور اُس کے بعد یکا یک وہ (Change) ہو کر پرندے بن جاتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے اشارہ ہے، یہ ہمارے لئے وحی ہے، یہ حالت ہم کو زبانِ حکمت سے بتاتی ہے کہ انسان کو بھی اسی طرح سے کثیف جسم میں سے لطیف جسم میں بدل جانا ہے اچھا! تو پھر بہت سے فرمان میں بھی اشارے ہیں۔ اِس سلسلے میں ایک اور بات یہ قابلِ ذکر ہے کہ آج کل کچھ ایسی مخلوق نظر آ رہی ہے آسمان کی فضاؤں میں جس کو کچھ لوگ تو (Flying Saucers) کہتے ہیں، کچھ لوگ (U.F.O's) کہتے ہیں، (U.F.O's) کا مطلب ہے (Unrecognized Flying Object) ابھی تک جن چیزوں کی شناخت نہیں ہو سکی ہے سائنس دانوں سے اور دُنیا والوں سے وہ (Objects) وہ چیزیں۔ میں مذہب کی روشنی میں کہتا ہوں کہ وہ جسمِ لطیف ہے، اُس کے متعلّق بہت سی رپورٹیں آئیں ہیں اور بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے اور اُس کے متعلّق کتابیں لکھی ہیں اور (Articles) ہیں اور بہت ساری چیزیں ہیں، تو وہ اجسامِ لطیفہ ہیں اور دیکھ لینا! یاد رکھنا! کہ دین کے بہت سے (Miracles) سائنس کے انداز میں ظاہر ہو جائیں گے، کیوں؟ آپ پوچھیں کیوں؟ دین کے معجزات دین کے طور پر کیوں ظاہر نہیں ہوتے ہیں کہ سائنس کے طور پر ظاہر ہونا چاہتے ہیں، وہ اِس لئے کہ امامؑ کی

مصلحت یہ ہے کہ خود کو بہت دیر تک ظاہر نہ کرے اور دُنیا میں ایک ایسا انقلاب لائیں کہ اِس کے متعلّق کسی کو گمان نہیں ہو کہ یہ دین کی چیز ہے، لہٰذا (Indirectly) امامؑ دُنیا کے اندر ایک عظیم انقلاب لانا چاہتے ہیں، یہ خدائی پروگرام ہے، تو اِس میں کیا ہوگا جن لوگوں کو روایات پر فخر ہے اور جن لوگوں کا گزارہ قصّہ، کہانی سے ہے وہ تو حیران رہ جائیں گے اور اُن کی توقع کے خلاف ایسی چیزیں وقوع پذیر ہو جائیں گی اور پھر انقلاب آئے گا، تو سائنس دان نے کیا کرنا ہے؟ بس ایک محنت کرنی ہے تو اِس کا مستقل فائدہ کس طرح سے کن کو ہوگا وہ تو اُس کو معلوم نہیں ہے۔ بہر حال کچھ کائنات کی تسخیر کے سلسلے میں ایسی ایک طاقت کا انکشاف ہوگا، ذرّات کا انکشاف ہوگا اور (U.F.O's) کا انکشاف ہوگا، اور پھر اُس کے بعد ایک سیّارے سے دوسرے سیّارے پر سفر آسان ہو جائے گا، اِس کے بغیر دُوسری چیزیں ناممکن ہیں اور امام نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ ایک (Cup) چائے پینے کے لئے چاند پر جایا جائے گا اور بڑی آسانی کے ساتھ اور امام سلطان محمد شاہؑ کا ارشاد ہے کہ ستاروں میں جو ہے وہ (New Americas) بن جائیں گے اور اِس کی توقع ہے کہ اِس کائنات کے اندر دُنیاؤں کا انکشاف ہوگا اور اُن میں کس طرح رہائش کرنی چاہیئے اُس کے لئے طریقۂ کار جو ہے اُس کا انکشاف ہوگا۔ ایسی طاقتوں کا انکشاف ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ انسان جو ہے وہ ایک ایسی سائنس سے خود کو بدل لیں کہ وہ لطیف غذائیں اختیار کریں، اِس غذا کے اندر کثافت ہے، وہ جب لطیف غذائیں اپنائے گا اور اُس میں لطافت آئے گی اور رفتہ رفتہ اُس کی (Life) بدل جائے گی اور اِس کشتی سے نکل کر اُس کشتی پر سوار ہو جائے گا جس طرح دو کشتیاں جب آپس میں ملائی جاتی ہیں، تو اِس کشتی سے نکل کر اُس کشتی میں بیٹھنا آسان ہو جاتا ہے، تو جس طرح آدمی کے دو قسم کے لباس ہوتے ہیں ایک معمولی سا لباس، ایک اچھا سا لباس تو ایک لباس کو چھوڑ کر دُوسرے لباس کو اختیار کرتا ہے، اسی طرح انسان اپنی (Life) کو تبدیل کرے گا اور ایسی ایسی عجیب وغریب چیزیں ہوں گی، تو اِس کے لئے اسماعیلی مذہب کے اندر (Thinking) کے لئے کچھ ممانعت نہیں ہے، بڑے سے بڑے (Subject) پر ہم خیال کر سکتے ہیں، اور دُوسرے مذاہب میں ایسا ہے کہ کوئی مشکل مسئلہ سامنے لائے تو اُدھر سے بولنے والا کہتا ہے کہ آہ! تم نے تو کُفر کی بات کی، ایسا اُس کو مایوس کر کے اُس کو روکتا ہے اُس کے سامنے رُکاوٹ ڈالتا ہے، لیکن ہمارے مذہب میں ایسا نہیں ہے، ہم بہت آزادی سے رُوحانیت کی باتوں پر تبصرے کر سکتے ہیں، سوالات کر سکتے ہیں، سوچ سکتے ہیں اور مستقبل کے بارے میں سوچ سکتے ہیں اگر ہماری عقل تھوڑا سا کام کر سکتی ہے اور ہمارے پاس تھوڑا سا مواد ہے یا سوچنے کے لئے صلاحیت ہے تو ہم سوچ سکتے ہیں اِس کے لئے کوئی بات نہیں ہے جب کہ امامؑ نے خود ہی فرمایا کہ ستاروں میں (New Americas) ہوں گے اور جب کہ موجودہ امام نے، حاضر امام نے ارشاد فرمایا کہ چاند پر جانا جو ہے وہ آسان ہو جائے گا۔

اِس سلسلے میں ایک اور بات ہے کہ آج سائنس دان اور دُوسرے لوگ بھی یہ سوچ رہے ہیں کہ بغیر اِس کے کہ ہم

جسمانی طور پر جائیں تو دُوسرے سیّارے میں (Dissolving) کے طور پر، (Thinking) کے طور اپنا ظہور جو ہے کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اِس کے لئے سوچتے ہیں، تو ایسی ایسی چیزیں جو ہوں گی اگرچہ سائنس کی شکل میں بھی ہوں گی تو وہ رُوحانی چیز ہوگی جو سائنس کے لباس میں ہوسکتی ہے۔ اِس کے لئے عبدالاحد کا یہ کہنا یہ اشارہ صحیح تھا اور وہ ایک مومن تھا کہ اُس نے بہت خوشی اور خُرمی کے انداز میں ستاروں کی طرف اشارہ کیا، اور یہ دُرست ہے کہ لطیف جسم میں زندگی صحیح ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اِس جسم کے اندر ہم کتنی تکالیف کو برداشت کرتے ہیں کہ اِس (Blood) کے اندر اور (Blood) کی وجہ سے بہت تکلیف میں ہوتے ہیں، بیماریاں سہتے ہیں اور خوراک کے معاملے میں بہت تکالیف اُٹھاتے ہیں، لیکن جب ہم ذرّات سے (Compound) ہوں گے جو جُثّۂ ابداعیہ میں ہوں گے تو ہماری (Life) اِس سے بہت ہی پاکیزہ ہوگی اور دیکھئے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ بہشت اُن لوگوں کے لئے ہے جو کہ دُنیا میں بہشت کی شناخت حاصل کرتے ہیں یہ سورۂ محمد میں ہے (۴۷:۶)۔ یہ صحیح ہے کہ ہماری بہشت امامؑ ہے، جب ہم امام کو پہچانتے ہیں تو گویا بہشت کو پہچانتے ہیں، لیکن اِسی بنیادی پہچان کے تحت ہم بہشت کی دُوسری تفصیلات میں بھی جا سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنی مستقبل کی (Life) کو، زندگی کو سمجھیں اور خدا سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کریں تو یہ ہے کچھ باتیں (General) قسم کی جو اِس (Subject) سے متعلّق ہیں، اب اگر اِس میں کوئی سوال ہو تو آپ کر سکتے ہیں۔

دیکھیں کہ انبیاء علیہم السّلام کی سیرتِ طیّبہ یعنی اُن کا نمونۂ عمل جو ہے وہ قرآن میں مذکور اِس لئے ہے کہ ہم اُس کو بھی ذرا، ذرا نہیں [بلکہ] بنیادی طور پر پیشِ نظر رکھیں۔ حبیبِ خدا سرورِ انبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ابتدا میں عبادت کیا کرتے تھے اور اِس کے لئے دُنیا والوں سے الگ تھلگ غارِ حرا میں جا کر بیٹھتے تھے اور مسلسل عبادت کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ وہ اتنی برگزیدہ شخصیت اور ایسے باعمل اور بااخلاق کامل انسان ہونے کے باوجود کیا ضرورت تھی کہ اتنی محنت کریں اور ایسے گوشہ نشین ہو جائیں اور مُعتکِف ہو جائیں؟ اِس کا جواب دو طرح سے ہے، ایک یہ کہ حضور صلعم لوگوں کے ہادی اور رہنما تھے اور اِس میں یہ بات ضروری تھی کہ وہ اپنے عمل میں محنت کے نمونے کو جگہ دیں کہ رُوحانیت کے اعلیٰ مقامات کو حاصل کرنے کے لئے کتنی محنت درکار ہے، دُوسری بات یہ ہے کہ اگر خداوندِ عالم ہادیانِ برحق کو مفت میں رُوحانیت دے دیتے تو پھر ہم پر زیادتی ہوتی پھر ہم سے کہا جاتا کہ دیکھو تم محنت کرو اور عمل کرو۔ ایسی ہستیوں کا یوں فرمانا کتنا صحیح ہے کہ خود تو انہوں نے مفت میں وہ دولتِ لازوال حاصل کی ہے، اور ہم جیسے ناچیزوں سے کہا جاتا ہے کہ تم محنت کرو، [اگر یہ] محنت ممکن ہوتی تو وہ کر کے بتاتے اِس لئے یہ منطقی نتیجہ نکلا کہ محنت اُن کو بھی کرنا چاہئے جب ہی تو اُن کی رہنمائی صحیح ہو اور اُن کا کہنا سو فیصد صحیح ہو، اُن کے لئے محنت درکار نہ ہو اور محنت میں کچھ حکمت نہ ہو اور اُن کو خدا سے رُوحانیت مفت اور رائیگاں ہی ملے تو پھر ہم سے کہے کہ تم محنت کرو تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے مصلحتِ خداوندی کے مطابق بہت خوب محنت کی

ہے خوب محنت کی ہے، اور خدا کا جو قانون ہے [وہ] ایک ہی ہے بس غریب ہو، امیر ہو، کامل ہو، ناقص ہو، سب کے لئے۔ اِس لئے محنت انتہائی ضروری ہے تو دُوسرے انبیاء کے حالات تو زیادہ واضح نہیں ہیں، لیکن جن جن پیغمبروں کا قرآن میں ذکر آیا ہے اُن میں سے ایک تو موسیٰؑ کلیم اللہ کا ذکر ہے وہ کوہِ طور پر جایا کرتے تھے، جہاں پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے، وحی آتی تھی اور مناجات کرتے تھے اور آنحضرتؐ کا ذکر آتا ہے جو غارِ حرا میں جایا کرتے تھے، اور اِس کے علاوہ داؤدؑ کتنی محنت کرتے تھے اِس کا ذکر تو ساری زبور میں موجود ہے، اور دُوسری بات یہ ہے کہ عبادت و بندگی، اور امر و فرمان کے بجالانے کی مثال ایک رسّی کو پکڑ کر رہنے سے مثال دی گئی ہے یا رسّی پر سے چڑھنے سے تشبیہہ دی گئی ہے، کہ دیکھیں کہ اِس میں کتنی محنت کرنی پڑتی ہے گو کہ آپ میں سے ہر فرد نے یہ تجربہ نہیں کیا ہوگا کہ رسّی چڑھنے میں کتنی تکلیف ہوتی ہے لیکن اندازہ تو کر سکتے ہیں کہ دو ہاتھ ایسے کہ سارے جسم کے وزن کو ہاتھوں کے بَل اُٹھا لیا جائے، اور جسم کو لٹکایا جائے، اور اُوپر چڑھے، ظاہر ہے کہ اِس میں بہت محنت کرنی ہوگی۔ یہ بات کہاں سے پیدا ہوگئی، خدا نے ایک طرح سے مثال دی ہے کہ میں نے تم کو عالمِ سفلی سے عالمِ علوی تک، عالمِ سفلی کے اِس کنوئیں سے، تنگ و تاریک کنوئیں سے تم کو عالمِ بالا کی روشنی پر چڑھانے کے لئے میں نے رسّی ڈالی ہے، اِس کو بھرپور طاقت سے پکڑو (۳:۱۰۳)۔ خواہ ہم ہاتھوں سے اُوپر چڑھتے ہیں یا یوں ہی پکڑ کر خود کو لٹکاتے ہیں تو دونوں صورتوں میں سخت محنت کی ضرورت ہے، اِس مثال کے اندر محنت کا ذکر ہے۔ اِس کے علاوہ حدیث سے اور قرآن کی آیت سے ظاہر ہے کہ یہ رُوحانی عبادت جو ہے وہ جہاد ہے، اور جہاد کا تقاضا تو یہ ہے کہ جنگ جیتے بغیر واپس نہ لوٹیں، ایسا تو نہیں ہو سکتا ہے کہ تھوڑی سی ہم نے جنگ کی پھر واپس گھر آئیں بیٹھیں، کھائیں، پئیں اور تھوڑا سا (Rest) کیا پھر گئے تو اتنے میں تو دشمن مضبوط ہو جائے گا، اور آگے سے آگے آئے گا، تو (Continuously) اور مسلسل اور متواتر فتح حاصل کرنے کا نام جہاد ہے۔ اگر عبادت جہاد ہے تو مسلسل کوئی کام کریں تو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، اور ٹھیک ہے ہم اپنے معمول کے مطابق تھوڑی تھوڑی عبادت کرتے چلے جاتے ہیں لیکن پھر دن کو وہ چیز جو کماتے ہیں اُس کو (Use) کرتے ہیں، جو (Energy) رُوحانیت سے حاصل ہوتی ہے ہم اُس کو دن میں ہنستے اور خوشی کرتے اور کسی کی غیبت کرتے اور اپنی دُوسری حرکات میں اس کو صَرف کرتے ہیں۔ کسی (Battery) کو تھوڑی سی (Charge) کرتے ہیں پھر اُس کو (Use) کرتے ہیں تو [وہ] (Exhaust) ہو جاتی ہے ہم کیوں اُس کو کم از کم بھرپور (Charge) کیوں نہیں کریں اور بھرپور (Charge) سے مُراد یہ ہے کہ ہم رُوحانیت کی کوئی فتح حاصل کریں، ہم ایسے مضبوط ہو جائیں کہ پھر کوئی چیز ہم پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ دشمن پر قابو پانا ہی اعتکاف ہے، اِس کو ہم اعتکاف کہہ سکتے ہیں یا مسلسل جنگ کہہ سکتے ہیں، جنگ کا تقاضا تو یہ ہے کہ مسلسل بس لڑتے جائیں، لڑتے جائیں، لڑتے جائیں، یہاں تک کہ دشمن کو زیر کریں، ملک کو فتح کریں اور اُس کو شکست دیں تو ہمارے اندر امتحاناً ایک ایسا عدو یعنی دشمن بیٹھا ہے کہ ہر وقت

ہمارے ایمان کو لُوٹتا ہے، یہ ڈاکو بھی ہے، راہزن بھی ہے، چور بھی ہے، دشمن بھی ہے، کافر بھی ہے، شیطان بھی ہے، جتنے بھی بُرے (Tittles) ہیں، بُرے نام ہیں سب اِس کے ہیں، تو اِس کے لئے اعتکاف کی ضرورت ہے۔ چلیں! ہم میں سے کوئی نرم دل ہو تو دُعا کریں، اِس کو (Stop) کریں۔

ٹرانسکرائب اور ٹائپ: سیما عظیم علی نظرِ ثانی: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائیؒ کا پُرحکمت بیان
عنوان: رُوح کی حقیقت، انبیا علیہم السّلام کی عبادت
کیسٹ نمبر: ۳۷ تاریخ: جنوری، ۱۹۸۱، کراچی

Click here for Audio

آپ انبیاء علیہم السّلام کی زندگی میں سے اُس حصّے کو ضرور پڑھئے جو عبادت سے، بندگی سے متعلّق ہے، یعنی ہر مومن کا یہ اوّلین فرض ہے کہ وہ پیغمبروں کے حالاتِ زندگی میں سے اُس سبق کو ذہن میں رکھیں، جو ذکر و عبادت سے متعلّق ہے تاکہ پتا چلے کہ اُن بزرگ ہستیوں نے کس طرح خداوندِ کریم کی عبادت کی، اور کس طرح خدا کو یاد کیا۔ قرآن میں انبیاء علیہم السّلام کے بہت سے حالات کا اور خاص طور سے ذکر و عبادت سے متعلّق، گریہ وزاری سے متعلّق ذکر آیا ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ جو اگلی صف کے مومنین گزُرے ہیں اُن کے کیا کیا اوصاف قرآنِ مقدّس میں بیان ہوئے ہیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے، اور اِس کے علاوہ دو اہم مضامین کے لئے اور دیکھنا چاہیئے، ایک یہ کہ خداوندِ عالم کی مقدّس اور پاکیزہ محبّت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے اُس کی کیا کیا شرطیں ہیں، اور وہ ذاتِ پاک کن کن چیزوں کو ناپسند کرتی ہے یہ بھی دیکھنا چاہیئے، اور چونکہ انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کے نقشِ قدم پر چلنا کوئی آسان کام نہیں ہے بڑا مشکل کام ہے اِس لئے مومن کو ہمّت سے کام لینا چاہیئے، جب تک مومن میں بلند حوصلگی اور عالی ہمّتی نہ ہو تو یہ کام مشکل ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ دُنیا میں عظیم کارناموں کو انجام دینے کے لئے زبردست ہمّت سے کام لینا پڑتا ہے، ایمان کے درجۂ کمال کو حاصل کرنا عظیم کاموں میں سے ہے بلکہ سب سے عظیم کام ہے، یہ چیز معمولی کوشش سے ہاتھ نہیں آسکتی، اِس کے لئے محنت درکار ہے، اور دیکھنا چاہیئے کہ کس طرح یہ (Credit) بنتا ہے۔ مثلاً کچھ تو اپنی اچھی عادتوں کی اصلاح سے، کچھ عبادت سے، کچھ علم سے، کچھ خدمت سے مومن کما سکتا ہے، اگرچہ وہ ایک دم سے کسی ایک خزانے کو حاصل نہیں کرسکتا ہے تاہم اِس میں مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے لیکن وہ ہر مقام سے تھوڑی تھوڑی کمائی کرسکتا ہے۔ جو مومن ہوشمند ہو، دانا ہو اور رُوحانی ترقّی کے لئے ذوق [و] شوق رکھتا ہو تو وہ ہر سُو سے، ہر جہت سے، ہر طرف سے تھوڑی تھوڑی کمائی کر کے ایک بڑا ٹوٹل بنا سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کچھ تو اپنی عادتوں کی اصلاح کی طرف توجّہ دے، کچھ تسبیحات پر زور دے، کچھ خدمت کرے، کچھ علم کمائے تو جو بھی نیک کام ہے، اور جو بھی کام ایسا ہے کہ اُس کے متعلّق قرآن میں ،فرمان میں اِرشاد ہوا ہے تو اُس چیز کی طرف توجّہ دے تو اِن شاءاللہ کوئی وجہ نہیں کہ مومن ترقّی نہ کرسکے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ

معلوم نہیں تین یا چار مجالس ہوئیں، اور اِن تھوڑی سی چند مجالس کے (Result) کے طور پر آپ ماشاءاللہ بہت پگھل رہے ہیں اور دل بہت ہی نرم ہو چکا ہے۔ دیکھا آپ نے کہ کوشش کتنی اہم چیز ہے، کہ آپ کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے، اگر چہ آپ کو اِس میں زحمت اُٹھانی پڑتی ہے، کہ بعض حضرات دُور دُور سے آتے ہیں لیکن اِس کی کوئی بات نہیں، آپ اِس بات کو ضرور جانتے ہیں کہ اِس مجلس سے متعلّق جتنی بھی محنت ہے وہ سب عبادت ہے، اِس کے لئے جو بھی حرکت کی جائے، جو بھی قدم اُٹھایا جائے وہ مُفت اور رائیگان نہیں ہے اُس کا ایک اجر وصلہ موجود ہے، وہ بجائے خود ایک عبادت ہے۔ لہٰذا جو بھی دشواریاں آپ کے سامنے آتی ہیں تو اُن دشواریوں کے باوجود اُن سے گزر کر، اُن سے آگے بڑھ کر، اُن کو (Cross) کر کے آیئے اور مجلس سے فائدہ اُٹھایئے۔ دیکھیں کہ ایسا موقع دُنیا میں بہت کم ملتا ہے، ایک اکیلا انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے، اگر چہ کوئی کامل اُستاد ہے تو وہ بھی اکیلے میں البتہ کچھ زیادہ کام نہیں کر سکتا ہے، اور چلئے وہ اگر کر بھی سکتا ہے تو ایک اسٹوڈنٹ اکیلے میں کام نہیں کر سکتا ہے، اِس لئے مل کر عبادت کرنے سے رُوحیں آپس میں مل جاتی ہیں، اور ایک طوفانی طاقت اختیار کر لیتی ہیں۔

آپ دیکھتے ہیں کہ عبادت کا کیا عالم ہے، کیا صورتِ حال ہے، تو بعض دفعہ، میں یقیناً کہتا ہوں کہ آپ کی عبادت کی مثال ایک ایسی ندّی سے دی جا سکتی ہے جو کہ کسی پہاڑ سے اُترتی ہے، اور پانی کی شکل کچھ اِس قسم کی ہوتی ہے کہ پہاڑ پر جا کر دیکھنے سے کچھ تھوڑا سا پانی اِس طرف سے آتا ہے، کچھ اُدھر سے آتا ہے، کچھ وہاں سے آتا ہے، کچھ اُوپر سے آتا ہے، کچھ دائیں سے کچھ بائیں سے، تو جس طرح درخت کی ساری شاخیں تنا میں جمع ہو جاتی ہیں اِسی طرح پانی کی شاخیں ہر طرف سے ندّی میں، نالے میں جمع ہو جاتی ہیں، تو آپ باور کریں گے [کہ] جب ہم مل کر عبادت کرتے ہیں اِسی طرح سب کی رُوحیں مرکوز ہو جاتی ہے، یکجا ہو جاتی ہیں، اور پھر اِس میں سے ایک نور کی رسّی بن جاتی ہے، خدا کی رسّی بن جاتی ہے۔ خدا کی رسّی کے کئی معنی ہیں، خدا کی رسّی سب سے پہلے امامؑ ہے، اور پھر خدا کی رسّی وہ اسم ہے جو امامؑ دیتا ہے اپنی جگہ پر، امامؑ جس عبادت کو، جس طریقۂ کار کو، جس ذکر کو، جس اسم کو امامؑ عطا کرتے ہیں وہ بجائے امامؑ خدا کی رسّی ہے، تو ہماری یہ عبادت بھی اگر مولا کی مرضی سے ہے، اُس کو منظور ہے تو یہ بھی ایک طرح سے خدا کی رسّی ہے، اور خدا کی رسّی کسی ایک شخص سے نہیں بنتی ہے بلکہ جمعیّت سے بنتی ہے۔

دیکھیں کہ خدا نے رسّی (۳:۱۰۳) کا تصوّر کیوں دیا؟ یہ ذرا سوچنے کی بات ہے، اُس [رسّی] میں بہت سے بال ہیں، اُس میں بہت سے دھاگے ہیں، اُس میں بہت سے ریشے ہیں، تو خدا نے قرآنِ عظیم میں جو بھی مثال دی ہے اُس کی وجہ ہے، اُس مثال کا ذرا تجزیہ کرنا چاہئے، اور رسّی کی مثال کا تجزیہ یوں ہے، اِس کا (Analysis) اِس طرح سے ہے، کہ رسّی کے اندر اجزاء ہوتے ہیں، (Parts) ہوتے ہیں، پہلے اِس کے بڑے بڑے اجزاء ہیں پھر اُس میں جائیے، تجزیہ

کریں تو چھوٹے چھوٹے اجزاء ہیں، یہاں تک کہ اُس کے اندر بال ہی بال ہیں یا دھاگے ہیں یا ریشے ہیں، تو اسی طرح جب ہم مل کر عبادت کرتے ہیں، تو ہماری رُوحوں کے اجزاء سے مل ملا کر خدا کی رسّی بن جاتی ہے جو عرشِ اعلیٰ کو پہنچتی ہے، اور اسی رسّی کے بل بوتے پر ہم اللہ سے نزدیک تر ہو سکتے ہیں، اِس کے لئے ضروری ہے کہ ہم کوشش کریں، جدوجہد کریں۔ دیکھئے! کہ دُنیا کی زندگی ایک محدود مہلت ہے، اِس محدود مہلت میں سے ہر روز کچھ وقت کٹتا چلا جاتا ہے، اور دیکھئے کہ ہر شام کو مومن نیّت رکھتا ہے کہ صبح اُٹھ کر وہ خوب عبادت کرے، اور نورانی وقت سے فائدہ اُٹھائے لیکن ہوتا کیا ہے؟ اکثر کہ وہ یا تو سوئے پڑا رہتا ہے یا اگر اُٹھتا ہے تو اُس کی خاطر خواہ عبادت نہیں بنتی ہے، ذکر نہیں ہو سکتا ہے، سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا ہے، اور ایسی کئی وُجوہ سے نورانی دیدار میں تاخیر ہوتی ہے اور اسی طرح اُس کا جو وقت ہے، اور زندگی کے جو ایام ہیں جو عمر کے دن ہیں وہ ایک ایک ہو کر ختم ہوتے چلے جاتے ہیں تو پھر فائدہ کیا! ۔اِس کے لئے مومن میں بہت ہمّت [ہونی] چاہیئے، کوئی نصبُ العین ہونا چاہیئے ہماری نگاہوں کے سامنے، کوئی پیغمبر، ولی، پیر، بزرگ جنہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں، ہمیں سوچنا چاہیئے آخر وہ بھی تو انسان تھے، اُن کی بھی بہت سی مجبوریاں تھیں، تو بعض دفعہ ہم کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ خداوند نے، امامؑ نے ساری رحمت اُن کو عطا کر دی اور اُن پر رحمت ہی رحمت برسائی ٹھیک تو ہے لیکن ہم کو رحمت سے کب باز رکھا گیا ہے، ہمارے لئے بھی تو رحمت ہو سکتی ہے، کیا ہم اُس کے بندے نہیں ہیں، لیکن اِس رحمت کو لینے کے لئے خود کو اہل بنانا چاہیئے، خود کو اِس کے قابل بنانا چاہیئے، اِن شاء اللہ کوشش جاری رہی تو کامیابی ہو گی۔ اچھا موقع ہے اِس سے فائدہ اُٹھایا جائے، لیکن دانشمندی سے کام لینا چاہیئے یہ کہ جو کچھ کمائی ہوتی ہے اُس کو محفوظ رکھا جائے، جس طرح مادّی دولت کی مثال میں یہ ہے کہ جو کچھ حاصل آتا ہے، جو کچھ کمائی ہوتی ہے، جو پیسے ملتے ہیں تو اُن کی حفاظت بہت ضروری ہوتی ہے، اسی طرح رُوحانی طور پر آپ جو کچھ مجلس میں کماتے ہیں اُس کو کس طرح (Save) کرنا چاہیئے اِس کی فکر بہت ضروری ہے، بہت ضروری ہے، کمائی تو ہو گی کوئی وجہ نہیں ہے جو کمائی نہ ہو لیکن اِس کی بچت، اِس کے بچاؤ اور حفاظت کی فکر ہونی چاہیئے۔

دیکھئے! ہوشمند مومن اپنے اِس ایمان کے سرمائے کو بہت احتیاط سے محفوظ رکھتا ہے، بہت احتیاط سے محفوظ رکھتا ہے، تو جس طرح مومن اپنی کسی مشین کی حفاظت کرتا ہے، مال کی حفاظت کرتا ہے، (Capital) کی حفاظت کرتا ہے، گھر کی حفاظت کرتا ہے، صحت کی حفاظت کرتا ہے، کپڑوں کی حفاظت کرتا ہے، ہر چیز کی وہ حفاظت کرتا ہے، لیکن حفاظت کے لئے محبّت چاہیئے یعنی اگر ہماری محبّت ہے، ایمان کے اِس سرمائے سے، اِس رُوحانی کمائی سے اگر محبّت ہے تو ہم اِس کی حفاظت کر سکیں گے اگر ہم اِس کو دَرخورِ اطمینان نہیں لیتے ہیں یعنی ہم اِس کا (Care) نہیں کرتے ہیں، اِس کا خیال نہیں رکھتے ہیں، اور اِس کو عزیز نہیں رکھتے ہیں، تو پھر اَن جانے میں اور لاشعوری طور پر اِس کو ضائع کر سکتے ہیں، خیال رکھنا چاہیئے

کہ ہم نے کیا کمایا،تو مشکل یہ ہے کہ یہ دولت نظر نہیں آتی، چار پیسے ہوتے ہماری نگاہوں کے سامنے تو شاید احتیاط کرتے کیونکہ وہ ہم کو نظر آرہے ہیں، اُس کی ہم گنتی بھی کر سکتے ہیں، اُس کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں،لیکن رُوحانیت کی جو کمائی ہوتی ہے، جو دولت ہاتھ آتی ہے اُس کا ہم کو نہ تو اندازہ ہے، نہ اُس کی (Quantity) معلوم ہے، نہ وہ چیز ہم کو نظر آتی ہے، اور پھر لاشعوری طور پر آہستہ آہستہ یہ اِنرجی خارج ہو جاتی ہے یہ دولت خرچ ہو جاتی ہے،تو اِس کے لئے بہت ضروری ہے کہ کم سے کم اعتکاف کے دوران تجربہ کرنے کے لئے اپنی رُوحانی کمائی کو محفوظ رکھا جائے۔میری اُمید ہے کہ آپ میں تقریباً سب ایسے ہوشمند، دانا اور جاننے والے ہیں، کم سے کم اِس کورس کو انجام دینے تک دیکھا جائے کہ اِس کا کیا رِزلٹ آتا ہے تو اِس کے لئے احتیاط ضروری ہے، اور دن کو جو ہو سکے مولا کو یاد کیا جائے تو اِس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔دیکھیں! ایک دو گھنٹے میں جو عبادت کرتے ہیں یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن دن کو بھی مولا کی یاد کریں، اور کام کرتے کرتے خداوند کو پُکارتے جائیں تو اُس سے مولا کو بہت خوشی ہوتی ہے، اور مولا کی نظر میں کسی ایسے مومن کا یہ عمل کہ وہ کام کرتے کرتے مولا کو یاد کرتا ہے، اور ہر وقت دل میں مولا کا تصوّر کرتا ہے، مولا کے اسم کے ساتھ تو کام بھی بڑا مزہ دیتا ہے۔کوئی بھی کام ہے، ملازمت ہے یا کاروبار ہے، آفس ہے یا چلنا پھرنا ہے اور سکول، کالج، یونیورسٹی ہے کچھ بھی ہو اُس میں مولا کو یاد کیا جائے تو یہ اسماعیلیوں کا شیوہ ہے، کسی بھی کام کے آغاز سے پہلے مولا کو یاد کیا جائے، اور کام کے دوران بھی مولا کو یاد کیا جائے، کھاتے پیتے میں، سوتے جاگتے میں، چلتے پھرتے میں اور ہر وقت، ہر وقت دائمُ الذّکر ہونا چاہئے، جو مومن دائمُ الذّکر ہو جائے تو بس وہ کامیاب ہے۔

دائمُ الذّکر کا مطلب ہے کہ مولا کو ہمیشہ یاد کیا جائے، کاش! اگلے زمانے میں جو ہمارے آباؤ اجداد تھے وہ کتنے نیک تھے، اور اُن کو جو رزق ملتا تھا وہ برابر ملتا تھا یعنی نہ کم اور نہ زیادہ لیکن ہمارا یہ زمانہ ایک لحاظ سے مشکل کا ہے، کہ اِس میں بہت آسائش ہے، بہت ترقّی ہے اور اگر [ہم] اِس ترقّی کو، اور اِن نعمتوں کو ہضم نہ کر سکیں تو پھر یہ خطرناک ثابت ہو جاتی ہیں، تو میں کہہ رہا تھا کہ میں نے بہت سے مومنین کو دیکھا جب وہ رات کو سوتے ہیں تو درمیان درمیان میں جب جاگتے ہیں تو خداوند کا نام لیتے ہیں، دل میں نہیں، آواز کے ساتھ تو اُن کی آواز آس پاس جو گھر میں ہیں اُن کے کان میں پڑتی ہے تو اُس سے بہت سُرور اور بہت خوشی ہوتی ہے، اور اگر گھر میں یہ عادت ہو، کروٹ بدلتے ہوئے مولا کا کوئی نام لے یا گھر میں کوئی بزرگ آدمی ہے بار بار نام لے تو اِس سے گھر والوں پر روشنی پڑے، اور ایک مذہبی ماحول پیدا ہو جائے، لیکن ایسے بزرگ آج کل بہت کم ہیں، تو بعض گھروں میں ہم نے دیکھا ہے، کہ جو بزرگ ہیں اور جو مائیں، بہنیں ہیں تو دن کو بھی کوئی ایسی جائے نماز جیسی چیز بچھا کر اور جتنے فرصت کے لمحات ہوتے ہیں تو اُن میں وہ ماں، بہن اور بہت سے بھائی بیٹھتے ہیں کچھ حضرات صوفہ پر بیٹھ کر ہاتھ میں تسبیح لیتے ہیں، اور اُن کو دیکھ کر رشک آتا ہے، کتنے مولا کے پیارے

ہوتے ہیں، کتنے نیک بندے ہوتے ہیں، کتنا مزہ آتا ہے، اُن کو دیکھیں بس مزہ آوے، تو مُوڈ بنے یا رشک آئے اور دل پگھل جائے، تو مومن یہ سب کچھ کرسکتا ہے، سب کچھ کرسکتا ہے، نور کی کھیتی باڑی کرسکتا ہے، اور نور سے اپنے دل کی زمین کو آباد کرسکتا ہے، ایک ایسا گھر بنا سکتا ہے کہ اِس میں نور برسے اور فرشتے آئیں، ایسی بہت سی رُوحیں ہیں اِس کائنات کے اندر آپ باور کریں گے کہ اُن روحوں کو بُلا کر (Capture) کریں اور اُن کے لئے ایک شغل بنائیں عبادت کا، بندگی کا تو اُس گھر کے اندر بہت سی برکتیں ہوں گی۔ بہت سی رُوحیں ہیں جن کو عبادت چاہئے اور بہت سی رُوحیں ہیں جن کی عبادت کم تھی اور پھر وہ مومنین کی رُوحیں ہیں یا کسی طرح سے بھی ہیں تو وہ دُنیا میں آتی ہیں، اور جہاں عبادت کا کوئی مقام ہو کوئی گھر ہو یا عبادت خانہ ہو تو سب رُوحیں، بہت ساری رُوحیں وہاں جمع ہو جاتی ہیں۔ چونکہ وہ رُوح ہے نا، جسم نہیں ہے تو ہماری عبادت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہیں، جب ہم آہنگ ہو جاتی ہیں تو بڑا مزہ آتا ہے اور بہت سی اُس میں برکتیں ہوتی ہیں، تو ایسی رُوحیں بہت سے تحفے تحائف لے کر آتی ہیں یعنی رُوحانی قسم کی برکتیں لے کر آتی ہیں۔ اِس طرح اگر ہم اپنے گھر کو ایک رُوحانی ماحول کا گھر بنائیں، اُس میں عبادت اور بندگی ہو اور مولا کا کوئی کیسٹ بجے، گنان کا کیسٹ بجے، علم کا کیسٹ ہو، علم کی باتیں ہوں، کوئی ایک دو دوست آئیں بیٹھیں اور اُن کو علم کی باتیں کریں اور آپ میں سے ہر ایک کا ایک چھوٹا سا حلقہ ہو، دو تین یا چار پانچ دوست مل کر امامؑ کی باتیں کریں تو بہت مزہ آئے گا، اور اِس سے پھر دو طرفہ فائدہ ہوگا، ایک تو اُن کو فائدہ ہوگا، ایک آپ کو فائدہ ہوگا اور اِس سے آپ کے اندر جو علم ہے اُس کو نکھار ملے گا، اُس میں تازگی آئے گی اور پھر اُوپر سے جدید اور تازہ علم آنے کی امکانیت ہو جائے گی، تو انہی باتوں کے ساتھ میں اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ مولائے عالم آپ سب کو عالی ہمّتی اور اولوالعزمی، کامیابی اور دونوں جہان کی سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین! یاربَّ العالمین!۔

قرآن کا یہ کہنا ہے کہ دوستِ خدا وہ ہے جو ہمیشہ خداوند کو یاد کرتا رہتا ہے، کسی بھی حالت میں وہ فراموش نہیں کرتا، وہ غافل نہیں ہوتا، چونکہ خدا کے پاک اسم میں اُس کی مقدّس یاد میں مومن کے لئے سب کچھ ہے، ساری قوّتیں اور تمام طاقتیں اسی پاک اسم سے مومن کو مہیّا ہیں، لہٰذا وہ ہر وقت خداوند کو یاد کرتا رہتا ہے، لیکن اِس میں صبح و شام کی تسبیح و عبادت پر زور دیا گیا ہے (۳۳:۴۱۔۴۲)۔ میں چند باتیں صبح و شام کی عبادت کی اہمیت کے بارے میں عرض کروں گا، کہ دن کے یہ جو دو کنارے ہیں یعنی صبح و شام، کیوں اہم ہیں عبادت کے لحاظ سے، اور مومن کو دن کے اِن دونوں کناروں پر کس طرح خود کو تیار رکھنا چاہئے، تو سب سے پہلے میں شام کی بات کروں گا، شام کا وقت ایسا ہے کہ وہ ایک جزوی قیامت کا نمونہ ہے، جس طرح انسان کی عمر کے خاتمے پر اُس کو قیامت میں حساب دینا پڑتا ہے، اور پھر اُس کے تمام اعمال کے نتائج اُس کے سامنے ہوتے ہیں، کہ زندگی کا جو پروگرام ہوا تھا وہ کس طرح طے پایا اور اُس میں کیا کیا عمل ہوا وغیرہ، اِس کا حساب کتاب دینا پڑتا ہے۔ یہ تو کُلّی حساب ہو گیا لیکن اِس کے اندر، اِس پروگرام کے اندر یعنی زندگی کے اندر اجزاء بھی ہیں یعنی چھوٹے

چھوٹے حسابات بھی ہیں، وہ چھوٹے حسابات اِس طرح سے ہیں کہ ہر شام کو اللہ کے حضور میں دن کے اعمال کا حساب دینا پڑتا ہے، جس طرح کوئی مزدور روز کی اُجرت لیتا ہے، تو کام سے واپسی پر یعنی شام کے وقت وہ اپنے سیٹھ کو، دَھنی کو، مالک کو حساب دیتا ہے جس سے کہ اُس کو اُجرت ملتی ہے۔ اسی طرح شام کے وقت اعمال کا حساب کتاب ہوتا ہے، اور دُوسری بات یہ ہے کہ بندۂ مومن جب سوتا ہے، تو اُس کا سونا موت کی مثال ہے، لہٰذا اُس کو اِس خیال سے بھی سونے سے پیشتر اپنے باطن کی پاکیزگی کرنی چاہئے، تسبیح عبادت یا اچھی کتابوں کے پڑھنے سے، مولا کو یاد کرنے سے، تو جس طرح ایک ہوشمند انسان اپنی موت کے لئے تیّاری کرتا ہے، اور وہ ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اُس کا جو آخری وقت ہے [وہ] بہت اچھا ہو، اُس میں وہ خدا کو یاد کرے اور بہت ہی خدا سے لَو لگاتے ہوئے، اور خدا کی طرف توجّہ دیتے ہوئے اُس کی جان نکل جائے یہ سوچتا ہے۔ اِس طرح جب نیند ایک موت کی مثال ہے، تو اِس جزوی یا کہ چھوٹی سی موت کی زَد میں آنے سے پیشتر مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے مالک کو خوب یاد کرے، اور دُوسری طرف سے دن کے دَوران جو اُس کے دل پر گرد و غبار بیٹھا ہے افکارِ دُنیاوی سے اور لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے، اور ہر کس و ناقص کے ساتھ بات چیت کرنے سے، طرح طرح کی باتوں کے سُننے سے اور طرح طرح کی چیزوں کو دیکھنے سے جو اُس کے دل پر غبار بیٹھا ہے اُس کی پاکیزگی بھی اِس میں ہے کہ وہ یادِ خدا میں کچھ چند منٹ مصروف ہو جائے، اور اِس کو کہتے ہیں ''خاتمہ بالخیر'' یعنی انجام بخیر ہو، دن کا جو انجام ہے، جو شام کا وقت ہے اچھی طرح سے گزرے جماعت خانے سے لَوٹ کر، اور عبادت کر کے پھر اُسی گرمی کے ساتھ مولا کو یاد کر کے پھر سو جائے، تو یہ شام کے وقت کی اہمیّت ہے، اور ویسے خواہ جتنا بھی خدا کو یاد کریں دن کے دوران لیکن پھر بھی کمی رہتی ہے، اِس کسر کو نکالنے کے لئے بھی یادِ خدا شام کے وقت بہت ضروری ہوتی ہے۔ پھر جب صبح ہوتی ہے تو اُس کا ایک نیا دن سامنے ہوتا ہے، لہٰذا اُس خدا سے رُجوع کرنا چاہئے کہ اُس کا وہ دن اچھی طرح سے گزرے، دُنیوی کام میں بھی برکت اور کامیابی ہو، اور سلامتی سے وہ وقت گزرے کیونکہ نہ معلوم دن میں کیسے کیسے واقعات سامنے آتے ہیں؟ کیا کیا باتیں ہوتی ہیں، کن لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے؟ کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا ہے، تو اُس کے سامنے دن کی زندگی، اور اُس کے پروگرام ہیں لیکن معلوم نہیں کہ کیا کیا ہونے والا ہے، لہٰذا وہ ذرا خوفِ خدا دل میں لائے اور پھر خدا سے رُجوع کر کے دُعا مانگے اور صبح اچھی طرح سے خود کو تیار کرے، اور اُس میں یہ بھی ہے کہ پھر وہ دن کو یاد نہیں کر سکتا ہے، لہٰذا صبح خوب یاد کرے۔ اِس کی مثال اُس مسافر کی طرح ہے کہ وہ کہیں کسی کام پر جاتا ہے، اور اُس کو کھانا نہیں ملتا ہے تو وہ کیا کرتا ہے مزدور یا مسافر، تو صبح وہ پیٹ بھر کے کھانا کھاتا ہے تا کہ اُس میں سے اُس کو انرجی مہیّا ہو، اور پھر کھانا نہ بھی ملے تو وقت گزر جائے، اسی طرح صبح جو ہے عبادت کی غذا سے رُوح کے پیٹ کو بھر لینا چاہئے، تا کہ دن کو اُس کی حرارت سے مدد ملے اور خوب کام کاج آگے بڑھے، تو یہ صبح کی عبادت کی اہمیّت ہے، اور جیسے کہ میں نے شروع میں کہا تھا کہ ویسے تو مومن

کو دائم الذکر ہونا ہے تاہم زیادہ اُمید صبح وشام [میں] ہے، اور اِن دونوں کناروں میں جو بھی وقت میسّر آئے ان سے خوب فائدہ اُٹھانا چاہئے یہ مومن کی دانشمندی ہے، ویسے تو رات کو اُٹھنا ہے، اور رات کو اُٹھیں۔ اب مسئلہ ہے تھکان کا اور نیند کے خُمار کو اُتارنے کا لیکن اِس کی کوئی بات نہیں ہے، دیکھیں! آپ جیسے حکمت کی کتابوں کو پڑھیں گے اور رُوح کے اِس بھید کو دیکھیں گے کہ تھکان کوئی چیز نہیں ہے اور نیند بھی کوئی چیز نہیں ہے یہ تو مولا کی مہربانی کی بات ہے اور مشق وعادت کی بات ہے، تو کسی چیز کے کرنے کے دو (۲) مرحلے ہوتے ہیں ایک (Theory) ہوتی ہے اور ایک عمل ہوتا ہے (Action) ہوتا ہے، پہلے (Theory) آتی ہے پھر (Action)، اِس لئے علم کا نام ہم نے یہاں (Theory) کہا اور عمل کو (Action) کہا، تو پہلے ہم کو نیند سے متعلّق علم ہونا چاہئے کہ نیند کی ضرورت کیوں ہے آیا ہم اِس کو کم کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے ہیں وغیرہ، پھر اُس کے بعد ہم کو بھروسہ ہوگا، نہیں تو دل میں غم سا ہوگا، کہ اِس دُنیا کے اندر بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن کو یہ خیال ہوتا ہے کہ نیند ہر حالت میں ضروری ہے، ضروری تو ہے لیکن ایک حد تک، ایسا نہیں جیسے کہ وہ کہتے ہیں، تو یہ تو رات کی عبادت کی بات ہوگئی، اور جن لوگوں کو زمانۂ ماضی میں بڑے پیمانے پر کامیابی حاصل ہوئی تھی، انہوں نے رات کے وقت سے فائدہ اُٹھایا، اور چونکہ رات کے وقت بڑے سکون کی عبادت ہوتی ہے، اور بہت مزہ آتا ہے اور بہت کامیاب عبادت ہوتی ہے۔ فرامینِ اقدس میں سب کچھ ہے، آپ نے پڑھا ہے خداوندِ عالم نے رات کس لئے پیدا کی ہے، عبادت کے لئے، ساری رات سونے کے لئے نہیں ہے، تو اِس لئے دیکھیں! میں نے کبھی شاید اِس مجلس میں کہا تھا ایک شخص کو ایک لاکھ روپے کی لاٹری لگے، بونڈ لگے، تو اُس کو کہاں نیند آتی ہے، خواہ تھکا ہوا ہے یا غذا زیادہ کھائی ہے، کچھ بھی ہوا ہے لیکن نیند نہیں آئے گی، کہاں گئی وہ نیند جو اُس کے نزدیک ضروری تھی جو سب لوگ کہتے ہیں کہ ضروری ہے لیکن نیند کو کس چیز نے مارا، پیسوں کے عشق نے۔ اسی طرح اگر کسی کو مولا سے عشق ہو تو نیند کہاں آئے گی، ہم کو اگر مولا سے عشق ہوتا تو نیند نہیں آتی یا اگر آتی تو تھوڑی سی آتی یا آتی تو بالکل سلجھی ہوئی نیند آتی، تو یہ ہے کہ جب دُنیا کے عشق میں یہ ہمّت ہے کہ جب دُنیا کا عشق ہوتا ہے، تو نیند نہیں آتی ہے کسی بھی چیز سے عشق، تو اِس کے مقابلے میں جب مولا کا عشق ہوگا، تو نیند کہاں سے آئے گی، اور تھکان کہاں سے ہوگی اور سُستی کہاں سے آئے گی، یہ تو ایک سرِّ اعظم ہے یعنی سب سے بڑی دَوا اور سب سے مجرّب اور آزمودہ دَوا مولا کی محبّت ہے۔

کاش! ہم میں سے ہر ایک میں مولا کی بھرپور محبّت ہوتی تو پھر میں سمجھتا ہوں کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہوتی، نہ علم کی کمی ہوتی اور نہ عبادت کی اور نہ رُوحانیت کی، تو اِس کے لئے سوچیں! خوب سوچیں! کہ صحیح معنوں میں مولا سے کس طرح لَو لگایا جائے، تو مولا کو ہر وقت یاد کریں، مولا سے عشق کریں، ناممکن نہ سمجھیں یا نہ کہیں کہ ہم گدا اور وہ بادشاہ، پھر دوستی اِس گدا کی اُس بادشاہ سے کیسے ممکن ہے۔ ممکن ہے یہ تو دُنیا کی بات ہوگئی نہ کہ ایک گدا کی بادشاہ سے دوستی نہیں ہوتی ہے، تو یہ دُنیا کی بات ہے

لیکن دین کا معاملہ کچھ اور ہے، ہماری رُوح ایک قطرہ ہے اور وہ سمندر ہے، تو آپ نے دیکھا ہے کہ قطرے کی اور سمندر کی کیسی دوستی ہوتی ہے، اور کیسی (Unity) ہو جاتی ہے، کس آسانی سے یہ سمندر اور یہ قطرہ آپس میں مل جاتے ہیں، تو اسی طرح مقدار میں اگرچہ ہم قطرہ ہیں لیکن خاصیّت اور جوہر وہی ہے، (Quantity) کی کوئی بات نہیں ہے، مقدار کی کوئی بات نہیں ہے لیکن ذات اور صفات ایک ہیں، تو اِس لئے ہم اُس سے واصل ہو سکتے ہیں، اور بات ہے کُدورت کی، کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ گیلی لکڑی کو آگ سے قریب رکھیں وہ سوکھ جائے گی، اور پھر آگ اُس کو (Catch) کرے گی، جلا ڈالے گی اور اپنے ساتھ ایک کر لے گی۔ بات یہ ہے کہ مسلسل کوشش کی جائے، تو کوئی بات ناممکن نہیں ہے کہ ہم اُس کے قریب نہ جا سکیں، اُس کے ساتھ واصل نہ ہو سکیں یہ امامؑ کی رحمت کس کے لئے ہے، اپنے بندوں کے لئے ہے۔ اُس کی اتنی بے پناہ رحمت ہے تو مایوسی کُفر ہے، مایوس نہیں ہونا ہے، کوشش کریں، اور سچّے دل سے کوشان رہیں اور اِن شاء اللہ کامیابی ہوگی۔ مولانا حاضر امام سب عزیزوں کو خاطر خواہ ترقّی دے، [آمین] بلکہ توقع سے زیادہ ترقّی دے [آمین] اور اپنی بے پناہ رحمت سے ہم سب کی خامیوں سے وہ خداوند درگزر فرمائے [آمین] اور اپنے مقدّس نور میں سب مومنین کو سمو لے [آمین] اور ظاہر و باطن کا مقدّس دیدار ہر فردِ مومن کو دین و دُنیا میں نصیب ہو، آمین، یاربَّ العالمین۔

رُوح کی آنکھ نہیں ہے کیونکہ وہ خود آنکھ ہے، رُوح کے کان نہیں ہیں وہ سراپا کان ہے، رُوح کی زبان ایسی نہیں ہے جیسی یہ زبان ہے لیکن رُوح خود زبان ہے، یہ عجیب بات ہے، کہ رُوح اپنے آپ میں سب کچھ ہے، وہ چونکہ خدا کے نور سے ہے، جو نور ہے وہ سب کچھ ہے۔ دیکھیں کہ انسان کا بدن کتنا کمزور ہے، کہ یہ بدن اعضاء رکھتا ہے، پھر اگر کوئی عضو کمزور ہو گیا تو بس رہ جاتا ہے، آنکھ ذرا کمزور ہو گئی تو مشکل ہو جاتی ہے، زبان میں لغزش آ گئی تو مشکل ہو جاتی ہے، کان ذرا بہرے ہو گئے تو مشکل ہو جاتی ہے، لیکن رُوح اِس کے برعکس ایک ایسی قُدرت و توانائی ہے، کہ اُس میں سب کچھ ہے اور کوئی طاقت و توانائی رُوح سے باہر نہیں ہے۔ عجیب بات ہے کہ رُوح لامکانی صفت رکھتی ہے مگر اُس کے اندر مکان ہے، وہ عالمِ امر سے ہے لیکن عالمِ خلق میں ہے، وہ ایک مکمّل اور کامل دُنیا ہے، بڑی رنگین دُنیا، بڑی حسین اور خوبصورت دُنیا، کہ اُس میں سب کچھ ہے۔ جہانِ روح کے کسی درخت کا ایک پتّہ بھی نظر آئے تو کیا کہنا اُس کی رنگینیوں کا، اُس کی خوبیوں کا، وہ روشنی، وہ خوشی، وہ مسرّت و شادمانی، وہ عجائب و غرائب، کہ کیا کہنا، لیکن اِس کے لئے مومن آگے بڑھ سکتا ہے، ظلمت و تاریکی کے پردوں کو پھاڑ کر، غفلت و سُستی کے پردوں کو چاک کر کے باہمّت مومن منزلِ مقصود کو پہنچ سکتا ہے، لیکن [اِس کے لئے] نرمی کی ضرورت ہے، کوشش کی ضرورت ہے، اخلاص کی ضرورت ہے، اور پھر ہر اُس چیز کی ضرورت جو فرمان میں مذکور ہے، عاجزی سب سے بڑی چیز ہے، امامؑ کی محبّت۔ اِن شاء اللہ آپ آگے بڑھیں گے، آگے بڑھ سکیں گے چونکہ آپ کی بہت کوشش ہے، آپ کا بہت شوق ہے۔ اِن شاء اللہ مولا آپ پر مہربان ہوگا۔ آمین! یاربَّ العالمین!۔

رُوحانی طور پر حدودِ دین کا بدلی ہونا اِس طرح سے ہے کہ اصل میں حدودِ دین لطیف جسم میں ہیں، (Astral Body) میں کام کرتے ہیں، ذرّات میں کام کرتے ہیں۔ایک مومن جیسے ہی کامیاب ہو جاتا ہے تو حدودِ دین آ کر اُس کے ساتھ باتیں کرتے ہیں، اور پھر دُوسرے آتے ہیں، پھر تیسرے آتے ہیں، اور دُوسری بات اِس کے علاوہ یہ کہ بندۂ مومن ذکر میں مصروف ہوتا ہے اور ذکر کرتا چلا جاتا ہے، مسلسل اور متواتر ذکر کرتا ہے تو پھر جب بہت آگے بڑھتا ہے، تو اُس کے حدود بدل جاتے ہیں۔ایک بات میں بہت راز کی بات کروں، ایک دفعہ میں رُوحانی انقلاب کے دوران ذکر میں مصروف تھا اور سامنے سے پردہ ہٹا ہوا تھا، اور آواز کے مراحل تھے تو بہت سارے رُوحانی، بہت سارے حدود سامنے تھے کہ ایک گنان کی آواز آئی جو دو مخلوق پڑھتی تھیں، دونوں کی آواز کو میں بیان نہیں کر سکتا اور سچ اُس کی کیفیت کو، اُس کے طرز و ترنّم کو، اُس کی خوش الحانی کو، اُس کی شیرینی کو، اُس کی رَسیلی آواز کو اور سُر کو میں بیان نہیں کر سکتا، تو کچھ دیر کے بعد وہ دونوں بدل گئے، دُوسرے آ گئے جو پہلے سے بہتر تھے، پھر تیسرے آ گئے جو اِن سے بہتر تھے پھر چوتھے آ گئے جو اِن سے بہتر تھے، پھر پانچویں آ گئے، علیٰ ھذا القیاس یہ سلسلہ چلتا رہا اور چلتا رہا، تو میرے الفاظ اُس کیفیت کی ترجمانی نہیں کر سکتے ہیں، وہ ایسی آواز تھی وہ ایسا معجزہ تھا، اور عجیب شان یہ کہ ہر بار پڑھنے والے جو ہیں بدل جائیں اور اُن کی جگہ پر ایک دم سے دُوسرے آئیں اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا جائے، تو اسی طرح معجزات ہیں امامؑ کے لاتعداد، بیشمار جن کو کوئی بیان کرنے والا بیان نہیں کر سکتا، اِس طرح حدودِ دین بدلتے رہتے ہیں۔

ٹرانسکرائب اور ٹائپ: سیما عظیم علی نظرِ ثانی: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

Click here for Audio

استادِ بزرگوار علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی (ق س) کا پُرحکمت بیان
عنوان: رُوحانی تائید، حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کا واقعہ
کیسٹ نمبر: ۳۸ تاریخ: ۱۱/مارچ/۱۹۸۱ کراچی

[کام میں] تسلسل نہ ہو تو وہ انجام نہیں پاتا ہے، کسی بڑے سے بڑے ہنر کو سیکھنے کے لئے تسلسل کی ضرورت ہے، اور ایسا نہیں کہ آج ہم نے اچھی کوشش کی اور کل بھول گئے یا ایسے سُست پڑ گئے، یہ تو مشکل ہے کہ ہر روز کی کمائی ایک جیسی ہو، اس کی کوئی بات نہیں ہے لیکن یہ بات ہونی چاہئے کہ ہم ہمیشہ کوشش کرتے رہیں۔ دیکھیں کہ خداوندِ عالم نے تسلسل کا تصوّر دیا ہے، خداوند اپنے پُرحکمت اِشارات سے ہم کو یہ سمجھا دینا چاہتا ہے کہ ہم دین کے سلسلے میں جو کچھ بھی کوشش کرتے ہیں وہ ایک زنجیر کی طرح، ایک رسّی کی طرح، ایک رستے کی طرح ہونی چاہیئے۔ خدائے برحق نے دین کا تصوّر رستے سے دیا ہے یا کہ دین کی تشبیہہ رستے سے دی ہے، کیوں؟ اِس لئے کہ دین بالکل رستے کی طرح ہے۔ مُراد یہ ہے کہ جس طرح ایک مسافر منزلِ مقصود کو پہنچنے کے لئے چلتا رہتا ہے، اور اگر ذرا دم لیتا ہے تو بھی واپس نہیں ہوتا ہے (Right) کو، (Left) کو رستے سے نکل نہیں جاتا ہے، تو آگے بڑھتا ہے آہستہ آہستہ۔ [آپ] بھاگیں اور ایک مقام پر سو جائیں، یہ بات صحیح نہیں ہے، بھاگیں اور پھر رستے کو چھوڑ کر نکل جائیں یہ بھی صحیح نہیں ہے، پیچھے کو لَوٹیں یہ بھی صحیح نہیں ہے، ایک جگہ پر پڑے رہیں یہ بھی صحیح نہیں ہے، رفتار کچھ بھی ہو لیکن تھوڑی تھوڑی مَسافت کو طے کریں ہر روز، زندگی کے لمحات کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تھوڑی تھوڑی مَسافت طے ہو جائے، یعنی علم میں، عمل میں، عبادت میں، ذکر میں، سال بہ سال ہماری تھوڑی سی ترقّی ہونی چاہیئے۔ اگر ترقّی کچھ بھی نہیں ہے تو پھر فائدہ کیا ہوا؟ اور دیکھیں دُنیا ہم پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ دُنیا سے مُراد لوگ، ہم دُوسروں پر اثر انداز کیوں نہیں ہوتے ہیں؟ بڑی کمزوری ہے کہ دُوسرے لوگ ہم پر اثر انداز ہو جاتے ہیں اور بہت دفعہ ہم رشک کی نگاہوں سے اُن کو دیکھتے ہیں۔ کبھی اُن کی ظاہرداری پر رشک کرتے ہیں، کبھی اُن کی باتوں پر رشک کرتے ہے، ہمیں کیوں رشک کرنا چاہیئے دُوسروں پر؟ اور اگر رشک کرتے ہیں تو مطلب اِس کا یہ ہوا کہ ہم اُن پر عاشق ہیں ایک طرح سے، اور اگر ہم اُن پر عاشق ہیں تو اُن کے رستے پر عاشق ہیں، اُن کے دین پر عاشق ہیں۔ ایسا کیوں ہونا چاہیے؟ ہم اپنے امامؑ کے عاشق کیوں نہ ہوں؟ ہم اپنی راہ کے عاشق کیوں نہ ہوں؟ ہم دُنیا کی طرف پُشت کیوں نہ پھیریں؟ اور اپنے رُخ کو اپنے معشوقِ حقیقی کی طرف کیوں نہ کریں؟

اِس کے معنی ہیں جو کچھ میں کہتا ہوں، تو مطلب یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے دین کے معاملے میں، ہمارے دین میں سب کچھ ہے۔ ہمارا مقدّس دین رُوحانیت کے موتیوں سے، جواہرات سے بھرپور ہے اور علم و حکمت کے خزانوں سے بھرا ہوا ہے، تو پھر ہمیں دُوسروں کی طرف کیوں دیکھنا چاہئے؟ اگر ہم دُوسروں کی طرف دیکھتے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے دین میں کچھ نہیں ہے، ہمارے دین میں سب کچھ ہے۔ صرف یہ ہے کہ ہم دیکھتے نہیں ہیں اور یہ ہے کہ ہم سمجھتے نہیں ہیں، ہمیں سمجھنا چاہئے، [یہ دین] معجزات سے بھرپور ہے۔ کوئی مومن جدوجہد کرے تو بہت ہی ممکن ہے کہ وہ راہِ رُوحانیت میں کامیاب ہو جائے گا، اور پھر امامؑ کو کیا کہنا چاہئے؟ امامؑ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ جو ترقّی ہے وہ پیغمبروں کے لئے مخصوص ہے۔ یہ بات ہوتی تو امامؑ کا یوں کہنا قانون قرار پاتا اور پھر اِس قانون سے، اِس (Boundary) سے ہم تجاوز نہیں کر سکتے، آگے نہیں بڑھ سکتے، کیونکہ [اگر] امامؑ نے فرمایا [ہوتا] کہ عبادت اور رُوحانیت کے بعض مراتب جو ہیں وہ پیغمبروں کے لئے اور پیروں کے لئے مخصوص ہیں اور تم مُریدوں کی حیثیت سے رہو، تم اِن (Boundaries) کے پاس نہ جایا کروں، ایسی کوئی ہدایت ہوتی تو ہمیں امامؑ کے اِس ارشاد کی تابعداری کرتے ہوئے بیٹھنا چاہئے تھا، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ امامؑ ہر وقت ترقّی پر اُبھارتے ہیں، وہ ہم کو ترقّی دینا چاہتے ہیں اور امامؑ کے ارشادات کو سامنے رکھیں جو خصوصی ارشادات ہیں۔ رُوحانی ترقّی کے سلسلے میں بہت سے ارشادات ہیں، اُن کو سامنے رکھیں تاکہ ترقّی ہو۔ اسماعیلی مذہب میں ترقّی کی کوئی حد نہیں ہے، اسماعیلی مذہب میں بہت ترقّی ہے، بہت ترقّی ہے، لیکن کاش ہم میں سے ہر ایک کوشش کرتا اور جو خزانے رکھے ہوئے ہیں اُن کو پاتا، اور اَب میں اِس مقام پر آ کر رُکتا ہوں اور دیکھتے ہیں کہ اور بھی مجلس میں کوئی (Item) ہے تو پھر اُس کو آگے بڑھائیں گے۔ شکریہ، مہربانی کہ آپ نے توجّہ دی اور دل کھول کر آپ نے میری مدد کی، اِس کا بہت بہت شکریہ۔ یا علی مدد۔

اِس علمی خط کے اندر چار چیزوں کا نام لیا گیا ہے، مکان اُس کے (Opposite) میں لامکان، پھر زمان اور اُس کے مقابلے میں لازمان۔ میں نے دعویٰ کے طور پر کہا ہے کہ ہم سب عزیزان، اور سب مومنین جب عالمِ رُوحانیت میں ہوں گے تو اُس وقت ہم بیک وقت اِن چار چیزوں سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ میرے نزدیک یہ بات بہت ہی پسندیدہ ہے اور یہ بات ایک کُلّیہ یا کہ اُصول کی حیثیت سے ہے۔ آپ سوچیں تو بہشت کا سارا مطلب اِن چار چیزوں میں آجاتا ہے یعنی مکان جس سے ساری کائنات مُراد ہے، عالمِ ظاہر، آسمان، زمین کی ہر چیز یہ مکان ہے۔ لامکان اِس کے برعکس اِس کے (Opposite) میں جو رُوحانی کیفیت ہے جو اُس میں (Space) نہیں ہے، یعنی اُس میں مادّہ نہیں ہے، جب مادّہ نہیں ہے تو وہ مکان نہیں ہے، وہ لامکان ہے۔ ہم لامکان کو عالمِ رُوحانیت بھی کہہ سکتے ہیں اور آخرت بھی کہہ سکتے ہیں، تو یہ دونوں چیزیں ایک دُوسرے کے آمنے سامنے ہیں یا (Opposite) ہیں۔ ایک تو مکان ہے جو (Space) اور ظاہری

کائنات ہے اور دُوسرا لامکان ہے جہاں پر کہ مادّہ نہیں ہے، (Space) نہیں ہے بلکہ وہ رُوحانی کیفیت ہے تو دو چیزیں ہوگئیں۔ پھر اِس کے بعد زمان، اِس کا مطلب (Time)، وقت جس کا تعلّق اِس ظاہری کائنات سے ہے، ظاہری کائنات سے زمان کا تعلّق اِس لئے ہے کہ زمان بنتا ہے اِس کائنات سے، سورج کی گردش سے، آسمان کی گردش سے (Time) بنتا ہے۔ لہٰذا زمان کا (Concern) ہے اِس ظاہری کائنات سے، تو ہم نے تیسری بات یہ کہی کہ ہم کو نہ صرف مکان اور لامکان سے فائدہ حاصل ہوگا بلکہ ہم زمان اور لازمان سے بھی فائدہ اُٹھائیں گے، تو زمان کی میں نے تھوڑی سی تعریف کی۔ اِس کے بعد لازمان کیا ہے؟ زمان کا میں نے تصوّر دیا کی اِس (Space) کی گردش سے، آسمان کی گردش سے اور گو کہ سورج گردش نہیں کرتا ہے لیکن یہ ایک مفروضہ ہے جو کہتے ہیں کہ سورج گردش کرتا ہے، سورج گردش نہیں کرتا ہے مگر کائنات گردش کرتی ہے اور ہر چیز گردش کرتی ہے۔ بہر حال اِس گردش سے (Time) بنتا ہے تو (Time) بھی مومن کے مفاد کے لئے ہے۔ اَب جو لازمان ہے، جو (Timeless-ness) ہے جس میں کوئی (Time) نہیں ہے تو وہ کیفیت کیا ہے؟ دیکھیں! جس کیفیت میں (Time) نہیں ہے تو اُس میں صرف ماضی اور حال اور مستقبل کا فرق نہیں ہے۔ وہ ایک طرح سے (Time) ہے مگر دُنیا کا (Time) نہیں ہے، ایسا (Time) نہیں ہے کہ جو اِس کائنات کے اندر میں ہو، وہ اَٹل (Time) ہے، بغیر حرکت کا (Time) ہے، تو (Time) دو طرح سے ہے۔ جو (Time) ایسا ہے کہ وہ گُزرتا ہے جیسے مستقبل سے حال بنتا ہے اور حال سے ماضی بنتا جاتا ہے۔ جس طرح ہم ایک جگہ پر کھڑے ہیں تو کوئی ندّی یا دریا بہتا ہے بڑی تیزی کے ساتھ تو وہ گُزرتا جاتا ہے، (Future)، (Present) بنتا ہے اور (Present)، (Past) بنتا ہے۔ یہ دُنیا کا (Time) ہے مگر جو لازمان ہے وہ بھی (Time) تو ہے مگر اُس کو لازمان کہا جاتا ہے چونکہ وہ اِس کے برعکس ہے۔ کس طرح برعکس ہے؟ وہ اَٹل ہے، وہ ٹھہرا ہوا ہے، وہ کسی سورج سے یا کسی آسمان کی گردش سے یا دن رات سے نہیں بنتا ہے۔ بس وہ ایک ہی حال پر ٹھہرا ہوا ہے، اُس کو ''دَہر'' کہتے ہیں قدیم اصطلاح میں، اُس کو دَہر کہتے ہیں یا وہ لازمان کہلاتا ہے۔ اَب اُس میں کیا ہے؟ اُس میں ماضی، حال اور مستقبل (Include) ہیں، یہ تین (Time) جو ہیں وہ اُس کے اندر ہیں، تو اِس لئے اُس میں ہم جیسا تصوّر کریں اُس کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے، ہم جو چاہیں کہ ماضی کا کوئی وقت ہمارے سامنے آئے تو ماضی آتا ہے اور (Future) کو چاہیں تو (Future) سامنے آتا ہے اور اگر حال کو چاہیں تو حال آتا ہے۔ لہٰذا وہ تینوں چیزیں اِس کے اندر (Include) ہیں۔

آپ تعجّب کریں گے میرے اِس بیان سے کہ کیوں ایسا ہوتا ہے کہ ہم چاہیں ماضی آوے اور مستقبل آوے اور حال ہو، یہ ایسا ہے کہ وہ عالمِ امر ہے۔ عالمِ امر کا مطلب ہے کہ ''کُن'' کہا خدا نے کہا، رُوح نے کہا: ہو جا تو وہ چیز ہوگئی۔ بس ''کُن'' کہنے کے لئے دیر ہے، جس کسی چیز کے متعلّق ''کُن'' کہا وہ چیز مومن کے سامنے حاضر ہوگئی، تو اِس اَثناء میں کوئی ماضی

کے متعلّق چاہتا ہے تو ماضی آتا ہے، (Future) کے متعلّق، مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے تو مستقبل اُس کے سامنے ٹھہرتا ہے اور حال کے بارے میں تو حال اُس کے سامنے۔ یعنی دُنیا کے مناظر، دُنیا کے مشاہدات اور دُنیا کی چیزیں، دُنیا کے واقعات اور دُنیا کی کیفیت یعنی رُوحانی طور پر "کُن فیکون" کے طور پر انسان کے سامنے موجود ہوتی ہیں، ہر چیز۔ اِس لئے وہ عالمِ امر ہے، اِس لئے وہ لازمان ہے تو لازمان بھی اور زمان بھی، مکان بھی اور لامکان بھی مومن کی رُوح کے سامنے ہے۔ اَب مزید اِس میں تھوڑی سی تشریح یہ کریں گے کہ شاید گزشتہ مجلس میں بھی اِس قسم کی تھوڑی سی بات ہوئی تھی۔

مومن کیا چاہتا ہے؟ مومن سب کچھ چاہتا ہے۔ امامؑ میں سب ہے، امامؑ سب کچھ دے سکتا ہے، تو مومن کے لئے یہ دُنیا بھی ہے اور آخرت بھی ہے، رُوحانیت بھی ہے، جسمانیت بھی ہے، زمان بھی ہے اور لازمان بھی ہے تو سب چیزیں یکجا ہیں۔ قدرتِ خدا میں ساری چیزیں سموئی ہوئی ہیں۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۳۶:۱۲)۔ جب خدا نے یہ ارشاد فرمایا تو تمام امکانیتیں خدا کی نظر میں تھیں، تمام بڑی بڑی چیزیں خدا کی نظر میں تھیں، اُن میں سے کوئی ایک بات ناممکن ہوتی تو خدا کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ہر چیز، ہر چیز امامؑ میں محدود ہے۔ اِس لئے اسماعیلیوں کا جو تصوّر ہے بہشت کے متعلّق وہ بہت بُلند ہے، بہت اُونچا ہے۔ امامؑ بھی یہی چاہتے ہیں کہ مومن کی نگاہ جو ہے بہت بُلندی کی طرف ہو، لوگ کہتے ہیں بہشت یا کہتے ہیں جنّت، جنّت عربی میں باغ کو کہا جاتا ہے۔ پھر وہ سوچتے ہیں بہشت کے متعلّق جیسا کہ قرآن کے ظاہر میں ہے، انار، انگور، میوے، سائے، درخت، (Tents) وغیرہ وغیرہ۔ یہ بہت ہی محدود بات ہے، خدا نے بہشت اور جنّت کا بیشک اِس طرح سے تذکرہ تو [کیا] ہے، لیکن جنّت میں اِس کے علاوہ جو کچھ ہے اُس تک لوگوں کی رسائی کیوں نہیں ہوتی ہے؟ یہ تو بات ہے۔ اگر قرآن میں دو، تین یا دس باتیں ہیں تو ایک ہی بات پر وہ کیوں ٹھہرتے ہیں؟ اُن باقی باتوں کو بھی سمجھنا چاہئے یعنی مرنے کے بعد جو کچھ عالم ہوگا، جو کچھ کیفیت ہوگی، جو نعمتیں خدا کے حضور سے ملنے والی ہیں اُن سب کا ذکر ہے قرآن میں تو رُوحانی سلطنت کا ذکر بھی ہے۔ کبھی کوئی رُوحانی سلطنت کا، رُوحانی بادشاہی کا ذکر کیوں نہیں کرتا ہے؟ کوئی یہ کیوں نہیں سوچتا ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ: لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ (۵۰:۳۵) جنّت میں وہ تمام چیزیں حاصل ہوں گی جو اُن کی خواہش میں ہیں، تو کسی کی خواہش ایسی بھی ہو سکتی ہے کہ وہ دُنیا میں بھی ہو اور آخرت میں بھی ہو، بیک وقت دُنیا کو بھی پائے اور آخرت کو بھی دیکھے، تو خداوندِ عالم نے قرآن کے اندر یہ معیار رکھا ہے، یہ ترازو رکھی ہے اور پَرکھنے کے لئے یہ کسوٹی مقرّر ہے تو اِس کسوٹی سے حقیقتوں کو پَرکھنا چاہئے، یہ اسماعیلی تصوّر ہے۔ ابھی ابھی ایک مقالہ آیا ہے، ہمیں تو ابھی ابھی ملا ہے لیکن اِس کے لئے کچھ وقت لگا ہوگا، لاہور میں سے وہ شائع ہوا ہے، اُس کے اندر امامِ عالی مقام کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ اِس تعریف و توصیف کے درمیان ایک نکتہ ہے، ایک پوئنٹ۔ بہت ہی عالی شان ہے لکھنے والوں نے لکھا ہے، کہ پرنس کریم آغا خان نے مولا علیؑ کے حوالے سے فرمایا کہ عبادت تین طرح کی ہے، تین قسموں میں

ہے۔ایک غلامی کے تصوّر کے تحت ہے کہ خدا کے لئے غلامی کرنی چاہئے، دُوسری عبادت جنّت کی طمع سے ہے اور دوزخ کے خوف سے، تیسری عبادت محض دوستی کے طور پر ہے اور خدا کی محبّت سے ہے، تو پرنس کریم آغا خان نے فرمایا یہ میں دُوسرے لوگوں کے الفاظ کو استعمال کرتا ہوں کہ اُن کو یہ تیسری عبادت پسند ہے۔غلامی کی نہیں، طمع اور خوف کی نہیں، محض دوستی اور محبّت کی عبادت۔کتنی عالی شان بات ہے کہ جب عبادتیں بقولِ مولا علیؑ تین قسم کی ہیں تو اِسی طرح جنّت کی باتیں بھی الگ الگ ہیں، مومن کا نصبُ العین جس قدر بھی اُونچا ہو، جتنا بھی عالی ہو اُس قدر اُس کو زیادہ احساس ہوگا اور اُتنی وہ زیادہ تیاری کرے گا۔کوئی آدمی چھوٹا سا گھر بَسانے کے لئے کوشش کرتا ہے یا چھوٹی سی چیز مہیّا کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے تو اُس کی کوشش بھی اتنی ہی ہوتی ہے اور کوئی شخص دُنیا کے اندر بہت بڑے کام کو سوچتا ہے تو اُس کی قوت بھی اِس طرح سے اُبھرتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ مومن کو مومن کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ ہم مختلف زاویوں سے دُنیا میں کیوں آئے؟ یہ سوال الگ ہے ہم اُس کو نہیں کرتے ہیں فی الوقت لیکن یہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم کو جو مقام ملا ہے وہ بہت ہی عالی ہے۔اچھا! ہم مانتے ہے کہ ہمارا جو مقام ہے وہ بہت بڑا ہے، کیونکہ ہم امامؑ کے گھر میں پیدا ہوئے، امامؑ کے رُوحانی گھر میں پیدا ہوئے یعنی ہم امامؑ کے رُوحانی فرزند کہلائے۔اِس کے کچھ معنی ہیں یا نہیں ہیں؟ یہ سوچنا ہے، اگر ہم امامؑ کے رُوحانی فرزند ہیں تو ہماری ذمّہ داریاں بھی ایسی [ہی] ہیں عام نہیں ہیں، خاص ہیں۔میں نے کبھی ایک مثال پیش کی تھی گو کہ مثال بہت ہی معمولی ہے مگر میرے نزدیک وہ مثال بہت اچھی ہے، میں اُس کو دُہراتا ہوں۔زمانۂ قدیم میں کوئی مکتب تھا یعنی مدّرسہ، سکول، اُس میں چند بچّے پڑھا کرتے تھے، اُن کا کوئی معلّم تھا۔اُن بچوں کے ساتھ ایک شہزادہ بھی پڑھا کرتا تھا تو جو معلم تھا بڑا دانشمند شخص تھا۔وہ بچّوں کو پڑھاتا تھا، دل کھول کے سکھاتا تھا اور ہر ایک کو تعلیم دیتا تھا، مگر بادشاہ کا جو لڑکا تھا یعنی جو شہزادہ تھا سارا جبر اُس پر، ساری تکلیف اُس کو اور بہت ہی اُس پر گویا کہ بظاہر ظلم کرتا تھا، تکلیف دیتا تھا۔آخر کرتے کرتے ایک دن شہزادے سے نہ رہا گیا، وہ اپنے باپ کے پاس اپنے معلّم کی شکایت لے کر گیا اور بہت رویا، بہت شکایت کی، کہا کہ اُستاد جو ظلم ہم پر کرتے ہیں وہ کسی پر نہیں کرتے ہیں، تو بادشاہ نے چند باتیں پوچھیں، پھر اُس کے بعد بادشاہ کے دل میں رحم آیا، اُس کو دل سوزی ہوئی، آخر اُس کا فرزند تھا تو بلایا تو معلّم حاضرِ خدمت ہوا۔پوچھا کہ معلّم جو تم ہماری رعیّت میں سے ہو، ہمارے (Subjects) میں سے اور تم کو وظیفہ ملتا ہے، سب کچھ ہوتا ہے لیکن یہ دُوسروں سے بڑھ چڑھ کر اِس میرے فرزند کو مارنے پیٹنے کا مقصد کیا ہے؟ میں نہیں سمجھتا ہوں۔معلّم نے نہایت ہی ادَب سے عرض کی کہ بادشاہ سلامت مجھے آپ کے شہزادے سے کوئی دشمنی نہیں بلکہ محبّت ہے، میں اِس پر جبر اِس معنی میں کرتا ہوں کہ کل کو دُوسرے لوگ چھوٹے چھوٹے عہدوں پر معمور ہو جائیں گے، چھوٹے چھوٹے کام اُن کے سامنے آئیں گے، لیکن اِس کو حکومت اور سلطنت سنبھالنی

ہے، مجھے معلوم ہے اِس واسطے اِس کے اندر جتنی قوتیں، صلاحتیں ہیں، میں اُن کو اُبھارنے کے لئے، اُن کو اُجاگر کرنے کے لئے کوشاں ہوں۔ میرا مقصد یہی ہے کیونکہ اِس کو تو خصوصی توجّہ سے تعلیم دینی ہے اور خاص طور سے پڑھانا ہے۔

اپنے مطلب کو اچھی طرح سے (Explain) کیا تو بادشاہ خوش ہو گئے تو اُس کو خلعت و نعمت سے نوازا اور اُس کو اچھی طرح سے رُخصت کیا۔ اِسی طرح دُنیا کے اندر ہم یہ بات تو مانتے ہیں کہ ہم شہنشاہ کے فرزند ہیں، اور ہم نے بہت اچھے اچھے کام کرنے ہیں۔ لہٰذا اِس کے لئے، خود کو تیار کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے، اور اپنے کو دُوسروں سے ممتاز سمجھنا چاہئے، دُوسروں سے خود کو ممتاز اور منفرد سمجھنا چاہئے۔ اِس لئے کہ ہم امامؑ کے رُوحانی فرزند ہیں، دُوسروں کو کیا گِلہ کہ اُن کے پاس علم کا، ہدایت کا سرچشمہ نہیں ہے، اُن کے پاس حکمت کے خزانے موجود نہیں ہیں، اُن کے پاس دُرّ و گوہر نہیں ہیں، لیکن ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ اِس واسطے کاش! ہم میں سے ہر ایک اِس بات کو سمجھتا اور کوشش کرتا، محنت کرتا تو ہم بہت ہی کامیاب ہوتے، دیکھیں! جس طرح دُنیا کے معاملے میں، مادّی ترقّی کے لحاظ سے دُنیا کی قومیں مختلف ہیں، آج کی دُنیا میں کچھ ہیں [جو] بہت پیچھے ہے، کچھ ہیں [جو] بہت آگے ہیں، اِسی طرح یہ تو دُنیا ہے اور یہ فرق کیوں ہے؟ اِس لئے کہ کچھ نے تو کوشش زیادہ کی، کچھ نے محنت کم کی تو اَب دین کے معاملے میں قدرتی طور پر ہمیں بہت کچھ کرنا چاہئے اور سب سے آگے بڑھنا چاہئے۔ اِس لئے کہ ہم قدرتی طور پر آگے ہیں تو اِس آگے ہونے کے ساتھ ساتھ ہم کو عملی طور پر یہ ثابت کرنا چاہئے کہ رُوحانیت جو ہے، علم جو ہے، حکمت جو ہے وہ اسماعیلیوں کا وِرثہ ہے، میراث ہے لیکن معلوم نہیں کہ ہم اِس دعویٰ میں یا اِس سلسلے میں کہاں تک صحیح ہیں اور کس حد تک اِس کا اطلاق ہم پر ہوتا ہے، یہ معلوم نہیں ہے کہ علم کو یکجا طور پر آپ پڑھیں مثلاً خانۂ حکمت کی کتابوں کو یکجا طور پر [پڑھیں] تو کیا ہوگا، اِس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یہ بات اِس بات پر روشنی ڈالے گی اور یہ بات تیسری بات پر روشنی ڈالے گی۔ آپ نے کبھی سُنا ہے یا کبھی دیکھا ہے کہ کسی جنگل میں کوئی دیہاتی یا کوئی شکار کرنے والا مسافر جب لکڑی سے آگ جلاتا ہے تو وہ لکڑیوں کو جمع کرتا ہے، ایک لکڑی اکیلی نہیں جَل سکتی ہے، تو اُس کے ساتھ دُوسری لکڑی چاہئے، تیسری چاہئے، چوتھی چاہئے تو بہت ساری لکڑیوں کو جمع کر کے اُس میں آگ لگاتا ہے، تو اُس میں سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اِسی طرح آپ خانۂ حکمت کی جتنی کتابیں ہیں اُن کو (As a whole) پڑھیں، کیونکہ کوئی (Writer) جو لکھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ ہر بات کی اُسی مقام پر اُس کی تفصیل ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی ایک مقام پر تھوڑی سی اُلجھن ہوتی ہے، لیکن اگر اُس کے پاس علم ہے تو آگے چل کر کسی دُوسرے موقع پر پھر وہ اپنی اُس بات کی تشریح کرتا ہے جس کی بروقت تشریح نہیں ہوسکی تھی۔ مثلاً خانۂ حکمت کی کتابیں آپ پڑھیں گے تو وقتی طور پر کسی ایک کتاب کے پڑھنے سے ہوسکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں کچھ سوالات اُبھریں لیکن اِس سے کوئی مایوسی کی بات نہیں ہے۔ آپ پڑھیں، جتنا آتا ہے اور جو نہیں آتا ہے اُس کو چھوڑیں اُس کے لئے آپ فکر نہ کریں۔ آپ دُوسری کتاب پڑھیں، تیسری

کتاب پڑھیں، سب کتابیں پڑھیں ۔ پھر دُوبارہ اُس کتاب کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں ۔ پھر دیکھ لینا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں وہ سب باتیں جو ہیں اُبھریں گی اور جو اُلجھن تھی وہ سُلجھ جائے گی اور کوئی گرہ باقی نہیں رہے گی، ساری گرہیں کُھل جائیں گی تو اِسی طرح آپ کو (Idea) ملے گا، آپ کو علم آئے گا، آپ کو کافی چیزیں مہیّا ہو جائیں گی ۔ باور کرنا چاہئے کہ خانۂ حکمت کی اتنی ساری کتابیں ہیں، اُن کو یکجا طور پر پڑھیں گے تو ضمانت ہے اِس چیز کی کہ آپ کو علم مل جائے گا، بہت سے سوالات حل ہو جائیں گے اور بہت کچھ علم مل جائے گا، بہت کچھ علم مل جائے گا۔ آپ کو وہی علم ملے گا جو اسماعیلیت کا علم ہے، امامؑ کا علم ہے، وہی علم جو ماضی کے بزرگوں نے پایا کیونکہ اسماعیلیت میں وہی ایک علم ہے اور ایک ہی رستہ ہے ۔ یہ ایک مشورہ ہے، اِس کے علاوہ ایک اور چیز جو اِس سے بھی ذرا باریک ہے، وہ یہ کہ کتابوں کے مطالعے کے دوران ایک چھوٹا سا معجزہ ہوتا ہے ۔ آپ کو تعجّب ہوگا یا سوچنے لگیں گے کہ شاید میں اُبھارنے کے لئے کہتا ہوں، یہ بات نہیں ہے ۔ ہمیں جعلی باتوں سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس حقیقت کی بہت ساری دولت ہے جو اگر (Use) کریں گے، تو اُسی کو (Use) کریں گے اور اِس کے سوا کچھ (Use) نہیں کریں گے ۔ آپ کو چھوٹا سا معجزہ ہوگا، کہ وہ معجزہ بڑا شاندار ہے اور بہت ہی وہ معجزہ کام کرے گا، وہ کیسا معجزہ ہے؟ آپ اکثر و بیشتر عبادت اور بندگی کے بعد تھوڑا سا وقت بچا کر کسی کتاب کو اِس سرے سے شروع کر کے اُس سرے تک پڑھنے کے لئے تہیہ کر لیں، لیکن آپ کو کس طرح بیٹھنا چاہئے؟ بہت آرام سے بیٹھنا چاہئے جس طرح عبادت کے لئے بیٹھتے ہیں، سکون سے بیٹھیں، کتاب کو بہت باریکی سے اِس اُمید سے پڑھیں کہ اُوپر سے کوئی روشنی آئے گی، وہ آپ کی مدد کرے گی، عقلی قسم کی روشنی ۔ آپ پڑھتے ہیں، کسی مسئلے پر ٹھہرتے ہیں، تھوڑا سا سوچتے ہیں، پھر پڑھتے ہیں، پھر سوچتے ہیں اور یعنی آپ کا جو دل ہے وہ علم کے آسمان سے یعنی امامؑ سے یاری چاہتا ہے ۔ اِس طرح کرتے کرتے ایک دن آئے گا جس میں کہ یکا یک آپ کے دل کے اندر کوئی چھوٹی سی چیز پیدا ہوگی، دل میں ایک دھکا سا لگے گا جو خوشیوں کا، مسرّتوں کا ہے کہ آسمانِ رُوحانیت سے ایک ذرّہ آئے گا ۔ اُس ذرّے کے اندر کوئی آواز نہیں ہوگی اور نہ کوئی نمایاں روشنی ہوگی، نہیں ہوگی لیکن اُس کے اندر مسرّت و شادمانی کی ایک چھوٹی سے لہر ہوگی، وہ لہر آپ کے دل کی سطح کو چھوئے گی اور جو آپ کے سامنے (Thinking) کے لئے کوئی چھوٹا سا نکتہ تھا وہ یکا یک ایک دم سے حل ہو جائے گا ۔ ہوسکتا ہے کہ پہلے دن آپ کو اِس کا احساس نہ ہو تو اِس طرح کرتے کرتے ایک دن آپ کو خیال آئے گا کہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ کسی نکتے پر ٹھہر کے سوچ رہے تھے اِس اُمید سے سوچ رہے تھے کہ بزرگانِ دین کو جو تائید حاصل تھی، جو رُوحانی مدد مل رہی تھی اور جو آواز کے بغیر یعنی جو امامؑ کی ہدایت کی جو کرن ہے وہ دل پر کس طرح پڑتی ہے اور دل کی سطح کو ہدایت کی کرن کس طرح چھوتی ہے اِن تصوّرات سے، اِن خیالات سے آپ کسی نکتے پر سوچ رہے تھے کہ یکا یک وہی دھکا لگا جو خوشیوں کا ہے اور مسرّتوں کا ہے، خوشی کی ایک

لہر دوڑی، پھر آپ پُر اُمید ہو گئے اور سوچنے لگے، آہستہ آہستہ تائید حاصل ہو گی، تائید حاصل ہو گی۔ آپ اِس زبانی بات کے علاوہ کتاب میں بھی اِسی چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں تو میں کتاب کا نام آپ کو بتاؤں گا جو بہت مستند کتاب ہے، بڑی کتاب ہے۔ آپ کتابِ وجہِ دین کو جو آج کل اُردو میں دستیاب ہے لیکن ہمارے پاس نہیں ہے، دوستوں کے پاس لائبریری میں اور ہر جگہ پر ہے، ایک بار چھپی تھی وہ تقسیم ہو چکی ہے، اَب نہیں ہے، اُس کو لیں اور اُس (Chapter) کو پڑھیں جہاں پر کہ اِس کا ذکر ہے کہ مومن کو کس طرح رُوحانی مدد علم کے دوران ملتی ہے اور رُوحانیت کا دروازہ کس طرح کھلتا ہے؟ [صفحہ نمبر ۶۹] ان باریکیوں کو سمجھیں، اِس کورس کو کریں تو تب ایک دن مکمّل طور سے رُوحانیت کا دروازہ کُھل جائے گا۔ اِس کے بغیر کس طرح رُوحانی ترقّی ہو سکتی ہے؟ کسی ایک چیز میں مزہ آوے، لذّت حاصل ہو، خوشی ہو، احساس ہو کہ رُوحانیت کا راستہ اِس طرح سے ہے تو ہو جائے گا۔ بہت سے مومنین نے ذاتی طور پر اِس چیز کا تجربہ کیا، مشاہدہ کیا، یہ تو میں ایک بہت معمولی مثال بتاتا ہوں، رُوحانیت صرف یہی نہیں ہے کہ آپ کو یقین ہے کہ ہزاروں، لاکھوں باتیں ہیں تو ہم ایک ہی مجلس میں سب باتیں کس طرح بتا سکتے ہیں؟ آپ میں سے بہت سے عزیزان ہیں جنہوں نے رُوحانیت کی بہت ساری باتیں، انقلابات، معجزات اور ایسی چیزیں سُنی ہیں تو پھر وقت آئے گا تو اُن کا بھی تذکرہ کریں گے لیکن ضمناً یہ بات آ گئی کہ کس طرح کتاب کے اندر تائید، آسمانی تائید، رُوحانیت کے آسمان سے کس طرح تائید نازل ہوتی ہے، اِس کے لئے تو یہ ہوتا رہتا ہے۔

قرآن میں [سے] ایک اور نکتہ، میں آپ کو بتاؤں کہ قرآن میں ہے کہ پہلے تم ذِکر کرو اور پھر فکر کرو (۳:۱۹۱)۔ آپ میں سے یہ پوئنٹ جن کو چاہئے، یہ آیت جس کو چاہئے میں انڈیکس سے بتاؤں گا اور وہ ریفرینس بھی بتاؤں گا، اب میں اِس کی وضاحت بھی کرتا ہوں کہ خدا کیوں فرماتا ہے کہ پہلے ذِکر کرو پھر فکر کرو؟ پہلے فکر کیوں نہ کریں بعد میں ذِکر کیوں نہ کریں؟ کہ پہلے ذِکر کریں اور پھر فکر کریں، البتہ خدا کے حضور میں اِس کی کوئی وجہ ہے اِس لئے خدا ذکر کو آگے رکھتا ہے اور فکر کو بعد میں رکھتا ہے۔ بالکل صحیح ہے تو فکر کریں، کس چیز میں کریں؟ ہم کئی طرح سے اس فکر کو کر سکتے ہیں، اِس فکر سے جو ذِکر کے بعد ہے اِس نورانی فکر سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اگر ہم رُوحانیت کے کسی مقام تک پہنچے ہوئے ہیں تو ہم اسپیشل بندگی کر کے پھر بیٹھ سکتے ہیں، تصوّر میں یا کسی علمی مسئلے میں، دینی مسئلے میں تو یکا یک ہمارے سامنے جو گرہ تھی وہ کُھل جائے گی۔ یہ ہوا پہلے ذِکر اور پھر فکر کرنا، مطلب یہ کہ عبادت کی طاقت سے ہم کو آسمانی تائید حاصل ہو گی، عبادت کے نتیجے میں، تو ہم یہ فکر جو ہے کتاب پر بھی کر سکتے ہیں اور کتاب کے بغیر بھی ایسا ہی ہے۔ جب خداوندِ عالم نے کہا کہ پہلے ذِکر کرو پھر فکر کرو تو ہم پہلے پہل اِس فکر کو یوں کر سکتے ہیں کہ ہر بار ہماری عادت یہ ہونی چاہئے کہ یا تو شام کو سونے سے پیشتر ایک بہت عمدہ اور پسندیدہ رُوحانی قسم کی کتاب ہم اپنے پاس رکھیں، چاہیں آدھا صفحہ پڑھیں یا پورا صفحہ پڑھیں، تھوڑا سا اُس کو پڑھیں یا یہ کہ صبح جو ہم عبادت کرتے ہیں اُس کے بعد اگر دو منٹ ہمارے پاس ہیں تو دو منٹ بالکل آرام سے بیٹھیں اور ایک صفحہ پڑھیں۔ زیادہ نہیں لیکن ایک

صفحہ اِس طرح سے نہیں پڑھیں، بالکل آہستہ سے پڑھیں اور کسی پوئنٹ پر رُکیں اور ہمارا مقصد تھوڑا سا دباؤ ڈالنا ہے۔ اندر جو ہمارے حواس ہیں، جو (Inner Senses) یا (Inner Abilities) ہیں اِن کو اُجاگر کرنے کی ہم مشق کریں تو اِس طرح سے ہمارے اندر کی جو قوتیں ہیں وہ کام کرنے لگیں گی۔ دیکھیں! ہمیں اسپیشل عبادت میں آنکھ بند کرنے کے لئے کہا گیا ہے، زبان بھی بند کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے، کان بھی بند کرنے کے لئے کہا گیا ہے، کان میں تو اُنگلیاں نہیں دیتے ہیں ہم، اور آنکھوں پر پٹی نہیں باندھتے ہیں، منہ کو بھی کسی چیز سے نہیں باندھتے ہیں۔ بس توجّہ کو اپنے باطن کی طرف یا اپنے اندر جو ہم پڑھ رہے ہیں اُس کی طرف مرکوز کرتے ہیں، یہ ہوا آنکھوں کو بند کرنا، اور آنکھوں کو چونکہ ایسی ہوسکتی ہیں، لیکن کان کے اُوپر کچھ پردہ نہیں ہے کہ جس طرح آنکھیں بند کرتے ہیں کان کو بند کریں یا اِن میں روئی ٹھونسیں، یہ بات نہیں ہے۔ مُنہ دیکھیں کہ یہ بند ہوسکتا ہے اور آنکھ دیکھیں کہ قدرتی بات ہے کہ اِس کے بھی ڈھکنے ہیں اور زبان دیکھیں کہ تالو سے لگ سکتی ہے مگر کان کے لئے تو کچھ نہیں ہے۔ یہ ہے کہ بس صرف اپنی توجّہ کو، اپنے باطن کی طرف مرکوز کریں۔ یہ کیوں؟ اِس لئے کہ اِن حواسِ ظاہر کو جب ہم بند کریں گے اور اِن کو (Use) نہیں کریں گے تو اُمید ہوسکے گی کہ ہمارے اندر جو آنکھ ہے وہ کُھل جائے اور ہمارے باطن میں جو کان ہے وہ کام کرنے لگیں گے اور جو زبان ہے اندر اُس کے لئے (Turn) ملے، نوبت ہو، وقت ملے۔ اِسی طرح جب ہم مسائل میں اور خصوصاً کتاب کے اندر جو مسائل ہیں، جو پوئنٹس ہیں اُن پر رُکتے نہیں ہیں، سوچتے نہیں ہیں اور بھاگتے ہیں تو پھر کس طرح تائید آسکتی ہے؟ ہمارا سوچنا گویا کہ ایک طلب ہے، ایک (Demand) ہے اور دل میں یہ محتاجی رکھنی چاہئے کہ خداوند ہم اِس لئے سوچ رہے ہیں کہ یہاں پر تیری یاری آوے۔ مومن کی یہ عادت ہونی چاہئے، مومن کا یہ اُصول ہے، تو آپ یعنی کتابِ وجہ دین کو دیکھیں کہ کس طرح تائید کو حاصل کرتے ہیں۔

یہ سب چیزیں جو ہیں تعلیم کی ہیں، (Training) کی ہیں، بتانے کی ہیں۔ جب تعلیم نہیں ہوگی، جب تربیت نہیں ہوگی، جب سکھلائی نہیں ہوگی تو رُوحانی ترقّی کس طرح ہوسکتی ہے؟ اور اگلے زمانے میں حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے زمانے میں اور اب بھی بڑے کام کے لئے اگر بول مقرر ہے تو اِس بول کے ساتھ ساتھ بڑے کام کی مجلس ہوتی ہے۔ بڑے کام کی مجلس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک تجربہ کار (Missionary) ہو۔ میں یہ (Proof) کے طور پر یعنی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ امامؑ صرف یعنی اِذن دے کر مومنین کو رکھ دیتے ہیں، چھوڑ دیتے ہیں یا کہ مزید پرورش کرتے ہیں، تو اِس کے سلسلے میں جو اسماعیلیت میں اُصول ہے اُس اُصول کو اُجاگر کرکے آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، آپ دیکھتے ہیں کہ کتنی اور مزید کوششیں [کرنی] ہیں۔ پہلے بھی ایسا تھا، اُس زمانے کے مطابق بہت تجربہ کار واعظین ہوا کرتے تھے، وہ جماعتوں کو بڑے کام کے سلسلے میں حوصلہ افزا لیکچر یا واعظ کرتے تھے اور اَب بھی ایسا ہے۔ جب تقاضا یہ ہے، جب کوشش یہ ہے تو یہ ایک مثال ہے ہم اپنے طور سے بھی مزید کوشش کرتے ہیں، مزید کوشش کرنے میں کوئی حرج

نہیں ہے۔ایسا نہ ہوکہ ہم جماعت خانے سے باہر نکلیں تو اُس چیز کو گھٹائیں، ایسا ہونا چاہئے کہ جماعت خانے میں جو ہمارا اُصول ہے، جو عبادت کرتے ہیں، جو ہم کو علم ملتا ہے اُس میں تھوڑا سا اضافہ کریں اور اُس کو تقویت دیں، یہ اُصول صحیح ہے جس طرح آپ کسی یونیورسٹی میں جاتے ہیں، کالج جاتے ہیں تو ساری تعلیم وہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے، بہت کچھ کالج کے باہر، یونیورسٹی کے باہر کرنا پڑتا ہے، تو کالج سے کون انکار کرسکتا ہے؟ لیکن اِس کے سوا بھی جہدوجہد کی ضرورت ہے، (Coaching) کی ضرورت ہے، (Tutor) کی ضرورت ہے، (Tution) کی ضرورت ہے، پڑھائی کی ضرورت ہے، محنت کی ضرورت ہے، تب ہی تو کامیابی ہوسکتی ہے اور اِس کے سوا بہت مشکل ہے۔اِس لئے یہ اِس کو (Coaching) سمجھیں یا (Tution) سمجھیں، یہ ایسی چیز ہے اور اِس کے سوا اِس کی اور کچھ حیثیت نہیں ہے، تو بہرحال آپ ملیں بہت ہی خلوص سے، نیک نیتی سے ملیں اور اِس میں یہاں جو کچھ علم ملتا ہے اِس کو حاصل کریں اور عبادت کی جو مشقیں ہیں اُن سے استفادہ [حاصل] کریں، تجربہ کریں۔

دیکھیں! آج کل ریسرچ ہورہی ہے، ہر چیز کی ریسرچ ہورہی ہے۔ایک لحاظ سے دیکھا جائے یہ بھی ریسرچ ہے، ایک تجربہ ہے، (Experiment) ہے یا (Experience) ہے تو اِن چیزوں کے نتیجے میں اور ماشاءاللہ یہاں تو خلوص پایا جاتا ہے۔ بالکل ہم سب کی توجّہ امامؑ کی طرف ہے، امامؑ ہی ہمارا قبلہ ہے۔قبلۂ مقصود وہی ہے اور اُس کے سوا ہمارا کوئی قبلہ نہیں ہے، یعنی دل کا قبلہ وہی ہے۔ یہاں جو کچھ بھی کہا جاتا ہے تو وہ امامؑ کے حضور کی طرف کہا جاتا ہے، اُس کے سوا نہیں۔دُنیا کے اندر دیکھیں کہ کتنی مجلسیں ایسی ہیں جو غیروں کی مجلسیں ہیں، جب لوگوں کو اپنے کھانے کا مزہ نہیں آتا ہے، اور اُن کے گھر میں کافی کھانا نہیں ہوتا ہے تو دُوسروں کے دسترخوان پر جا بیٹھتے ہیں۔آپ نے سمجھا! آپ نے سمجھا میرے مطلب کو؟ دیکھیں یعنی اپنے گھر میں کھانا ہم کو ملنا چاہئے، یہ گھر کا کھانا ہے۔میرا مقصد ہے کہ ہم کو دُوسروں کی طرف محتاجی کی نظروں سے نہیں دیکھنے کا، کہ ہم کو حقیقت کی کوئی بات ملے گی، کیا ملے گی! کیا ملے گی! حقیقت کی بات تو امامؑ کے حضور میں ہے، امامؑ کے مذہب میں ہے، امامؑ کے ادارے میں ہے، امامؑ کے نمائندوں کے پاس ہے، امام کے پاس ہے، امام کی راہ سے یہ حقیقت ہم کو ملتی ہے اور ملے گی، اور سب کو، سب اسماعیلیوں کو، سب مخلصوں کو ملے گی لیکن ہمیں بالکل امامؑ ہی کی طرف متوجّہ ہونا ہے اور اُس کے سوا نہیں۔اُس کے سوا نہیں، نہیں تو شرک ہوگا یعنی امامؑ کے سوا اگر دُنیا کے اندر ہم مانتے ہیں کہ علم کا کوئی سرچشمہ ہے، تو اس وقت یہ بات صحیح نہیں ہے، ہمارے دل کے اندر شرک ہے اور ہم کو بس یعنی امامؑ چاہئے اور امامؑ کا راستہ، امامؑ کا علم، امامؑ نے جو کچھ دیا ہے وہ، اِس کے سوا نہیں۔میرے کہنے کا مقصد کسی ایک فرد کی طرف نہیں ہے، میں سچ کہتا ہوں۔دیکھیں کہ دُنیا کے اندر ہر شخص کتنی کوشش کرتا ہے، کتنی چیزیں ہیں، بظاہر دلفریب لگتی ہیں، بظاہر اُن میں کشش نظر آتی ہے، دیکھیں کسی غیر کو دیکھیں کس طرح وہ تصنّع سے کام لیتا ہے یعنی بناوٹ سے کام لیتا ہے،

الفاظ کو دیکھئے، لہجے کو دیکھئے، اندازِ بیان دیکھئے، طرزِ تقریر کو دیکھئے، بہت ہی دل نشین بظاہر، بہت ہی بھلی، بہت ہی اچھی لیکن کیا ہے۔ گھاس پھوس کو آپ (Machine) میں (Press) کریں تو [کیا] اُن میں سے عطر نکلے گا؟ (Perfume) بنے گا؟ تیل پیدا ہوگا؟ یا (Sugar) نہیں! نہیں! کچھ بھی نہیں!۔ وہ عطر وہاں ہے جہاں پھول ہے، وہ تیل وہاں ہے جہاں مغز ہے، کوئی نادان ہوگا جو گھاس پھوس کو (Press) کرتا ہے تیل پیدا کرنے کے لئے، تو جس چیز میں خوشبو ہے اُس کو جاننا چاہئے اور جس چیز میں تیل ہے، جوہر ہے، سَت ہے تو جاننا چاہئے اور جو چیز دوا کی ہے اُس کو سمجھنا چاہئے۔

یہاں جو بھی صاحبان بیٹھے ہیں اُن کا علمی معیار بہت ہی بُلند ہے، اِس لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ اعلیٰ اور پُرحکمت یا کہ تاویلی باتیں بتانی پڑتی ہیں۔ اِس مجلس میں کوئی چھوٹی سی بات نہیں چلتی ہے، تو میں آپ کو قرآن کے حوالے سے کچھ باتیں بتاؤں گا اور ہمارے صدرِ عالی قدر نے یاد دلایا تھا کہ میں نے کبھی کہا تھا کہ قرآن سے کچھ خاص باتیں بتاؤں گا، خاص باتیں بھی بہت ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ ایک سوال یہ میں اُٹھاؤں گا کہ جس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو یہ خیال پیدا ہوا تھا [تو انہوں نے کہا] کہ خداوندِ ربّ العزّت! دُنیا میں، زمانے میں کوئی ہے جو بہت زیادہ جانتا ہو، جو علم تو نے مجھے عنایت کر دیا ہے اور جو عزّت دی ہے یہ تو بہت زیادہ ہے لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ علم میں اور حکمت میں کوئی ایسا ہے تاکہ میں اُس کو دیکھوں اور جانوں۔ جب موسیٰؑ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تو خداوندِ عالم نے فرمایا تھا کہ: دیکھو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر میرا ایک بندہ ہے، اُس سے جا کر ملو، اُس کو میں نے بہت علم دیا ہے [۱۸:۶۰۔۸۲]۔ ہم اِس سارے قصّے کو چھوڑتے ہیں لیکن سوال کی صورت میں یہ بات کرتے ہیں کہ دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ سے کیا مُراد ہے؟ چاہئے تو یہ تھا خداوندِ عالم کسی شہر کا، کسی قصبے کا، کسی گاؤں کا، کسی مقام کا نام لیتا تو وہ بندۂ خاص اُس مقام پر کچھ لوگوں کے درمیان ہوتا ہے، تو خدا نے ایسے بہت جاننے والے شخص کو دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر رکھا، اِس کے کیا معنی ہیں؟ ہم اِس کو سوال کی صورت میں اِس لئے پیش کرتے ہے کہ خدا کی باتیں جو ہیں وہ انسانوں کی باتوں کی طرح نہیں ہیں، خدا حکمت کے بغیر کوئی بات ہی نہیں کرتا اور ہمارے لئے چونکہ ہم خانۂ حکمت والے ہیں، ایسے ایسے سوالات کی طرف توجّہ دینے کی ضرورت ہے، جب تک ہم توجّہ نہیں دیں گے اور اِس کو سوال کی صورت میں پیش نہیں کریں گے تو جستجو کا جو مادّہ ہے وہ اُبھرے گا نہیں۔ آپ سے سوال کرنے کا مقصد صرف توجّہ ہی دلانا ہے کیونکہ کوئی بھی بات سوال کی صورت میں پیش کریں تو اُس کی اہمیّت ہوتی ہے اور وہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے، تو دیکھئے! خداوندِ عالم نے اِس ایک لفظ کے اندر سارے مطلب کو سمو دیا ہے۔ جہاں دُنیا ایک سمندر ہے تو وہاں آخرت ایک سمندر ہے، پیغمبروں کو اور اعلیٰ ہستیوں کو وہاں تک رسائی چاہئے جہاں دو سمندر آپس میں ملتے ہیں۔ رُوحانیت ایک سمندر ہے، تو جسمانیت ایک سمندر ہے، بشریت ایک سمندر ہے تو ملکوتیت یعنی فرشتگی ایک سمندر ہے، خداوندی کا تصوّر ایک سمندر ہے تو عبودیت یعنی بندوں کا مقام ایک

سمندر ہے، خیر یعنی بھلائی ایک سمندر ہے تو شر اُس کے مقابلے میں دُوسرا سمندر ہے اور قصّہ تو آپ نے سُنا ہے کہ اُس بزرگ نے کام بھی ایسے کئے جس سے ثبوت ملتا ہے کہ وہ واقعاً اُسی مقام پر تھا جہاں پر کہ دو متضاد چیزیں آپس میں ملتی ہیں، جیسے رُوحانیت اور جسمانیت یا جیسے خیر اور شر وغیرہ۔

دوسری چیز، آپ نے کبھی سورۂ رحمان کا کورس کیا تھا اور بعض عزیزان اَب تک اُس میں سے (Discuss) کرتے ہیں یا کوئی بھی بات سامنے لاتے ہیں۔ اُس کے اندر جو عروس القرآن ہے اور یہ ٹائیٹل مولا علیؑ نے دیا ہے، اُس میں فرمایا گیا ہے کہ جنّت میں جو میوے ہیں وہ جوڑیوں میں ہیں یعنی ہر میوے کے یا تو دو رُخ ہیں، دو پہلو ہیں یا یہ کہ ہر میوے کے دو حصّے ہیں یا یہ کہ ایک ہی پھل دو رنگوں میں ہے یا یہ کہ ایک ہی پھل کے اندر دو معجزے ہیں یعنی دونوں رُخ کے، یہ نکتہ آپ ذہن میں رکھیں تا کہ ہم آگے چل کر کچھ اِس کا جواب نکالیں، تو اِدھر دو سمندروں کے آپس میں ملنے کا ذکر اور اُدھر بہشت میں دو دو میوے ہیں، جوڑے جوڑے ہیں۔ اِس میں کہ ایک میوہ ایک رُخ کو پیش کرتا ہے تو دُوسرا میوہ دوسرے پہلو کو بتاتا ہے۔ اِس کے علاوہ سورۂ یٰس میں ایک آیت ہے جس میں خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ (۳۶:۳۶) تو خداوندِ عالم نے جو خود سبحان ہے، پاک ہے، منزّہ ہے کہ اُس کا نہ تو کوئی مدِّ مقابل ہے، نہ کوئی ضدّ ہے، نہ کوئی شریک ہے، نہ کوئی ہمسر ہے اور اُس کے سوا خداوندِ عالم نے تمام چیزوں کو آمنے سامنے (Opposite) بنایا ہے یا کہ ضدّ بنایا ہے یا کہ جوڑا بنایا ہے مثلاً آسمان اور زمین، دُنیا اور آخرت، غریبی اور امیری، زندگی اور موت، خیر و شر اور اِسی طرح کی [چیزیں]، آپ تمام چیزوں کو اسی حالت میں پائیں گے تو خداوندِ عالم اِس ارشاد کے اندر اِسی کا ذکر فرماتا ہے۔ دیکھا ہم کچھ ایسی باتیں کر کے آگے چل کر ایک بہت اُونچی اور اعلیٰ درجے کی بات بتانا چاہتے ہیں، اِس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں۔ اِب چلئے وہی بات بتائیں جس کے لئے ہم (Ground) کو صاف کر رہے ہیں۔ کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ یہاں سے عالمِ رُوحانیت میں چلے جانے کے بعد کچھ عرصہ رہ کر پھر لَوٹ کر دُنیا میں آئیں؟ یا یہ پسند کریں گے کہ قطعاً وہاں رہیں اور تیسری حالت، کیا یہ پسند کریں گے کہ آپ دُنیا میں بھی آئیں اور آخرت میں بھی رہیں؟ اور غالباً آپ یہی چاہیں گے بجائے اِس کے کہ آپ ایک ہی اعلیٰ چیز کو پسند کریں، دو اعلیٰ چیزوں کو پسند کریں گے کہ بادشاہی جو ہے وہ وسعت میں ہوتی ہے۔ بہت لمبی چوڑی ہوتی ہے۔ دُنیا میں اِس لئے آئیں گے کہ دُنیا میں کامیابی سے آنا اُس میں بھی، بہت کارنامہ بھی ہے، مہم جوئی بھی ہے اور بہادری بھی ہے، خدمت کا موقع بھی ہے اور اِس میں جو ہماری زندگی ہے اِس میں تجدید بھی ہوتی ہے اور آخرت میں اِس لئے کہ وہاں راحت ہے، آزادی ہے، آسائش ہے وغیرہ۔ پھر آپ سوال کریں گے کہ بیک وقت دو متضاد چیزوں کو (Cover) کرنا یہ کس طرح ممکن ہے؟ یہ ممکن ہے اور خدا کی رحمت سے بہت ہی آسان ہے۔ خدا نے ایک مخفی کتاب ہے اُس کے اندر فرمایا

کہ کوئی چیز ناممکن نہیں ہے اور یہ بہت ہی مخفی کتاب ہے، وہ رُوحانیت کی کتاب ہے اور یہ اسماعیلیوں کے لئے ہے، کوئی چیز ناممکن نہیں ہے، ہر چیز ممکن ہے۔ کسی نے امامؑ کے خاندان کے حوالے سے بتایا تھا کہ امامؑ کے خاندان میں سے یہ بات نکلی ہے کہ اسماعیلیوں کی (Dictionary) میں (Impossible) یا کہ ناممکن کا لفظ ہی نہیں ہے، تو میں کہہ رہا تھا کہ بیک وقت دُنیا میں اور آخرت میں۔ آپ گلشنِ خودی کی کتاب کو ذرا غور سے پڑھیں، اُس میں یہ ذکر آیا ہے، اِس کے اِشارے ہو چکے ہیں: تن چو سایہ بر زمین و جانِ پاکِ عاشقان در بہشتِ عدن تجری تحتھا الانہار مست ہماری زندگی دُہری ہے، ہماری شخصیت دُہری ہے۔ ایک یہ کہ ہم یہاں زمین پر رہتے ہیں، ایک یہ کہ ہم عالمِ بالا میں رہتے ہیں اور بیک وقت یہ ہو رہا ہے۔ یہ زندگی سائے کی طرح ہے، (Shadow) کی طرح ہے، وہ زندگی جو ہے وہ (Real) ہے، اصل ہے، حقیقی ہے، ہماری دو انائیں ہیں، وہ انائے عُلوی ہے اور یہ انائے سفلی ہے۔

آپ فکر کیوں کرتے ہیں کہ مر جائیں گے، ہم زندہ ہو جائیں گے، نہیں مریں گے اور اُس وقت ہماری آنکھ کُھل جائے گی۔ امامؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: مومن جب مرے گا تو بہت سی وسعتوں کو پائے گا اور زندگی میں وہ قیدی ہے، جب مرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا [امام آقا سلطان محمدؐ شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا: مومن کے لئے دنیا قید خانہ ہے، مومن جب دنیا سے فوت ہو جاتا ہے تب قید خانے سے نکل کر باغیچے میں جاتا ہے۔ اس کے لئے دل گیر (غمزدہ) مت ہونا، زنجبار ۲، ۹۔ ۱۹۰۵ء]۔ قیدی اِس معنی میں کہ اِس وقت ہماری جو نظر ہے، ہماری جو نگاہیں ہیں وہ بہت ہی محدود ہیں اور آزادی اِس (Sense) میں کہ جب ہم اِس پردے سے آگے بڑھیں گے تو خود کو یہاں بھی پائیں گے اور وہاں بھی یہ ہے۔ اِس چیز کو سمجھنے کے لئے مزید تشریح یہ ہے کہ ہر مومن یہ یقین رکھ سکتا ہے اور ہر مومن کی یہ اُمید ہے کہ وہ اپنے مولا سے ملے گا۔ میں سوال کروں گا کہ مولا دُنیا میں ہے یا آخرت میں؟ جسمانیت میں ہے یا رُوحانیت میں؟ یا یہ کہ وہ ہر جگہ ہے؟ آپ اعتقادی طور پر یا علم کی روشنی میں مانیں گے کہ امامؑ تو ہر جگہ پر ہے جسم میں یہاں ہے اور نور میں وہاں ہے، کیونکہ وہ محیط ہے اور بسیط ہے، آپ بھی تھوڑا تھوڑا بسیط اور محیط ہو سکتے ہیں۔ دیکھیں! آپ تصوّرات میں جب جاتے ہیں اور سوچتے ہیں تو آپ بہت سی چیزوں کو (Cover) کرتے ہیں، خیال ہی خیال میں، تو اِس طریقِ کار سے امکانیت ظاہر ہوتی ہے کہ اگر اِسی چیز کی ترقّی ہو اور یہی چیز رُوحانیت میں جائے تو کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جب آپ سوچتے ہیں تو خود کو کہاں نہیں پاتے ہیں، بہت دُور دراز، اور آپ کے ذہن میں، تصوّر میں بہت ساری چیزیں محفوظ ہیں۔ آپ چاہیں تو آنکھیں بند کر کے کسی علاقے کا تصوّر کر سکتے ہیں، کسی شخص کا تصوّر کر سکتے ہیں، تو ذہنی طور پر یا تصوّراتی طور پر اُس کو آپ اپنے دماغ کے اندر لاتے ہیں تو گویا کہ اِس طرح آپ حاوی ہو جاتے ہیں، بسیط ہو جاتے ہیں۔ جب ہم یہ کر سکتے ہیں اور اِس کی مثال یا کہ اِس کا نمونہ ہمارے اندر موجود ہے تو پھر امامؑ کی کیا شان ہو گی؟ ذرا تصوّر کریں کہ آپ جب امامؑ سے ملیں گے اور امامؑ کے ساتھ ایک ہو جائیں گے تو میرا

یقین ہے کہ آپ دُنیا میں بھی ہوں گے اور آخرت میں بھی ہوں گے اور یہ جو بات جو ہم نے کی کہ ہم محدود نہیں ہیں کہ آخرت میں جائیں بلکہ ہم دُنیا میں بھی ہیں کیونکہ امامؑ ہر جگہ پر ہے، وہ جسمانیت میں، شخصیت میں دُنیا میں ہے اور وہ اپنی پاک رُوح میں، اپنے پاک نور کی رسائی میں وہ عالمِ بالا پر ہے کہ جیسے قرآن میں ہے کہ: ایک پاک درخت ایسا بھی ہے کہ جس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہیں اور شاخ آسمان کو پہنچی ہوئی ہے (۱۴: ۲۴۔ ۲۵) تو اِس سے امامؑ کی ہستی مُراد ہے، اِس سے امامؑ کا وُجودِ مبارک مقصود ہے تو آسمان سے رُوحانیت مُراد ہے اور زمین سے دُنیا اور جسمانیت مُراد ہے، تو مطلب اِس کا یہ ہوا کہ امامؑ رُوحانیت میں بھی ہیں اور جسمانیت میں بھی، اور لگے ہاتھ میں اِس کے ساتھ ساتھ دوسرے جنم کا بھی ذرا ذکر کروں۔ دوسرا جنم صحیح ہے لیکن اُس کے سمجھنے میں ذرا فرق ہے، کیا ضرورت ہے کہ دوسرے جنم کے لئے ہم مریں تو پھر آہستگی سے ہماری دُوسری (Personality) [یا] شخصیّت بن جائے؟ ابھی سے (In advance) ہماری شخصیّت کیوں تیار نہیں ہوتی ہے؟ جس طرح کہ امامؑ جب اپنا نور دُوسری شخصیّت میں منتقل کر دینا چاہتے ہیں تو وہ شخصیّت (Already) تیار ہوتی ہے، یعنی امامؑ کا جو فرزند [ہے]، وہ پہلے سے ہی تیار ہوتے ہیں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہمیں دُنیا میں آنا ہوا، جب مر جائیں گے تو پھر کافی عرصے کے بعد کہیں کوئی بچّہ پیدا ہوگا تو اُس میں سے ہمارا ظہور ہوگا، یہ بات نہیں ہے۔ رُوح ایک (Limited) ذرّہ نہیں ہے اور رُوح لطیف اور بسیط ہے، بسیط کا مطلب وہ شئ جو ہر جگہ پر ہے، ہر جگہ کہنا، یہ کوئی بڑا لفظ نہیں ہے۔ رُوح مکان اور لامکان سے ماوریٰ ہے، مکان سے بھی اور لامکان سے بھی اُوپر ہے، یہ تو ایک صوفی نے کہا جو مولائے رومؒ ہیں، اُس نے کہا: مکانم لامکان باشد، نشانم بی نشان باشد نہ تن باشد نہ جان باشد، کہ من خود جانِ جانانم، میرا مقام (Spaceless-ness) اور میرا نشان بے نشانی میں، نہ تو رُوح ہوں، نہ جسم، رُوح بھی ایک معمولی چیز ہے، جسم تو بہت ہی عام شئ ہے، اِس لئے کہ میں جانان کی بقا ہوں، کہ من خود جانِ جانانم، میں جہاں خدا کے ساتھ مِل کر ہوں اور خدا کے نور میں زندہ ہوں تو محدود رُوح ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔ یہ اُس کا قول ہے، لیکن اسماعیلی تعلیمات اُن صوفیوں کی تعلیمات سے بھی اُوپر ہیں تو یہ ہے اسماعیلیوں کی جنّت کا تصوّر۔ جہاں دُوسرے لوگ محدود چیزوں کو سوچتے ہیں اور اُن کا جو نصبُ العین ہے کس قدر محدود ہے، کتنا چھوٹا ہے اور اسماعیلیوں کا جو نصبُ العین ہے وہ کس قدر عالی شان ہے اور کتنا بڑا ہے، اُوپر ہے۔ اِس سلسلے کی باتیں آگے بھی ہو چکی ہیں مونور یا لزم کے عنوان سے، تو اِسی کے ساتھ چلئے قرآن سے ایک دو باتیں بتاتے ہیں تاکہ مزہ آئے۔ خدائے جلیل و جبّار کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۷: ۵۲) کتنی پُرحکمت آیتیں ہیں قرآن کے اندر اور ہم نے اُن لوگوں کے پاس پہنچا دی ہے کتاب۔ ''فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ'' اُس کتاب کی تفصیل ایک اسپیشل علم سے کی ہے۔ ''عَلَىٰ عِلْمٍ'' ایک علم سے یعنی علم سے نہیں فرمایا، اگر فرماتا تو ہم نے علم سے اُس کی وضاحت کی ہے تو یہ عام علم مقصود ہوتا، ''عَلَىٰ عِلْمٍ'' یعنی

ایک علم سے، یعنی ایک علم ہے جو خاص ہے مخصوص ہے۔ ''هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ'' اِس کتابِ خدا کے اندر سب لوگوں کے لئے ہدایت نہیں ہے، سب لوگوں کے لئے رحمت نہیں ہے بلکہ اُن کے لئے ہے اور صرف اُنہی کے لئے ہے جو جیسا کہ ایمان لانا چاہیئے ایمان لاتے ہیں۔ اِس پر تھوڑا سا (Discuss) کریں گے۔

قرآن کے شروع میں تقریباً آپ سب اِس بات سے واقف ہیں خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ: ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ (۲:۲)۔ خیر یہ کون سی کتاب ہے؟ اِس کی بحث ذرا لمبی چوڑی ہے، ذرا اِس کو قرآن پر (Apply) کر کے بات کریں گے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور اِس میں ہدایت ہے [جو] (Common People) کے لئے نہیں ہے، پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ آپ دیکھیں قرآن نازل ہوا تو اِس کے سمجھنے اور اِس کی ہدایتوں سے فائدہ اُٹھانے کی شرط پرہیزگاری قرار پائی، تو اِسکے لئے یا تو پہلے سے پرہیزگار لوگوں کا موجود ہونا ضروری ہوا یا یہ کہ قرآن کو اُٹھا کر رکھیں جب تک لوگ پرہیزگار نہیں بنتے ہیں تو قرآن اُن کو ہدایت نہیں دیتا ہے، کیونکہ (Condition) یہ ہے، حالت یہ ہے، (Position) یہ ہے کہ وہاں قطعاً خدا نے فیصلہ فرما دیا اور کہا کہ یہ قرآن سب کے لئے نہیں ہے، پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے ہے تو پہلے سے پرہیزگاروں کا ایک طبقہ موجود ہونا چاہیئے کہ بلا تاخیر اُس پر عمل شروع ہو جائے اور اِس کی بدولت دُوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ فیض یاب ہو جائیں یا یہ ہے کہ قرآن آئے، نازل ہو جائے، اُس کو رکھیں اور قرآن کو چھونے سے پہلے، قرآن کو پڑھنے سے پہلے پرہیزگاری سکھائیں، کیا یہ اسماعیلی تصور نہیں ہے کہ اگر ہم مانیں کہ پرہیزگاری کا ایک الگ معیار ہے، کسوٹی ہے اُس کسوٹی کے مطابق اسماعیلی پرہیزگار ہیں تو یہ کتابِ خدا چونکہ اسماعیلیوں کے وہاں معلّمِ قرآن ہے لہٰذا قرآن کا فائدہ اُن کو ہے اور وہی لوگ پرہیزگار ہیں تو اللہ کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ قرآن سے استفادہ ہر کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ اِسی طرح یہاں جو فرمایا گیا ہے کہ ہم نے کتاب تم تک پہنچائی لیکن اِس کی وضاحت ایک مخصوص علم سے ہو سکتی ہے اور اِس میں جو کچھ ہدایت و رحمت ہے وہ مومنین کے لئے مخصوص ہے۔ اب اگر مومنین کی (Definition) کریں کہ مومنین کیسے ہوتے ہیں تو پھر اِس کا اطلاق اسماعیلیوں پر ہوگا کہ مومن وہ ہے جو بموجب ارشادِ خداوندی، يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ۚ (۵۹:۴) اِس بُنیادی اُصول کے مطابق جو قرآن پر عمل کرتے ہیں وہ مومن ہیں، یعنی کہ ایمان اطاعت میں ہے، فرمانبرداری میں ہے اور اطاعت کا کُلّیہ، (Formula) قانون یہی ہے کہ کوئی خدا کی اطاعت کرے، رسولؐ کی اطاعت کرے اور رسولؐ کے حقیقی جانشین کی اطاعت کرے تو مومن، اور پھر اُسی کے لئے قرآن کی حکمت ہے، یہ دو باتیں کافی نہیں ہیں، اَب تیسری بات جو ہے اِس سے بہت (Strong) ہے وہ سُنیں۔ یہ اُس کے سننے اور (Catch) کرنے کے لئے تیاری ہے، هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ ؕ (۵۳:۷) ابھی جس کتاب کا ذکر ہوا تھا اُس کے متعلّق وہ لوگ کیا انتظار کرتے ہیں سوائے یہ کہ ایک دن اِس کی تاویل آئے

گی۔کس کی تاویل آئے گی؟ قرآن کی تاویل آئے گی تو قرآن نے فرمادیا کہ تاویل آئے گی،کس طرح آئے گی؟ قیامت کی شکل میں آئے گی دُنیا کے انقلابات کی صورت میں آئے گی،تبدیلیوں کی صورت میں آئے گی،ضرورتوں کی صورت میں آئے گی؟ ترقّی کی صورت میں آئے گی؟ اور جو کچھ آج کل دُنیا میں ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے،اِس کی صورت میں قرآن کی تاویل آئے گی،آئے گی،تو لوگ کیا کہیں گے وہ بھی سُنیں :یَوۡمَ یَاۡتِیۡ تَاۡوِیۡلُہٗ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ نَسُوۡہُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ۚ فَہَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ فَیَشۡفَعُوۡا لَنَاۤ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ (۷:۵۳) جس دن واقعات اور تبدیلیوں کی شکل میں،ظاہری اور باطنی انقلابات کی شکل میں قرآن کی تاویل کا ظہور ہو جائے گا،تو اُس وقت وہ لوگ کہنے لگیں گے جو قرآن کی تاویل کو،قرآن کی حکمتوں کو پہلے بھول چکے تھے یعنی اُس سے فیضیاب نہیں ہوئے تھے،اُس کے اُصول کو اور اُس کے معلّم کو اور اُس کے خزانوں کو نہیں چھو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تاویل تو،یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے،خدا جانتا ہے،رسولؐ جانتا ہے،اُس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلّق نہیں ہے تو بس ہم قرآن کے ظاہر پہ چلیں گے۔جو لوگ یہ تصوّر کرتے تھے وہ کہیں گے،میں دوبارہ پڑھتا ہوں: یَوۡمَ یَاۡتِیۡ تَاۡوِیۡلُہٗ =جس دن قرآن کی،اللہ کی کتاب کی تاویل آئے گی، یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ =کہیں گے وہ لوگ،نَسُوۡہُ =جس تاویل کو بھول چکے تھے،مِنۡ قَبۡلُ = پہلے، قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ = بیشک ہمارے پروردگار کے رسولؑ یعنی انبیاء سچائی کے ساتھ آئے تھے،تو وہ اقرار کریں گے۔

اِس میں یہ اشارہ ہے کہ جو بھی پیغمبرؑ آیا تھا اُس نے اپنے (Mission) کو پورا کیا تھا،جو بھی پیغمبرؑ آیا تھا اُس نے اپنے دَور کے مستقبل کے لئے انتظامات کئے ہوئے تھے اور کسی پیغمبرؑ نے جو کچھ دَور اُس کو دیا گیا تھا،جو کچھ زمانہ اُس کے حصّے میں آیا تھا اُس پورے زمانے کے لئے اہتمام اور انتظام کر کے چلا۔ایسا نہیں کیا اُس نے [کہ] معاملات کو اپنی اُمّت کے ہاتھ میں دے دیا تو یہ اِس طرح سے اقرار کریں گے،تو پھر کہیں گے کہ:فَہَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ فَیَشۡفَعُوۡا لَنَاۤ ،وہ خواہاں ہوں گے،آرزومند ہوں گے،خواہش کریں گے کہ کاش اِس وقت ہمارے کچھ سفارشی ہوتے اور ہماری سفارش کرتے۔[اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ ۚ]اِس بات کے لئے کہ ہم دوبارہ اپنی زندگی کی طرف لَوٹ سکیں اور دُوسری طرح سے ہم عمل شروع کریں اور جو ہم نے پہلے کیا وہ نہ کریں،تو یہاں کسی اور گناہ کا ذکر نہیں ہے۔اِس میں یہ نہیں کہا کہ ہم نے روزہ نہیں رکھا،نماز قائم نہیں کی،زکوٰۃ نہیں دی،وہ نیکی نہیں کی،وہ بدی کیوں کی۔یہاں تو تاویل کے سلسلے میں بات چلتی ہے اور یہ ساری پشیمانی تاویل کی بات سے ہے،آپ ترجمے میں یہ توقع نہ رکھیں کہ ترجمے میں ایسی باتیں ہیں،ترجمے میں وہ اپنے مطلب کی چیزیں ہیں،تو خداوندِ عالم فرماتا ہے:قَدۡ خَسِرُوۡۤا = بیشک وہ زیان کار قرار پائے۔زیان کار اُس کو کہتے ہیں جو کوئی زمینداری کا کوئی کام کرتا ہے یا کاروبار کرتا ہے، تجارت کرتا ہے، کچھ بھی کام کرتا ہے لیکن اُس کے کام میں نقصان اور گھاٹا آتا ہے تو فائدہ اُس کو نہیں ہوتا ہے اور اُس کا کیا

ہوا تمام کام ضائع ہو جاتا ہے، تو خداوندِ عالم ایسا تصوّر بھی دیتا ہے کہ دُنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کام کرتے جاتے ہیں بیشک لیکن اُن کو فائدہ نہیں ملے گا۔ وہ زیان کار قرار پائیں گے۔ قَدْ خَسِرُوٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (۷:۵۳)، اور اُن کے ذہن میں، اُن کے شعور میں، اُن کی روایات میں، اُن کی دانست میں جو کچھ باتیں تھیں وہ وہاں کھوئی جائیں گی یعنی جس طرح وہ گُمان کرتے تھے قیامت کے متعلّق، قرآن کے بارے میں، رُوحانیت کے بارے میں وہ سب چیز وہاں نہیں ہوگی، تو کہنا یہ ہے کہ قرآن کے اندر آپ جہاں بھی دیکھیں گے وہ عقیدے کی بات ہوگی، نظریے کی بات ہوگی، دین کی بات ہوگی۔ اعمال بیشک ضروری ہیں لیکن اعمال ثانوی چیزیں ہیں۔ اعمال کی بہت بڑی اور بُنیادی قسم کی اہمیت ہوتی تو زمانۂ رسولؐ میں کیا یہود و نصاریٰ اعمال نہیں کرتے تھے؟ اُن پر جو اعتراض تھا کیا وہ اعمال کے سلسلے میں تھا؟ اور وہ جو نافرمان قرار پائے، کس وجہ سے نافرمان قرار پائے؟ اِس لئے کہ اُنہوں نے رسولِ اکرمؐ کو نہیں مانا، ہادیٔ زمان سے انکار بہت زبردست چیز ہے اور یہی چیز ایک طرح سے شرک ہے اور یہ چیز آدمؑ کے زمانے سے شروع ہو جاتی ہے۔

میں نے کبھی تشریح کی تھی کہ شیطان نے جو خلیفۂ خدا کی اطاعت سے سرکشی کی تھی اُس کے اندر شرک مخفی تھا، شرک پوشیدہ تھا کیونکہ جو گناہ ناقابلِ معافی ہے وہ ایک ہے جو شرک ہے۔ ہاں! اُس شرک کا کبھی کبھی دوسرا کوئی نام ہو سکتا ہے جیسے شیطان کے معاملے میں شرک کا نام ظاہر نہیں ہے، دُوسرا نام ہے تو کسی ایک حقیقت کے کئی نام بھی ہو سکتے ہیں اور قرآن کا یہ اُصول ہے کہ ایک ہی حقیقت کے بہت سے نام ہیں تو یہاں پر بھی وہی چیز ہے۔ اعمال ضروری ہیں مگر نظریہ یعنی صحیح دین کا ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اِس لئے اسماعیلی مومنین خوش نصیب ہیں کہ اُن کو نورِ خدا کی شناخت حاصل ہوئی ہے، وہ خدا کے نور کو پہچانتے ہیں اور یہ اُن کی سب سے بڑی سعادت اور نیک بختی ہے۔ یہ ایسی نیک بختی ہے کہ ساری نیک بختیاں اِسی کے تحت آتی ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ تمام فضیلتیں اِس میں جمع ہو جاتی ہیں۔ کاش! ہمارے پاس، آپ کے پاس اتنا سارا وقت ہوتا تو ہم قرآن کو ابتدا سے پڑھنا شروع کرتے اور آخر تک اِس کے اندر جو حکمتیں ہیں عظیم اور بہت سے اسرار ہیں وہ اپنی بساط کے مطابق آپ کو بتاتے۔ تاہم ہمیں ناشکری نہیں، شکر کرنا چاہئے کہ ہمارا ایمان [یعنی] اسماعیلیوں کا عقیدہ ایسا ہے کہ اُس کے اندر علم کا جوہر سمویا ہوا ہے اور ہم سب اسماعیلی علم کی بارش کے نیچے رہتے ہیں، تو ہر وقت ہم پر امامؑ کی رحمتوں سے علم کی بارش برستی رہتی ہے۔ امامؑ کی ہر ہدایت میں حکمت ہے، ہر فرمان میں جواہرات ہیں اور یہ مذہب خود ایسا ہے کہ اِس کی بدولت ہم بآسانی علم کو، حکمت کو، تاویل کو لے سکتے ہیں۔ تاویل کی بہت بڑی اہمیّت ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ آپ بہت سے ترجموں کو دیکھیں گے تو وہ بھول سے بھی تاویل کو نہیں مانتے ہیں۔ تاویل کا ترجمہ کرتے ہیں اپنے اندازے کے مطابق، اِس لئے کہ اُن کے لئے مجبوری ہے اور وہ مجبوری یہ ہے کہ اُن کی عادت کچھ

ایسی بنی ہے کہ وہ اپنے مقدّمین کو دیکھتے ہیں کہ اُن کی کتابوں میں کیا روایات ہیں، کس طرح کسی آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے، ہر وقت اُن کے ذہن میں یہ چیز رہتی ہے، وہ اُسی کے پابند ہیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ خداوندِ عالم نے قرآن میں کبھی تو عذاب کی زنجیروں کا ذکر کیا ہے، کبھی تو طوق جو گردن میں ڈالا جاتا ہے اُس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ کوئی جسمانی چیز نہیں ہے، یہ غلط عقائد سے تعبیر ہیں، غلط روایات سے تعبیر ہیں۔ جو غلط سنّتیں ہیں وہ زنجیر کی طرح ہیں، وہ اُنہی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں لیکن کتنی رحمت ہے خداوند کی اسماعیلیوں پر کہ وہ اُن غلط روایات کو نظر انداز کر چکے ہیں اور صرف امامؑ کی ہدایت کی طرف دیکھتے ہیں، امامؑ کی ہدایت کی طرف دیکھتے ہیں اور یہ دینِ فطرت کے عین مطابق ہے، ذرا دینِ فطرت کی بات بھی کیجئے۔

آپ ماشاءاللہ کئی بار سُن چکے ہیں کہ دینِ فطرت اسلام کا نام ہے اور فطرت سے کیا مُراد ہے؟ فطرت آپ کے چاروں اطراف میں پھیلی ہوئی ہے۔ آسمان، زمین اور یہ ساری کائنات، جمادات، نباتات، انسان اور ہر چیز کی تخلیق و نشوونمائی یہ فطرت ہے تو دین بھی ایسا ہے۔ کیا فطرت میں یہ ممکن ہے کہ کبھی سورج نہ ہو؟ کیا کبھی یہ ممکن ہے کہ زمین سے نباتات نہ اُگیں؟ بارش نہ برسے؟ ہوا نہ چلے؟ دُنیا تاریک ہو جائے اور انسانوں کا پیدا ہونا ایک دم سے ختم ہو جائے یا رُک جائے، کیا فطرت میں ایسی کوئی بات ممکن ہے؟ جب فطرت ایک چالو [جاری] چیز ہے، ایک جاری و ساری حکمت ہے، تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا دین کے سب سے بڑے (Item) کو اُٹھائے، دین کے سورج کو اُٹھائے اور پھر لوگوں پر زور دے کہ چلو، خود ہی راستے کو تاریک کر دیتا ہے، کہتا ہے کہ چلو۔ کیا خاک چلیں؟ کس طرح چلیں؟ چراغ کو تو نہیں بُجھانا چاہئے نا! وہ خود بھی کہتا ہے کہ چراغ بجھا ہوا نہیں ہے، کہاں بُجھا ہے؟ [۸:۶۱]۔

دین میں، عالمِ دین میں خدا نے جو چراغِ ہدایت روشن کر دیا ہے تو اُس کو تو زندہ رہنا ہے، اُس کو ہمیشہ ضیا پاشی کرنا ہے، روشنی بکھیر دینا ہے، تازہ تازہ روشنی بکھیر دینا ہے اور دیکھیں! سوچیں! یہ روشنی جو ہے کس طرح کام کرتی ہے؟ سورج کس طرح کام کرتا ہے؟ چاند کس طرح کام کرتا ہے؟ وہ ضیا پاشی کرتا ہے، روشنی کی بارش برستا ہے، روشنی پر روشنی، روشنی پر روشنی، روشنی پر روشنی، ذرّات آتے ہیں، ہر وقت (Continue) تو کل جو روشنی دُنیا میں بکھر گئی تھی وہ آج کام نہیں آتی ہے۔ آج کے لئے تازہ روشنی چاہئے کہ جس طرح کوئی ندّی چلتی رہتی ہے، جس طرح کوئی دریا رواں دواں رہتا ہے، جس طرح ہَوا چلتی ہے اور درخت کے اندر بھی ایک جان چلتی ہے۔ آپ موسمِ گرما میں کسی شاخ کو کاٹ کر دھوپ میں رکھیں تو ایک گھنٹے میں اُس کی جان جائے گی اور جو [شاخ] اپنی جگہ پر ہے تو اُس کے اندر، اُس کی رُوح رواں دواں ہے اور ہر چیز کے اندر زندگی کی لہر ڈورتی رہتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دین کے اندر جو جان ہے، جو رُوح ہے، جو نور ہے اُس کو خدا اُٹھائے؟ خداوند نے اِسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے نعمت قرار دیا تھا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (۵:۳) خدا نے رسولؐ کی موجودگی میں اور اُس کے جانشین کے تقرّر کے موقع پر دین کو نعمت کہا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ رسولؐ بھی نہ ہو اور

اُس کا جانشین بھی نہ ہوتو پھر کس صورت میں اور کس معنیٰ میں دین نعمت قرار پا سکتا ہے؟ خدا نے بڑی شدّ و مَد کے ساتھ جس دین کو اپنی عظیم نعمت قرار دیا تھا وہ آج اگر فرض کیا جائے کہ نہیں ہے تو پھر وہ نعمت ہی غائب ہوگئی اور پھر کیا نعمت؟ کیا نعمت اور پھر دین کی کیا زندگی؟ سورج نہ ہوتو دُنیا کی کیا زندگی اور دُنیا کی روشنی، دُنیا کا کارخانہ سارا ٹھپ ہو جائے گا اور کوئی چیز آگے نہیں بڑھے گی۔ آپ نے سائنسی طور پر، علمی طور پر سوچا ہوگا کہ دُنیا کے اندر ایک ہی چیز ہے جو طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور وہ سورج ہے، آپ سائنسی طور پر دیکھیں کہ سورج سے کیا کیا ہوتا ہے؟ کائنات کی ساری جان اِسی میں ہے اور اِس لئے اِس دائرے کو نظامِ شمسی کہتے ہے۔ نظام عربی میں یعنی کہ کسی چیز کو، موتیوں کو، مونگوں کو دھاگے کے اندر پرونے کو کہتے ہیں۔

ٹرانسکرائب: قربان علی ٹائپ: سیما عظیم علی نظرِ ثانی: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

Click here for Audio

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی (ق) کا پُرحکمت بیان

عنوان: مساواتِ رحمانی

کیسٹ نمبر: ۳۹ تاریخ: اپریل ۱۹۸۱، کراچی

عزیزانِ من! آپ اِس قابل ہیں کہ دل میں جو بھی اچھی سے اچھی بات ہو، علم کی، قرآن کی، معرفت کی، حقیقت کی تو وہ آپ کو پیش کرنی چاہیئے، یہ ہے کہ ہمیں یہ ارادہ رکھنا چاہیئے اور اِس کے لئے مولا سے توفیق طلب کرنی چاہیئے کہ ہم آہستہ آہستہ قرآن کی حقیقتوں کو، قرآن کی حکمتوں کو سمجھیں اور جماعت میں اِن کو عام کرنے کے لئے کوشش کریں۔ اِس زمانے میں جو علم و آگہی کا زمانہ ہے سخت ضرورت ہے اِس بات کی کہ ہم اسماعیلی مذہب کی روشنی میں قرآن کے حقائق کو اپنی جماعت کے سامنے لائیں اور وہاں سے وقت پر دُوسرے لوگوں کے سامنے بھی [یہ حقائق] آئیں گے۔ خدا کے بھیدوں کو سمجھنا یہ بہت بڑا کام ہے اور بہت بڑی سعادتمندی ہے، خدا کے بھیدوں کو سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، مولا کی عنایت ہو، اُس کی مہربانی ہو تو تب مومن کے لئے یہ کام آسان ہے، قرآن کے بھید مومنین کے لئے ہیں، مومنین ہی اِس کے اہل ہیں کہ خدا اُن کو اپنی عزیز کتاب کے اسرار بتائے۔

اِس سلسلے میں، مَیں ایک اصطلاح یا کہ ایک بات آپ کو بتاتا ہوں، کتنی ہی اچھی بات ہے کہ اگر ہم یک حقیقت کو یعنی مونور یالزم کو قرآن کی روشنی میں سمجھیں تو کتنی بڑی بات ہوگی۔ اِس سلسلے میں ایک لفظ ہے، ایک اصطلاح ہے وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے وہ ہے "مساواتِ رحمانی" رحمان کی مساوات، عجیب رحمت ہے کہ خداوندِ عالم نے قرآن کے اندر اپنی رحمانیت کی مساوات کا تصوّر دیا ہے، مثال کے طور پر مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ (۶۷:۳) اے رسول! آپ رحمان کی خلق میں کچھ فرق و تفاوت نہیں پائیں گے، یہ تو صرف سوال کی صورت بن گئی، وضاحت نہیں ہوئی، تو وہ رحمان کی مخلوق کیا ہے؟ اور اُس میں کن معنوں میں فرق نہیں ہے۔ اگر اِس "خلق" سے یا مخلوق سے دُنیا جہاں والوں کو مُراد لیں تو ہم اُن میں فرق و تفاوت دیکھتے ہیں کہ ایک پتّھر ہے، تو دُوسرا درخت ہے، تیسرا جانور ہے، چوتھا انسان ہے، ایک شاہ ہے تو دُوسرا گدا ہے، ایک امیر ہے تو ایک غریب ہے، ایک صحت مند ہے تو دُوسرا بیمار ہے، یہ فرق ہے! پھر وہ مخلوق کہاں ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ: مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ (۶۷:۳) رحمان کی خلق میں کچھ فرق و تفاوت نہیں ہے۔

یہ ایک مقام ہے یہ ایک درجہ ہے جہاں پر عظیم رُوحیں ہیں، وہ رُوحیں مقامِ اعلیٰ پر ہیں سب سے اُونچے مرتبے پر ہیں، اُونچے درجے پر ہیں، وہ رُوحیں ایک جیسی ہیں اُن رُوحوں میں مساواتِ رحمانی ہے، وہ رُوحیں مونو ریالزم کے مقام پر ہیں۔ چونکہ قرآن ہے اور قرآن میں جو حقیقتیں ہیں وہ حکمت کی زبان میں ہیں عام زبان میں نہیں، مثلاً ایک مقام پر یہ اِرشاد ہوا ہے کہ خداوندِ عالم نے نفسِ کُلّی سے رُوحوں کو پیدا کیا ہے (۴:۱) پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر شخص کے لئے دو (۲) دو (۲) رُوحیں دی گئی ہیں، یعنی ہر شخص کو دو (۲) رُوحیں دی گئی ہیں، انسانوں کو دو (۲) دو (۲) رُوحیں دی گئی ہیں۔ جس طرح ہم عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ ہماری رُوح کا ایک سرا عالمِ بالا میں ہے اور ایک سرا اِس جہاں میں ہے، اسی معنی میں عالمِ بالا میں جو ہماری رُوح کا سرا ہے اُس کو خود ایک رُوح تسلیم کریں گے اور یہاں پر جو ہستی اور بقا کا سرا ہے اِس کو ایک رُوح تسلیم کریں گے، تو میں کہہ رہا تھا کہ خداوندِ عالم نے ہر شخص کو دو (۲) رُوحیں عنایت کیں۔ اِس میں سے بہت اچھی بات نکلے گی جو سینکڑوں سوالات کے لئے جوابِ کافی ہو سکتی ہے، تو ایک رُوح وہاں رہی جس کا نام مستقر ہے ایک رُوح یہاں آئی جس کا نام مستودع ہے۔ یہ رُوح اِس جہاں میں امانتاً آئی ہے اِس لئے اس کا نام مستودع ہے، وہ رُوح وہاں مستقل ہے اِس لئے مستقر اُس کا نام ہے۔ اَب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کے لئے ہے؟ جی ہاں! سب کے لئے ہے، سب کے لئے ہے۔ رسولِ اکرمؐ نے اپنے آخری وقت میں ایک دُعا کی تھی اُس دُعا کا مفہوم یہ ہے جو فرمایا تھا کہ: پروردگار! مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دینا [اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَ اَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی، احادیثِ مثنوی، فارسی، ص ۱۳۰] پروردگارا! یہ تو پروردگار الگ ہوئے جس سے دُعا مانگی جاتی ہے مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دینا تو یہ رفیقِ اعلیٰ کون ہوئے؟ جبرائیل! نہیں! میکائیل یا کوئی اور فرشتہ! یا آنحضرتؐ کی اپنی رُوح، رفیق اِس معنی میں کہ ازل میں یہ دونوں رُوحیں ساتھ تھیں، رفیق اِس معنی میں کہ اِس رُوح کے ساتھ رابطہ ہے، رفیق اِس معنی میں کہ شاید زندگی ایک لاانتہا سفر ہے، رفیق ہمراہ کو اور دوستِ سفر کو، ساتھی کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپؐ سرورِ انبیاء تھے، چونکہ آپؐ خاتم المرسلین تھے آپؐ کی تعلیمات کا کیا کہنا، ہر ایک بات میں ہزاروں لاکھوں حکمتیں ہیں، تو اِس قول کو ہمیشہ سامنے رکھیں اِس پر سوچیں کہ رسولؐ نے جو فرمایا آخری وقت میں کہ پروردگارا! مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دینا، یہ کیوں نہیں کہا کہ خدایا تو اپنے نور سے مجھے ملا دینا، تو یہ بات یہ ارشاد یہ قول قابلِ غور ہے۔ جہاں تک میری چھوٹی سی عقل کام کرتی ہے اُس کے مطابق میں سمجھتا ہوں، بلکہ میرا یقین ہے کہ رفیقِ اعلیٰ آنحضرتؐ کی اپنی رُوح تھی۔

اِس موضوع کے متعلّق، اِس (Subject) کے موافق جس پر ہم بات کر رہے ہیں اور اِس میں مونو ریالزم کا تصوّر ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ جیسے نامور امام کا یہ انقلابی ارشاد کہ اسلام کا اصل نظریہ ''یک الٰہیت'' نہیں ہے بلکہ ''یک حقیقت'' ہے، جملہ ہستیوں میں سے کسی ایک معبود کو ماننا اسلام کا تصوّر نہیں ہے اصل میں تمام حقیقتوں کی یکجائی،

تمام حقیقتوں کی وحدت، وہ خدا کے مرتبے پر ہے۔ ویسے تو لفظ خدا کا اطلاق مختلف موقعوں پر مختلف حدود پر بھی ہوتا ہے کبھی خدا کا اطلاق رسولؐ پر ہوتا ہے، صحیح ہے! کبھی خدا کا اطلاق امامؑ پر ہوتا ہے دُرست ہے! کبھی خدا کا اطلاق نفس کُلّی پر عقلِ کُلّی پر ہوتا ہے، صحیح ہے! کبھی خدا کا اطلاق عقلِ کُل، نفس کُل، ناطق، اساس اِن کی (Unity) پر خدا کا اطلاق ہوتا ہے یہ تمام باتیں بزرگانِ دین کی کتابوں میں موجود ہیں، یہ صحیح ہے! کبھی خدا کا اطلاق قانونِ دین پر ہوتا ہے جو دین کا قانون ہے، کبھی خدا کا اطلاق تصوّرِ سبحانیت پر ہوتا ہے، ''بے چون و بے چگون'' اور ہر چیز سے پاک سمجھنے کا، اور صفت کے بغیر ایک ذات کی طرف اشارہ کرنا لیکن اشارہ خدا کی ذات میں نہیں آتا تو ایسے میں بھی خدا کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر اِس میں آخری بات کون سی ہے؟ سب سے بُلند تصوّر، وہ مونور یا لزم ہے، جو اِس حقیقتِ اعلیٰ کی طرف سے آج دُنیا میں امامت کے مقام پر ہے، اُس کے لئے سر جھکانا فرض ہے، سجدہ کرنا فرض ہے، خدا ماننا فرض ہے، پرستش کرنا فرض ہے، اُس میں فنا ہو جانا ضروری ہے اور اگر اِس کی مثالیں تصوّف سے لینی ہیں تو آپ مثنوی کو اُٹھا کر دیکھیں، مولائے رومؒ جیسے اسلام کے ہیرو، [ایک] حکایت روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام شکم مادر میں تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بھی شکمِ مادر میں تھے تو حضرت یحییٰؑ نے شکمِ مادر ہی سے حضرت عیسیٰؑ کو سجدہ کیا، تو تب حضرت یحییٰؑ کی والدۂ محترمہ نے محسوس کیا اور کہنے لگیں کہ بہن محترمہ مریم! لگتا یوں ہے کہ تیرے شکم میں دین کا کوئی شاہنشاہ ہے اِس لئے کہ میرے پیٹ کے اندر جو بچّہ ہے وہ تیرے پیٹ کے بچّے کو سجدہ کر رہا ہے، پھر مریمؑ نے فرمایا کہ محترمہ بہن! میرا جنین بھی ایسا ہی کرتا ہے، یعنی میرے پیٹ کا بچّہ بھی تیرے پیٹ کے بچّے کو سجدہ کرتا ہے [مثنوی جلد دوم، شعر نمبر ۳۶۰۲ تا ۳۶۰۵]۔

ابھی آپ اندازہ کریں [کہ] تصوّف کے مقام پر اِس روایت کو اہمیّت دینا، اِس کو تسلیم کرنا، حقیقت کے طور پر قبول کرنا، یہ تو خیر تصوّف کی ایک عظیم کتاب ہے، قرآن میں ذرا جائیں۔ قرآن میں جا کر حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کو دیکھئے دو (۲) دفعہ اِس حقیقت کا ذکر آتا ہے حضرت یوسفؑ بچّہ تھے، طفل تھے کہ ایک دن انہوں نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آپ کو سجدہ کر رہے تھے (۱۲:۴) یہ خواب انہوں نے اپنے والدِ بزرگوار سے بیان کیا تو یعقوبؑ نے فرمایا کہ عزیزِ من! اِس خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان مت کرنا، تم کو عظمت و بزرگی ملنے والی ہے تو شیطان تمہارے اور تمہارے بھائیوں کے درمیان عداوت ڈالے گا، تمہارے بھائی تم سے حسد کریں گے، یہ خواب کی بات ہوئی۔ آگے چل کر یہ بات صحیح ہوگئی کہ سورج جو اُن کے باپ تھے اور چاند جو باپ کے حجّت تھے اور گیارہ ستارے جو دُوسرے حجّت تھے [یعنی] اُن کے بھائی، سبھوں نے اطاعت و فرمانبرداری کا سر جھکایا، اور اسی سورۂ یوسف میں کچھ آگے چل کر دیکھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ یوسف علیہ السّلام کے والدین ظاہر میں بھی یوسفؑ کے لئے سجدہ کر رہے ہیں (۱۲:۱۰۰)، اور پھر ذرا شروع میں جائیے، انسانیت کے آغاز میں جا کر دیکھیں کہ خداوندِ عالم کے حکم کے بموجب ملائکہ نے کس طرح آدمؑ کو سجدہ کیا (۲:۳۴)۔

عبادت کے اجزاء میں سے عبادت کے درمیان سجدے سے بڑھ کر کوئی جزو نہیں ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسماعیلی مذہب میں جس کی بنیاد مونور یالزم پر قائم ہے، ہم جس طرح امامؑ کے لئے سر جھکاتے ہیں یہ حقیقت ہے۔ اِس حقیقت کے باوجود کہ ہم اُس کے فرزند ہیں، اِس حقیقت کے باوجود کہ یہ مونور یالزم ہے اور ہماری اپنی رُوح بھی ہے، اگر ہماری آنکھ کھلی اور ہم پر رحم کیا گیا تو ہماری رُوح کا بھی ایک اعلیٰ مقام ہے، اِس کے باوجود، تو اِس مونور یالزم کے اندر دُوسرے میں فنا ہو جانے کا اصول ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ ہم اپنی رُوح کی پرستش کریں تو ہم کامیاب ہو جائیں، اِس طرح سے نہیں ہے! ہے تو صحیح کہ ہماری رُوح ایک اعلیٰ مقام پر ہے، لیکن اُصول یہ ہے کہ ہم دُوسرے میں فنا ہو جائیں اور کس میں فنا ہو جائیں؟ کس میں فنا ہو جائیں تو فائدہ ملے گا؟ اُسی میں فنا ہو جائیں جو سب سے آگے ہے اور جس میں فنا ہو جانے سے ہم کو ایک اعلیٰ رُوح مل سکتی ہے وہ امامِ عالی مقام ہیں یہ بھید ہے، اور مولا علیؑ نے جو ارشاد فرمایا تھا کہ : مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس نے اپنی رُوح کو پہچان لیا تو اُس نے اپنے ربّ کو، پروردگار کو پہچان لیا۔ اِس میں بھی یہی اشارہ ہے کہ انسان کی رُوح پروردگار کے درجے میں ہے اِس مونور یالزم میں، یہ ایک طرف سے توحید ہے کہ سب رُوحیں ایک ہیں اور پھر دُوسری طرف سے اُس کے اندر افراد ہیں، یعنی اِس میں الگ الگ رُوحیں بھی ہیں اور اُن رُوحوں کی (Unity) بھی ہے۔

اَب میں نے چند سیکنڈ پہلے جو لفظِ خدا کے اطلاق کی مختلف مثالیں بتائی تھیں اُس کی تشبیہہ دُنیا سے، دُنیا کے واقعات سے دے دیں [گے]، مثلاً ایک منظّم اور عمدہ جمہوری حکومت کی مثال لیں کہ لفظ حکومت کا اطلاق کبھی تو (Parliament) پر ہوتا ہے، کبھی (Minister) یا صدر پر، کبھی عوام پر (Public) پر، کبھی اِس کا اطلاق جو آئین ہے اُس پر، قانون پر، اور کبھی اُس ملک کا اگر مشترکہ کوئی مذہب ہے اور اگر اُس نظریے کے مطابق حکومت چلتی ہے تو حکومت کا اطلاق مذہب پر بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ آج پاکستان میں ہے۔ دیکھا آپ نے! کہ لفظِ حکومت مختلف موقعوں پر، مختلف درجات میں واقع ہوتی ہے، اسی طرح آپ کتابِ وجہ دین کو اُٹھا کر دیکھیں کہ ایک مقام پر تاویل کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ پیغمبر کو خدا کہا گیا، اور ایک اور مقام پر جہاں شرک کا ذکر ہے، وہاں جا کر دیکھیں تو شرک کی تاویل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شرک اُس کو کہتے ہیں جو امامؑ کی جگہ پر کسی اور کو امام بنایا جائے (وجہِ دین، کلام ۱۴، ص ۱۵۴)۔ کیونکہ تاویل کی زبان میں خدا سے امام مُراد ہے تو یہ تاویل ہو گئی، اور اِس تاویل میں امام کو خدا کہا گیا۔ پھر ایک اور جگہ پر نفسِ کُل کو خدا کہا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ درجات باہم ملے ہوئے ہیں، حدود ہیں اور اِن کے اندر (Unity) ہے یہ بھی ایک طرح سے مونور یالزم کی مثال ہے، اور ابھی میں نے ایک مساواتِ رحمانی کی مثال بتائی تھی اور دُوسری مثال بتاتا ہوں کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری پیدائش اور تمہارا مر کر دوبارہ زندہ ہو جانا وہ ایک نفس کی طرح ہے، ایک جان کی طرح ہے، مَّا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (۴:۱) تمہاری پیدائش بھی اور مر کر دوبارہ زندہ ہو جانا بھی ایک جان کی طرح ہے

سے مُراد ہم پہلی بار نفس کُل میں پیدا ہوئے تھے ایک ساتھ، اور جب ہم دوبارہ زندہ ہو جائیں گے مرنے کے بعد تو اُس میں بھی ہم ایک ساتھ نفس کُل میں پیدا ہو جائیں گے۔

دیکھا آپ نے کہ یہ نفوس ایک ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر مرنے کے بعد ایک ساتھ دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں اسی کی تائید میں دُوسری مثال یہ ہے جو حدیث میں فرمایا گیا کہ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ وَ الْاَنْبِیَاءُ کَنَفْسٍ وَاحِدَۃٍ، مومنین توحید کے طور پر بھائی بھائی ہیں فی الحال، اور انبیا علیھم السّلام یعنی پیغمبر حضرات (Unity) میں، وحدت میں، یگانگت میں، ایک جان کی طرح ہیں، تو دیکھا آپ نے کہ یہ جو وحدت ہے اِس کی ترقّی ہوتی ہے یہ وحدت جہاں مومنین میں ہے تو بس اِس کی اتنی ترقّی ہے کہ یہ بھائی بھائی کی طرح ہے۔ جہاں یہ وحدت پیغمبروں میں ہے تو وہ بالکل درجۂ کمال پر ہے، کہ وہاں تو پیغمبر جو ہیں وہ سب ایک جان کی طرح ہیں، اور آپ ملائکہ کے بارے میں سوال کریں سوچیں کہ ملائکہ یعنی فرشتوں کی (Unity) کیسی ہے؟ تو آپ کو اُس حقیقت کے سمجھنے سے مزہ آئے گا کہ فرشتوں کا جوہر ایک ہے اور اُن کے اندر (Unity) کی جو خاصیت ہے یا (Unity) کے جو عناصر ہیں وہ غالب ہیں، لہٰذا وہ الگ الگ ہونے کے باوجود ایک (Unity) میں ہیں۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ (Unity) اُس وقت ہوتی ہے جب کہ خاصیتیں اور صفات، خصوصیات ایک ہوں درمیان میں تضادات نہ ہوں، اختلافات نہ ہوں، تو فرشتوں کے اندر یعنی اختلافات نہیں ہیں جس طرح حیوانات میں یا کم تر انسانوں میں اختلافات ہوتے ہیں، اُن کی الگ الگ عادتیں ہوتی ہیں، الگ الگ مقاصد ہوتے ہیں اور جدا جدا اغراض ہوتے ہیں، اِس کی وجہ سے اُن ادنیٰ قسم کے انسانوں کے اندر (Unity) نہیں ہوتی ہے، لیکن فرشتوں کے اندر (Unity) ہوتی ہے، اور پیغمبروں کے اندر (Unity) ہوتی ہے۔ میں اِس بیان سے کیا بتانا چاہتا ہوں میں مونو ریالزم کی حقیقت اور وحدت سمجھانا چاہتا ہوں، اور دیکھئے کہ مثال کے طور پر ہم ہیں یہ جو جمعیّت ہے یہ کس قدر ایک دُوسرے کے قریب ہیں کیوں؟ علم کی وجہ سے، عبادت کی وجہ سے اور ایک دُوسرے کی عزّت کرنے کی وجہ سے، تو اِس سے یہ امکانیت بتانا ہے، یہ (Possibility) ظاہر کرنی ہے کہ ایک مقام پر انسانوں کی ایک (Unity) ہے۔ میں نے اپنے کچھ مقالوں میں یہ مثال بھی دی تھی کہ اِس کائنات کے اندر وحدتِ کثرت نما ہے یعنی ایک ایسی (Unity) ہے، ایک ایسی وحدت و سالمیت ہے کہ بظاہر وہ کثرت نظر آتی ہے، لیکن اِس کے اندر وحدت ہے۔ مجھے وہ بات یاد آ گئی کہ پیر ناصر خسرو قدس نے فرمایا ہے کہ: مکن صنع مصنوعات راہ گم ز جو جو روید و گندم ز گندم (کتاب: نورِ ایقان، ص: ۱۰) توحید کے سلسلے میں مخلوقات کے اندر پنہانی طور پر، اندرونی طور پر جو توحید ہے اُس کے سلسلے میں رستے کو بھول نہ جانا اور یہ بات یاد رکھنا کہ گندم سے گندم اُگتا ہے اور جو سے جو۔ [توحید، توحید] کو جنم دیتی ہے، توحید کثرت کو ہرگز جنم نہیں دے سکتی ہے۔ دیکھیں بظاہر یہ بات بہت عجیب ہے لیکن ذرا سمجھنے سے اس سے بہت اعلیٰ درجے کی ایک منطق ملتی ہے، لاتلد الوحدۃ

اِلّاالوحدۃ ، توحید صرف توحید کو جنم دیتی ہے، توحید کثرت کو جنم نہیں دیتی ہے یہ اشارہ ہے کہ خدائے واحد نے یا مونو ریلزم نے یا جس خالق نے اِس کائنات کو، اِن مخلوقات کو پیدا کیا ہے اُس نے اندر اندر سے توحید کو جنم دیا ہے، یعنی یوں کہنا ہے کہ اِس کثرت کے اندر وحدت کی گنجائش ہے یا یہ کہ یہ ایک ایسی وحدت ہے کہ اِس کے اُوپر اُوپر سے کثرت ہے یا یہ کہ یہ ایسی کثرت ہے کہ یہ اُوپر سے کثرت ہے اور نیچے سے وحدت ہے۔ اِس لئے میں نے کہا تھا کہ یہ وحدتِ کثرت نما ہے۔ دکھائی دیتی ہے کثرت ہے اور ہے وحدت، تو کل کو یہ سب انسان مرجائیں گے اور آہستہ آہستہ ایک مقام پر جا کر اپنی اصلیت اور اپنی (Unity) کے ساتھ یہ سب نمودار ہو جائیں گے اور وہ مونو ریالزم ہوگا۔

پھر مولائے رُومؒ کچھ مثالیں دیتے ہیں کہتے ہیں کہ سو بتیاں جلاؤ کسی ہال کے اندر سو چراغ کو جلاؤ، سو چراغ جلاؤ اور دیکھو ایک ہال کے اندر سو چراغ جلاؤ شمار کا اطلاق ہوگا اِن ظروف پر، برتنوں پر، ایک، دو، تین، چار، دس، بیس، اسّی، نوے، سو، لیکن جہاں (Light) ہے، پھیلی ہوئی (Light) اُس میں گنتی کا اطلاق نہیں ہوگا۔ پھر فرماتے ہیں کہ انگور کے ایک دو گچھوں کو لاؤ اُس میں کتنے دانے ہیں بہت سارے، اُن کو (Crush) کر کے رس نکالو اور ایک برتن میں ڈالو، ابھی تم کو وہ دانے یا گچھے نظر آتے ہیں؟ نظر نہیں آتے ہیں، نہر سے چند برتنوں میں، گلاس میں، صراحی میں، بالٹی میں پانی نکالو اور رکھو، ابھی تو پانی پر گنتی واقع ہونے لگے گی، گنتی کا اطلاق ہوگا، ایک، دو، تین، چار، دس، بیس، وغیرہ، پھر اِن برتنوں میں سے پانی کو نہر میں گراؤ اَب وہ پانی نہر کے پانی کے ساتھ زندہ بھی ہوگیا، روان دوان بھی ہوگیا اور برتن میں خاموش تھا، اور اُس کے ساتھ ایک بھی ہوگیا۔ یہ اشارہ ہے کہ جب ہمارے بدنوں سے ارواح نکل جائیں گی اور اصل مقام کو پہنچیں گی تو ہماری ایک (Unity) ہو جائے گی، جس طرح سمندر کا پانی، جس طرح نہر کا پانی، جس طرح سو (۱۰۰) بتیوں کی (Light)، جس طرح بہت سارے دانوں کا رس تو اِس لئے حکماء نے کہا کہ توحید جو ہے، توحید ہی کو جنم دیتی ہے، یعنی توحید سے توحید بنتی ہے اور کثرت نہیں بنتی ہے، کثرت ہرگز نہیں بنتی ہے۔ بظاہر جسم کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ کثرت ہے اور جب ہم جسموں کو چھوڑیں گے تو ہم پہلے کی طرح وحدت ہی میں ہو گئے، پھر کبھی مثال دیتے ہیں کہ ایک حَول تھا بھینگا جسے کہتے ہیں جو اپنی آنکھ سے ایک چیز کو دو (۲) دیکھتا ہے، تو اُس نے وہ کوئی شاگرد تھا اُستاد نے گھر بھیجا کسی چیز کو لانے کے لئے اور شاید آئینے کو لینے کے لئے تو اُس نے ایک آئینہ دو (۲) دیکھا، پکارتا ہے کہ اُستاد کونسا آئینہ لے آؤں آئینے تو دو (۲) ہیں، تو اُستاد نے سمجھ لیا، اُس نے کہا کہ ایک کو توڑو اور دُوسرا لاؤ، اُس نے ایک کو توڑا تو اُسی کے ساتھ دونوں ٹوٹ گئے، پھر مولائے رومؒ اِس کی مثال بیان کرتے ہیں۔

مطلب کی بات یہ ہے کہ توحید جو ہے وہی سب کچھ ہے رحمت کی انتہا ہے اور اسی میں مساواتِ رحمانی ہے۔ میں درمیان میں ایک دُنیاوی مثال کی بات بھی کروں، کچھ لوگوں نے اپنے سے نہیں دُوسروں کو دیکھ کر کہا کہ یہ مساوات ہے

یہ فلان مساوات یا جمہوریت یا یہ یا وہ، لیکن ہمارے یہاں مساوات ازل سے ہے، ازل سے ہے۔ جہاں حدود کی تعلیم بھی دی گئی تو پھر بتایا گیا کہ یہ حدود محض تمہارے لئے ایک سیڑھی کا کام دیتے ہیں، سیڑھی: مستجیب، ماذون، بڑا ماذون، چھوٹا داعی، بڑا داعی، جزیرے کا حجّت اور حضوری حجّت پھر امام، اساس، ناطق نفس کُل، عقلِ کُل۔ عجیب بات ہے کہ باپ بیٹے کو جو چھت پر چڑھانا چاہئے تو کندھے پر اُٹھائے گا اور ہاتھوں کی مدد سے اُس کو چھت پر چڑھائے گا یا درخت پر چڑھائے گا یہ ہے رحمت اور مہربانی کہ مومن کو اپنے مقام کی متعلّق سوچنا چاہئے اور ہر قیمت پر اپنے اصل مقام کو حاصل کرنا چاہئے۔

دُنیا کی زندگی چاہے جتنے دُکھوں سے گزرے، کوئی تعجّب نہیں ہے آپ کو جو چیز ملنے والی ہے وہ بہت عالی ہے، بہت گرانقدر ہے، ہمیں خوشی ہونی چاہئے کہ ہمیں ہزار برس کی عمر نہیں دی گئی ہے، چھوٹی چھوٹی عمریں دی گئی ہیں، کتنا ہی اچھا ہے کہ اِن چھوٹی چھوٹی عمروں میں ہم امامؑ کے ساتھ وابستہ ہو جائیں، امام کی فرمانبرداری کریں، نیک اعمال کو انجام دینے کے لئے کوشش کریں، مولا کو یاد کریں، اپنی بساط کے مطابق جماعت کی چھوٹی سی خدمت کریں، دل میں بڑائی، فخر، غرور نہ رکھیں، ہمیشہ یہ سوچیں کہ ہم کس طرح (Humble) ہو جائیں، گریہ وزاری کو اپنا پیشہ بنائیں، اچھے مومنین کے ساتھ ہمیشہ خوشی حاصل کریں اور سجدے سے، عبادت سے، علم سے، نیکی سے فائدہ اُٹھائیں، اور فنا کا جو سبق ہے وہ سیکھیں، تو اِس چھوٹی سی زندگی میں وقت گزارنا آسان ہے، کہیں لمبی عمر ہوتی تو مشکل ہو جاتی۔

ہمارے لئے، ہماری جماعت کے لئے ہمارے دینی بھائیوں کے لئے بڑی بڑی اُمیدیں ہیں، یہ مولا کی رحمت ہے، اُس کا کرم ہے کہ ہر وقت اپنے نصبُ العین کو یاد کریں، کہاں جانا ہے، کس مقام پر پہنچنا ہے یہ بہت ضروری ہے، ہمیشہ عبادت بندگی جاری رکھیں تو اگلی بندگی کے لئے یہ ایک سرمایہ ہوگا۔ جس طرح دولت کی مثال ہے، کمائی کی مثال ہے تھوڑی تھوڑی بچت ہو تو بڑی اچھی بات ہوتی ہے، اور تھوڑا تھوڑا زیادہ خرچہ ہو تو بہت تکلیف ہوتی ہے، اِس طرح ہماری جو عبادت ہے اُس میں بچت ہونی چاہئے کل کی عبادت اور آج کی عبادت اور آنے والے کل کی عبادت اور پرسوں کی عبادت یہ جمع ہو جائیں تو ہمیں عبادت مشکل نظر نہیں آئے گی، جب مزہ آئے گا، تو اُس مزے کی وجہ سے ہماری مشکل آسان ہو جائے، ہمارے اُوپر جو (Burden) ہے جو بوجھ ہے وہ ہلکا ہو جائے گا۔ یہ ہمارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے کہ ہم کو عبادت میں مزہ نہیں آتا ہے، ذکر میں مزہ نہیں آتا ہے اور دیر تک ہم نہیں بیٹھ سکتے ہیں یہ ہماری کمزوری ہے خصوصاً صبح کی عبادت میں، جب ہم اِس کمزوری کو دُور کریں گے تو عبادت سے مزہ آئے گا عبادت میں مزہ نہیں تو پھر کس میں مزہ؟ سب سے بڑا مزہ سب سے بڑی لذّت عبادت میں ہے اور اِس کے لئے پوری زندگی کو ایک ایسے مومن کی زندگی بنائیں جس پر ہم کو رشک آتا ہے۔

دیکھیں دُنیا میں کتنے اچھے مومنین ہیں اُن سے مثال لیں تو بات آسان ہو جائے گی اور عالی ہمّت ہونا ہے اور

اولالعزمی سیکھنی ہے،تکلیف برداشت کرنی ہے،قربانی پیش کرنی ہے اور گھر ہی سے شروع کریں گے ہم،گھر میں اچھا سلوک کریں گے بچّوں سے اور جو بھی افراد ہیں اُن سے اچھا سلوک روا رکھیں گے تو پھر دُوسروں کے ساتھ خود بخود اچھا سلوک ہو جائے گا،اگر ہم گھر میں اچھے نہیں ہیں اور اِس کو نظر انداز کرتے ہیں کہ گھر کا سلوک جیسا بھی ہے وہ چل جائے گا یہ غلط بات ہے۔سب سے بڑا معاملہ گھر کا معاملہ ہے،گھر میں ہمارا سلوک اچھا ہوگا اور ہم عزّت کریں گے،ہم قربانی کریں گے اپنی بہت ساری چیزوں کو،اور عزّت سے پیش آئیں گے تو ہماری عادت بہت سدھر جائے گی،اور دُوسروں کے ساتھ تو خود بخود سدھر جائے گی،تو یہ کونسی بہادری ہے کہ ہم دُوسروں کی عزّت کرتے ہیں اور گھر میں جو ہیں بہت جاہل اور بدخو اور بدمزاج رہتے ہیں،تو پھر کیا ہم یہ چاہتے ہیں کہ باہر بھی بدخو ہو جائیں باہر کی صورت میں ہماری یہ عادتیں مجبوری کی ہیں،بنیاد سے نہیں ہیں،تو گھر جو ہے وہ مکتب ہے،جس طرح بچّے کو ہم مکتب بھیجتے ہیں تو سب سے پہلے اُس کو اچھے مکتب میں بھیجنا چاہیئے یہ سیکھنے کا مقام ہے،جو شخص چالیس (۴۰) دفعہ غصّے کو پی جائے گا تو اُس کا غصّہ ختم ہو جائے گا،تو یہ ہیں چند باتیں کچھ علم سے،کچھ اخلاق سے،کچھ اِدھر سے کچھ اُدھر سے اور ہمارے پاس بعض دفعہ کوئی (Subject) نہیں ہوتا ہے بعض دفعہ ہوتا ہے یا کوئی آدھا (Subject) ہوتا ہے،تو جو بھی ہو کوئی مفید بات اِدھر سے اُدھر سے سب ہی باتیں ٹھیک ہیں۔

بہر حال اَب ہم اِس گفتگو کو ختم کریں گے اور شاید یہ گزارش کریں کہ کتابوں سے وابستگی،علم سے وابستگی،عبادت بندگی،ذکر،محفل یہ آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔یہ آپ کے لئے بہت ضروری ہے،ابھی ایک نمونہ سامنے آیا ہے آپ کی کامیابی کا اور اَب اِس کے بعد سوچنا نہیں ہے،کوئی شک نہیں ہے،کوئی شبہہ نہیں ہے،ابھی اِس میں رفتار اور سرعت پیدا کرنی ہے یا اِس ادارے کو اور ترقّی دینی ہے اِس محفل کو،اِس محفل میں بہت برکتیں ہیں اور اِس جمعیّت میں بہت رحمت ہے،اِس جمعیّت میں مولا کا ہاتھ ہے،مولا کا ہاتھ ہے،مولا کام کرتا ہے،آپ دیکھیں ہم میں سے ہر ایک کتنے کمزور ہیں،ہم میں سے نہ تو کوئی سیاستدان ہے،نہ کوئی ایسا دُنیا کا کوئی بڑا تجربہ رکھتا ہے،نہ کوئی بڑا لیڈر ہے،نہ کوئی بڑا/موٹا آدمی ہے،دولت کے لحاظ سے یا کسی بھی لحاظ سے،بس بچّوں کی طرح بیٹھے ہیں،لیکن مولا کی رحمت کتنی عظیم ہے کہ وہ ہم کو علم سے فیض دیتا ہے،کامیابی سے ہم کنار کر دیتا ہے،ہمارے آپس میں صلاح ہے،اتفّاق ہے،محبّت ہے،عزّت ہے،احترام ہے اور اِس محفل سے ہم کو مزہ آتا ہے،ہم میں سے ہر ایک کو مزہ آتا ہے،خوشی ہوتی ہے اور پھر یہ ایک (Training Centre) کی طرح ہے آپ جن عزیزوں کو یہاں اپنی گریہ وزاری سے،عبادت سے،ذکر سے،علم کی باتوں سے جن کو قوت دیتے ہیں،پھر وہ اُن قوّتوں کو لے کر آگے بڑھتے ہیں آگے میدان میں جاتے ہیں۔لہٰذا اِس میں بہت برکتیں ہیں،بہت برکتیں ہیں اور اِن شاءاللہ مستقبل میں اِس سے اور زیادہ برکتیں ہوں گی،مجھے یہ باتیں اِس لئے کرنی ہوتی ہیں کہ شاید چند دنوں کے لئے آپ سے دُور جانا ہو،دُوری کی کوئی بات نہیں ہے،کام کاج کریں گے۔

آپ پہلے سے بھی زیادہ ہمّت سے حوصلے سے کام کرنا مجلس کو قائم رکھنا، آنا، تیاری سے آنا اور جن کو لیکچر کرنے کا ہے تو وہ لیکچر کریں، گنان پڑھیں اور گریہ وزاری کریں، ذکر کریں، (Articles) پڑھیں، کتابوں کے (Portions) کو پڑھیں یہ بھی ایک سلسلہ ہے کہ کتابوں میں سے تیار کر کے تحلیل کر کے کتاب کا کوئی (Portion) پڑھیں۔ بہر حال ان باتوں کے ساتھ میں اپنی بات کو، گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔

یا علی مدد، شکریہ۔

ٹرانسکرائب: شمع گیلانی ٹائپنگ: اکبر علی پُروف: نسرین اکبر

استادِ بزرگوار علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی ق س کا پُرحکمت بیان

عنوان: جمعیّت کی ترقی امامؑ کی تائید سے، خانۂ کعبہ = امامِ زمانؑ، سنّتِ اِلٰہی، سورۂ لہب کی تاویل

کیسٹ نمبر: ۴۰   تاریخ: اپریل/ ۱۹۸۱، کراچی

Click here for Audio

[میں] اِس محفل کو، اِس جمعیّت کو بڑی چاہت کے ساتھ یاد کرتا رہا، اَب میں مولا کا شکر گزار ہوں، کہ اُس نے مجھے پھر سے یہ موقع عنایت فرمایا کہ میں اپنے عزیزوں کو دیکھتا ہوں، جیسا کہ آپ کو یقین ہے کہ اگرچہ کینیڈا میں بھی ہمارے عزیزان ہیں، وہ کافی خیال رکھتے ہیں، مدد کرتے ہیں عزّت و احترام کرتے ہیں، ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں لیکن [اُستاد کو] ہر بچّہ عزیز ہوتا ہے، جتنے بچے ہوتے ہیں سب ہی عزیز ہوتے ہیں۔

میں یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ انسان کے اندر، ایک ہی انسان کے اندر کئی کئی حیثیتیں ہیں، اور انسان کے کئی کئی رشتے ہیں، ہر انسان ایک لحاظ سے، ایک عُنصر سے، اپنے اُستاد کا بچّہ ہوتا ہے دینی تعلیم کے علاوہ دُنیا کے معاملے میں بھی اور بہت سی مثالوں میں انسان اپنے اُستاد کا بچّہ ہوا کرتا ہے، تو علم ایک ہستی ہے، ہستی دو (۲) قسم کی ہوتی ہے ایک ہستی داخلی ہے، ایک ہستی خارجی ہے، تو داخلی سے مُراد باطنی، اور خارجی سے مُراد ظاہری۔ ایک ہستی باہر ہے اِس (Universe) میں، کائنات میں اور ایک ہستی رُوح کے اندر ہے، جو ہستی رُوح کے اندر ہے اُس کے اعتبار سے، جو ہستی رُوح کے اندر ہے اُس کے کئی کئی عناصر ہیں، اور ایک عنصر کی کئی مثالیں ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ماں جس نے ایک بچّے کو جنم دیا ہے، تو وہ دودھ پلاتی ہے اَب بچّہ اُس ماں کی ہستی کا جُزو ہے، حصّہ ہے، انگ ہے، دو (۲) طرح سے۔ ایک اِس لئے کہ اُس کی ہستی بنی ماں سے اور ایک اِس لئے کہ اُس کا وُجود دودھ سے بنتا ہے، اَب کچھ عرصہ کے بعد دُوسری عورت اُس کو دودھ پلانا شروع کر دیتی ہے۔ چالیس دن کے اندر اندر اُس بچّے کا سابقہ وُجود ختم ہو جاتا ہے اور دُوسرا وُجود بنتا ہے یہ دُوسرا وُجود اِس عورت کا ہے جس نے اَب بعد میں دودھ پلانا شروع کر دیا ہے، لیکن اِس کے باوجود وہ انسان اپنی ماں کا بھی بیٹا ہے، اور اِس ماں کا بھی بیٹا ہے۔ ایک انسان کے کتنے قبلے ہوتے ہیں دُنیا کے اندر اُس کے ماں باپ ہیں، اُستاد ہیں اور (Father-in-law) ہے اور (Mother-in-law) ہے، اُس کا دادا ہے، دادی ہے، تو ایک انسان کے کتنے رشتے ہوتے ہیں یہ دکھانا ہے، اسی طرح آپ باور کریں گے کہ اگر مولا کی رحمت و عنایت سے ہم کو یہ سعادت

حاصل ہے کہ آپ کو اسماعیلیت کا کچھ پسندیدہ علم دے رہے ہیں تو علم ایک ہستی ہے، ایک (Existence) ہے، یہ (Elements) ہیں، عناصر ہیں۔ اگر آپ اِس علم کو خوشی سے قبولتے ہیں تو پھر آپ کی ایک ہستی بنتی ہے اِس علم سے، جسمانی وُجود کو چھوڑ کر اور رُوحانی طور پر، علمی طور پر آپ کی ایک حیثیت بنتی ہے اُس حیثیت کی نسبت سے آپ ہمارے بچّے ہیں۔ آپ باور کریں گے کہ علم کیا ہے؟ حقیقی علم رُوح ہے، تو جس طرح ماں خون کو اپنی ہستی کے اندر دودھ بنا دیتی ہے، تو پھر اِس معنی میں ماں بچّے کو خون دیتی ہے، اپنا خون، کتنا گرانقدر ہوتا ہے خون! اپنی ہستی کو دیتی ہے، اپنے وُجود کو دیتی ہے، اپنے بدن کو ریزہ ریزہ کر کے، دودھ بنا کے دیتی ہے۔ اسی طرح اُستاد ہم کو اپنی ہستی دیتا ہے، اپنی ہستی دیتا ہے تو اِس میں اور کوئی بات نہیں ہے، بات یہ ہے کہ اِس میں محبّت ہوتی ہے یہ فطری بات ہے، یہ (Nature) ہے کہ اُستاد اپنے شاگرد کو بہت عزیز رکھتا ہے، اولاد کی طرح عزیز رکھتا ہے۔ چنانچہ میں آپ کو یاد کرتا تھا اور میں آپ کو چاہتا تھا ظاہر ہے کہ میں جس طرح تحریر کرتا ہوں آپ پڑھتے ہیں اور اِس کے جواب میں آپ بھی ہم کو چاہتے ہیں۔

دیکھئے! ہمارے پاس صرف ایک چیز ہے اور کوئی چیز نہیں آپ نے بہت سی سوسائٹیاں دیکھی ہیں، وہاں پر (By-laws) ہوتے ہیں، قوانین ہوتے ہیں، عہد و پیمان ہوتا ہے، حلف نامے ہوتے ہیں، (Meetings) ہوتی ہیں، (Conferences) ہوتی ہیں، مراسلے ہوتے ہیں، دستخط ہوتے ہیں کیا نہیں ہوتا ہے، الگ الگ کمیٹیاں ہوتی ہیں، (Selection) ہوتا ہے، یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ مگر ایک چیز ہے، کیا ہے؟ امامؑ کی محبّت! اِس امام کی محبّت نے وہ تمام چیزیں فضول قرار دی ہیں، اور اُن چیزوں کی نہ تو نوبت آئی نہ تو ضرورت، کچھ نہیں۔ ہمیں ایک دُوسرے پر بھروسہ ہے، ہمارے یہاں جس کو جو توفیق ہو وہ مدد کرے، جس کے پاس جتنا ٹائم ہے اُتنا ٹائم قربان کرے، ہمارے اندر اِس جمعیّت کے افراد کے اندر کتنی فراخدلی ہے، کتنی محبّت ہے، کتنا اتفاق ہے، تو میں نے جن چیزوں کا نام لیا [جو] دُوسری سوسائٹیوں میں [ہیں] اُن چیزوں کے باوجود [وہاں] اتفاق نہیں ہے، بھروسہ نہیں ہے، کامیابی نہیں ہے، رشک ہے، حسد ہے اور ہر ایک آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ یہ مقام وہ نہیں ہے، امامؑ کی محبّت کا معجزہ ہے ایک بچّے کی ترقّی ہے تو دُوسرا بچّہ یوں سمجھتا ہے جیسا کہ اُس کی ترقّی ہے، ایک شخص کی رُوحانی ترقّی ہے تو دُوسرے فخر کرتے ہیں، ایک شخص علم کے موتی بکھیر دیتا ہے تو دُوسرے فخر کرتے ہیں، ایک شخص لندن گیا ہے تو دُوسرے یہاں خوش ہیں، ایک شخص مغرب میں کام کرتا ہے تو دُوسرے خوش ہیں، ایک شخص مشرق میں کام کرتا ہے تو دُوسرے خوش ہیں، ایک شخص مسگر میں کام کرتا ہے تو سب یہاں خوش ہیں، پنجاب میں جو کام ہوتا ہے تو یہاں خوش ہیں، تو یہ سب امامؑ کا معجزہ ہے، امام کی محبّت کا معجزہ ہے۔ اِسی محبّت نے ہم کو ایک ہی سانچے میں پگھلا کر ایک ہی کر لیا ہے، ہمیں اتنی خوشی ہے، ہمیں اتنی اِس میں لذّت ہے، یہ نہ ہوتا اور دُنیا کی بہت ساری چیزیں ہوتیں تو اِس ایک چیز کی جگہ پُر نہیں ہوتی یہ خلا رہتا، تو

بہر حال مجھے بہت ہی شکر گزاری کرنی ہے کہ میری غیر موجودگی میں جو آپ نے کام کیا ہے، میں اُس کے لئے بہت شکر گزار ہوں، آپ نے مولا کی رحمت و مہربانی سے میرے نام کو روشن کر دیا یہ آپ کی مہربانی ہے، یہ آپ کی برکت ہے، یہ آپ کی وجہ سے ہے کہ آپ نے اتنا کام کیا، کس ایمانداری سے کام کیا، کس خلوص سے کام کیا، کس محبّت کے تحت کام کیا اور کتنا آپ نے خیال رکھا اور کس توجّہ سے (Letters) کو پڑھا اور ہر چیز کو (Regularize) کیا، مجھے تعجّب بھی ہوتا ہے کہ آپ کو اتنا مولا نے شوق دیا ہے، اِس طرح سے آگے بڑھ رہے ہیں، علم میں مضبوط ہو رہے ہیں۔

میں سنتا رہا آپ کے کارنامے، خطوط آتے تھے آپ کے اور ہر محفل کے بارے میں رپورٹ آتی تھی، اور بہت اچھی طرح سے جنہوں نے بھی خط و کتابت کی بہت اچھے (Way) میں کی، بہت شاندار طریقے سے، وہ دُوسروں کو سراہتے تھے بڑی محبّت سے، کوئی کسی کی کمزوری نہیں، سب خوبی، سب تعریف، اور سب کامیابی، تو اِس لئے میں اپنے مولا کے لئے شکر گزار ہوں اور آپ کے لئے دُعا گو ہوں کہ آپ نے بہت کام کیا، اتنا کام کیا، اتنا کام کیا کہ کینیڈا کے عزیزان آپ کے لئے دُعائیں کرتے ہیں۔ وہ بہت خوش ہیں کہ آپ نے اِس شان سے کام کیا، کبھی وہ آنسو بہاتے ہیں خوشی میں، اور آپ باور کریں گے کہ کبھی کامیابی کا کوئی خط آتا تھا تو ہم دیر دیر تک آنسو بہاتے تھے، اور اُس میں مزہ آتا تھا۔ میں نے اپنی مناجات میں وہاں کچھ کہا کہ اِدھر رُلایا اُدھر رُلایا، آپ نے کیا کیا! تو تب سامنے سے ایک دوست نے کہا کہ اِس میں مزہ بھی تو آیا، دیکھیں! ایک مصرع جوڑ دیا، حالانکہ وہ بہت اُردو بھی نہیں جانتا تھا، بڑا پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر تھا، بڑا مہربان اور فرشتہ سیرت دوست تھا تو اُس کی زبان سے یہ مصرع نکلا [کہ] رُلانے میں مزہ بھی آیا، اِس لئے بہت اِس میں مولا کی رحمت ہے۔

میں آپ کو کچھ باتیں بتاؤں، امامؑ کی دو (۲) حیثیتیں ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی، اور آپ جانتے ہیں، امامؑ کا جو ظاہری کام ہے وہ محدود ہے (Limited) ہے، لیکن باطنی کام جو ہے وہ محدود نہیں ہے۔ امامؑ کا ظاہری کام اِس لئے محدود ہے کہ اَب مثال کے طور پر امامؑ سے بہت سے اسماعیلی ہیں جو رابطہ نہیں کر سکتے ہیں، اور رابطہ نہیں ہو رہا ہے چائنا کے اسماعیلی اور رشیا کے اسماعیلی اور افغانستان کے اور ایک طرح سے اور بھی بہت سے اسماعیلی ہیں جو کہ امامؑ کے ساتھ رابطہ نہیں کر پا رہے ہیں، تو اگر امامؑ کا کام صرف ظاہر میں محدود ہو تو وہ کیا کریں گے یہ بات نہیں ہے۔ امامؑ کا زیادہ سے زیادہ کام باطنی ہے، اسماعیلی مذہب خود باطنی ہے، آپ کو باطنی طور پر امامؑ کی طرف سے تائید [ہے]، تائید معنی رُوحانی مدد حاصل ہے اور [یہ] امامؑ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ اگر میں کہتا ہوں کہ میں نے یہ کام کیا، فضول ہے! میں نے نہیں کیا، میں کون ہوں! کیا ہوں! اتنا کمزور انسان اور اتنی ساری دُنیا کی مجبوریاں اور رُکاوٹیں ایک شخص کیا کر سکتا ہے! کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے! میرے پاس کیا ہنر ہے! کچھ بھی نہیں ہے، میں سب سے کمزور انسان ہوں، لیکن امامؑ کی رحمت عظیم ہے، میں نے اپنی اِن ناچار آنکھوں سے زندگی میں امامؑ کا معجزہ دیکھا، ظاہر میں بھی دیکھا باطن میں بھی دیکھا، ہر مقام پر

امامؑ کا معجزہ دیکھا، اور اسی طرح اِس کام کے اندر امامؑ کا معجزہ ہے، امامؑ کا ہاتھ ہے۔ کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ آپ کے سامنے سے چار بچّے پورے پاکستان میں، کیا تناسب ہے؟ ہماری جمعیّت کی کیا تعداد ہے؟ اور پاکستان کے اندر جو اسماعیلی ہیں اُن کی کیا تعداد ہے؟ اور اُن کے مقابلے میں صرف ہماری جمعیّت کا کیا تناسب ہے؟ کچھ بھی نہیں! لیکن دیکھیں! مولا آپ پر مہربانی کر رہے ہیں، کہ آپ کے بچّوں کو، آپ کے ممبروں کا وہاں اپنے کام کے لئے انتخاب کیا۔ اِس سے آپ سمجھ لیجئے کہ آپ کی مہمانی قبول ہے، سمجھ لیجئے کہ آپ کی خدمت قبول ہے، یقین کیجئے کہ آپ کی قربانی قبول ہے، یقین کیجئے کہ آپ کی کوشش قبول ہے، اور دیکھئے جب کوئی بھی کام امامؑ کے لئے منظور نہیں ہوتا ہے تو باطنی طور پر اُس کام میں رُکاوٹ آتی ہے، اُس کام میں برکت نہیں ہوتی ہے وہ کام آگے نہیں بڑھتا ہے، اُس میں کوئی لذّت بھی نہیں ہوتی ہے، لوگ اُسے پسند بھی نہیں کرتے ہیں یہ قدرتی بات ہے کہ کوئی کام امامؑ کی خوشنودی کے برعکس ہو وہ کس طرح آگے بڑھ سکتا ہے؟ یہ بات ناممکن ہے۔ مجھے بھروسہ ہے، مجھے یقین ہے، مجھے یقین ہے کہ اِس کام سے امامؑ خوش ہیں خواہ ظاہر میں آپ کے نام پر کوئی فرمان نہ بھی آوے، لیکن باطن میں امامؑ کی نظر [ہے] اُس کی تائید ہے۔

دیکھیں کس تیزی سے بچّے آگے بڑھ رہے ہیں، کس شوق سے اِس علم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور یہ یعنی کہ جماعت میں جا کر واعظ کے موتی بکھیر دیتے ہیں، اور علم کے جواہرات منتشر کر دیتے ہیں تو کیا یہ کچھ کم معجزہ ہے؟ بہت بڑا معجزہ ہے، بہت بڑا معجزہ ہے۔ یہ اِن آنسوؤں کی بدولت ہے، کہ اِس گریہ وزاری سے ہم اپنے اندر سے فخر وغرور کو، بڑائی اور بزرگی کو ختم کرتے ہیں بار بار، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہم مغرور نہ ہو جائیں اور اِس کے لئے کیا علاج ہے؟ بس یہی علاج ہے کہ بار بار آنسو بہائیں۔ اِس آنسو بہانے سے بار بار جو ''انا'' ہے، جس میں خودی اور خودنمائی اُگتی ہے، اور اُگنے کا اندیشہ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے، کوئی ایسی بُوٹی ہے [جو] زمین سے اُگتی ہے، تو دہقان/زمیندار کیا کرتا ہے، بار بار اُس کو اُکھیڑتا ہے، اُکھیڑتا ہے، اُکھیڑتا ہے، تو ہم اپنی ہستی سے اُس زہریلی بُوٹی کو اُکھیڑتے ہیں، اور جس کا نام تکبّر ہے، وہ خودی اور خودنمائی ہے اِس کو ہم اُکھیڑنا چاہتے ہیں، [جو کہ] بہت خطرناک ہے، کہ کہیں یہ کہہ نہ بیٹھیں کہ ہم نے کام کیا، ہم نے کیا کام کیا؟ ہم نے کچھ کام نہیں کیا! ہم خود کو جانتے ہیں، کہ کیا ہیں، ہم کچھ نہیں ہیں، یہ امامؑ کی رحمت ہے، اُس کی مہربانی ہے، اُس کی نظر ہے کہ اِس طرح سے تھوڑے سے مٹّھی بھر افراد میں سے اتنے اچھے کام بنتے ہیں کہ آج دُنیا کے کسی گوشے سے ایسا کام نہیں بنتا ہے، یہ امامؑ کی نظر ہے، امامؑ کی مہربانی ہے، اِس لئے کہ آپ ہر وقت دُعا کرتے ہیں۔ ابھی میرے مہربان دوست نے اِس ناچار کے بارے میں کچھ موتی/جواہر جیسے الفاظ بولے، گنانوں کے بارے میں، ترقّی کے بارے میں، میں اُس میں ایک راز کی بات بتاؤں میں بہت ناچار انسان ہوں، لیکن کیا ہوا، کیا سبب ہوا، پہلے، سب سے پہلے کہ اپنے الفاظ میں، میں نے امامؑ کی تعریف بنائی، نظم باندھی، تو سب سے پہلے جماعتوں نے پڑھنا شروع کیا تھا، فراخدلی کے ساتھ، اُن کے

سامنے کچھ رُکاوٹیں بھی تھیں اور نہیں بھی تھیں، تو بہر حال جماعت نے، جماعت خانے کے اندر اور دُوسری مجالس کے اندر یہ گنان پڑھنا شروع کیا۔ اُن مومنین کا یہ شیوہ ہے، اور یہ شیوہ رہا ہے کہ ہر پڑھنے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتے ہیں، اُسی دُعا نے میرے لئے ایک قوّت اور ایک تائید پیدا کی، تو یہی ہے کہ آپ کام بھی کرتے ہیں اور مل کر دُعا بھی کرتے ہیں کہ یا مولا ہمارے سَر کی کامیابی ہو، اور اُن کا کام آگے بڑھے تو آپ یہ نہیں سمجھنا کہ وہ دُعا جو ہے ایسے ہی ہے [یا] یوں [ہی] جاتی ہے، نہیں! اِس دُعا کے اندر بہت، بہت قوّت ہے، یہ میرا ایمان ہے، میں آپ کو خوش کرنے کے لئے نہیں کہتا ہوں بلکہ میرا عقیدہ ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام سے خداوندِ عالم نے فرمایا کہ: اے موسیٰ میں چونکہ پاک ہوں، میرا نام پاک ہے، اور میری صفات پاک ہیں، اِس لئے جب بھی تم مجھے پکارا کرتے ہو، تو اُس وقت مجھے پاک زبان سے پکارنا، پاک زبان سے پکارنا، موسیٰ علیہ السّلام نے گزارش کی کہ: خداوندِ عالمین! میری زبان اِس قدر پاک کہاں ہے، میں ایسی زبان کہاں سے پیدا کروں کہ تیری شانِ اقدّس کے مطابق وہ پاکیزگی سے دُعا کر سکے، تو خداوندِ عالم نے فرمایا کہ: دیکھو! اوّل یہ ہے کہ تم اپنی زبان کو مجھ سے بات کرنے کے لئے، مجھے پکارنے کے لئے پاک اور پاکیزہ رکھو تا کہ میں ایسی پاک زبان سے جو دُعا کی جائے گی میں وہ سنوں گا۔ یہ نہ ہو تو دُوسروں کی زبانوں سے دُعا کراؤ اور دُوسروں کی زبانوں سے پکارا کرو، کیونکہ دُوسرے لوگ اگرچہ زبان کو آلودہ کرتے ہیں، تو وہ زبان اپنے حق میں آلودہ کرتے ہیں تیرے حق میں کچھ آلودہ تو نہیں ہے، اُن کی زبان تیرے حق میں، تیرے لئے پاک اور پاکیزہ ہے تو دُوسروں کی دُعا تیرے حق میں جو ہو گی میں بہت جلد قبول کروں گا، اور آپ جانتے ہیں جو کچھ خداوندِ عالم کسی پیغمبر سے فرماتا ہے اُس میں اشارہ اُمّت کے لئے ہوتا ہے، تو یہ ہے کہ آپ نے جب دُعا کی تو وہ دُعا میرے لئے بہت ہی مستجاب ہے، بہت ہی قبول ہونے والی اور بہت ہی پاک و پاکیزہ [ہے]، اور وہ میری اپنی دُعا سے بڑھ کر تھی۔ میری اپنی دُعا سے اِس لئے بڑھ کر تھی کہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی کی کبھی غیبت کرتا ہوں، کسی کو گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا ہوں، اور بھی بہت کچھ، لیکن اگر میں آپ کی زبان کو اپنی زبان بناؤں تو وہ زبان میرے حق میں بہت پاک ہے، بہت صاف اور بہت برتر ہے اور ایسی زبان سے دُعا کرواؤں تو مولا کے حضور میں قبول ہو، اور یہی ہوا کہ جماعتوں نے میرے حق میں دُعا کی، اور اَب کس شوق سے اور کس خیر خواہی سے آپ دُعا کرتے ہیں۔ یہ البتہ مولا سنتا ہے اور یہیں سے ایک رُوحانی قوّت بنتی ہے اور وہی رُوحانی قوّت میری دستگیری کرتی ہے، اور آپ کی دستگیری کرتی ہے، اِس سے کام بنتا ہے۔ ہم کو حقیقی اسماعیلیوں کی طرح شکر گزار ہونا چاہئے خداوند کی رحمتوں کے لئے، اور ہمیں کچھ دُنیاوی افراد کی طرح اپنے کام پر مغرور ہونا، فخر کرنا یہ بات [صحیح] نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا دین برحق ہے، ہم جانتے ہیں کہ ہمارا مولا مددگار ہے وہ اچھے کام کو پسند کرتا ہے، ہمیں کسی سے کچھ مخالفت نہیں ہے اور نہیں کرنی چاہئے،

ہمیں سچ سچ کام کرنا چاہئے بھلائی سے اور خیر خواہی سے، تا کہ اُس کارنامے سے ہم کو مزہ آوے اور ہمارے دین بھائیوں کو اُس سے فائدہ ملے۔علم کی ہر وقت ضرورت ہے، اور جب راستہ صاف ہے، کام بنتا ہے، آگے بڑھتا ہے تو اَب شوق سے کام کرنا چاہئے، اِس سے پہلے ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کسی کو ذرا شبہہ بھی ہو کہ کیا معلوم کہ مولا اِس سے خوشنود ہے یا ناخوشنود ہے؟ مولا اِس کو پسند کرتا ہے یا نہیں کرتا ہے معلوم نہیں۔اَب تو معلوم ہو چکا اور معلوم یہ [ہوا] کہ مولا اِس کام کو معجزانہ طور پر آگے بڑھاتا ہے اور باقی اور بھی بہت ساری باتیں ہیں کہ دُنیا کے اندر ایسا نہیں ہے کہ سب [ہمیں] نہیں چاہتے ہیں بہت چاہتے ہیں، بہت سے اچھے لوگ ہیں، فرشتہ سیرت لوگ ہیں، آفیسرز بھی ہیں، وہ جانتے ہیں، دیکھتے ہیں اِس کام کی قدر کرتے ہیں، آپ کی کتابیں اور کیسٹ وغیرہ پھیلتے جارہے ہیں، اور بہت قدردانی کے ساتھ، تو اِس کام کو جاری رکھنا ہے جب تک خداوند کچھ دُوسرا کام نہیں بتائے، مولا خود فرمان فرمائے گا اگر اِس کام کو چھوڑ کر دُوسرا کچھ کام کرنا ہے تو ہم اُس میں مل جائیں گے، جان قربان! تن قربان! من قربان! امامؑ کے فرمان سے۔

ہمارا کوئی [اور] مقصد نہیں ہمارے لئے آسانی اِس لئے ہے کہ ہمارا جو کام ہے کسی دُوسرے کام کے ساتھ تصادم نہیں ہے اِس میں [یہ] بالکل موافق ہے۔دیکھئے! دریا بہتا ہے اپنے رُخ پر آپ کشتی چلائیں گے دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بڑی آسانی سے کشتی آگے بڑھے گی، آپ مقابلہ کرتے ہیں دریا کے بہاؤ کے برعکس کشتی کو چلانا چاہتے ہیں، تو بہت خطرناک کام ہے، وہ (Cross) میں بھی خطرناک ہے، لیکن دریا کے بہاؤ کے ساتھ آپ کشتی کو چلاتے ہیں تو چپّو کو آپ نہ چلائیں آرام سے بیٹھیں، کچھ (Balance) رکھیں تو خود بخود یعنی میرا مقصد امامؑ کی خوشنودی دریا کا بہاؤ ہے اور جماعت کے ادارے بھی امامؑ کی خوشنودی کے ساتھ ہیں، ہم بھی امامؑ کی خوشنودی کے ساتھ ہیں، تو یہاں ٹکراؤ کس کے ساتھ ہے! اِس لئے کامیابی ہوتی ہے، خدانخواستہ کبھی امامؑ کی خوشنودی کے برعکس یہ کام ہوتا اور ادارے کے برعکس ہمارا کام ہوتا تو اُس میں، اِس ٹکراؤ میں، اِس تصادم میں نقصان کے سوا، نامُرادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ہمارا دل جو کچھ ہے وہ مولا جانتا ہے، دل بڑا صاف ہے، کیا چاہتے ہیں ہم؟ کام چاہتے ہیں، امامؑ کی خوشنودی کے مطابق، ہمیں آپ کو کچھ عملداری نہیں چاہئے، کچھ بڑائی نہیں چاہئے۔بہت عاجزی چاہئے اور صرف کام چاہئے، تو مولا کی خوشنودی ہے اُس کی نظر ہے۔یہ بہت اچھی مثال ہے جو میں نے آپ کو پیش کیا کہ امامؑ کی خوشنودی دریا کا بہاؤ ہے، بس خود کو سپرد کردو، اپنی کشتی کو امامؑ کی خوشنودی [کے لئے] اور دل میں اچھی نیّت رکھو، تو بس آپ کی کشتی ساحلِ مُراد کو پہنچے گی، اِس میں کوئی تکلیف نہیں ہے، کوئی خطرہ نہیں ہے، آرام سے، خیر خواہی سے، تو شکر گزاری ہے مولا کے لئے، اور مولا کے بچّوں کے لئے جیسے آپ ہیں، اور بڑی خوشی کی بات ہے، دل میں کہنے کے لئے باتیں بہت ہیں، لیکن آپ تھک جائیں گے، بہت ساری باتیں ہیں وہاں کی باتیں ہیں، اور اچھے اچھے اسماعیلیوں سے جو ملاقات ہوئی تو انہوں نے کیا کہا ایسی باتیں ہیں اور بھی بہت ساری باتیں

ہیں۔ بہت کچھ کام ہوا ہے تو میں شکر گزار ہوں کہ آپ عزیزوں کی یہ کتنی روشن دلی ہے یا کتنی بصیرت ہے، کہ آپ نے تمام مقاصد کو گھیر لیا، اور ہر چیز پر تبصرہ کیا، اور کس خوبی سے (Arrangement) کر کے ہر چیز کو سامنے کیا، تو بہت اچھی بات ہے، میں بہت خوش ہوں، میں بہت راضی ہوں، تو مولا آپ سے راضی رہے، بہت عاجزی کے ساتھ دست بدُعا ہوں کہ بارِ خدایا! اِن فرشتہ سیرت انسانوں نے جس طرح ایک ناچار درویش پر اعتماد کیا، اور اِس سے تعاون کیا، اِس کی مدد کی، اِس کی ناچیز کوششوں کو کامیاب بنایا اور اِس کی کمزور باتوں کو قبول کیا، اور اِس کے حق میں انہوں نے جان و دل سے دُعا کی اور طرح طرح کی قربانیاں پیش کیں، خداوندا! اِن میں سے ہر ایک کی قربانی کو قبول فرمانا[آمین]، ہر ایک کی خدمت کو قبول فرمانا[آمین]، ہر ایک کی دستگیری کرنا[آمین]، ہر ایک کی مدد کرنا[آمین]، مولائے زمین و زمان! سیارۂ زمین کی سطح پر بسنے والے تمام اسماعیلیوں کو دین اور دُنیا میں کامیاب بنانا[آمین]، اُن کی نیک مُرادوں کو پوری کردنا[آمین]، اُن کی سب مشکلات کو آسان کر دینا[آمین]، اُن کی ساری بلاؤں کو رد کر دینا[آمین]، اُن کو اپنی پناہ میں رکھنا[آمین]، اپنی حفاظت میں رکھنا[آمین] نور مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام به فضلك وبه كرمك يا اكرم الاكرمين۔

خانۂ کعبہ = امامِ زمانؑ

پہلے جو مقالہ[حکمت کا ایک خزانہ، علم کے موتی، ص:۳۹] پڑھا گیا اُس کا نام ایک عظیم خزانہ رکھا گیا ہے، یہ مقالہ اصل میں ایک خط کی صورت میں ہے اُس کے اندر میں سمجھتا ہوں کہ تاویل کی کئی اہم کلیدیں ہیں۔ بہت سی کلیدیں ہیں اور ہماری بہن ماہِ محل نے اچھی طرح سے اور بہت اچھے تلفّظ سے پڑھا، آپ نے غور سے سنا لیکن پھر بھی میں اُس کی طرف آپ کی توجّہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، یہ بڑا اہم مقالہ ہے۔ بہت ہی اہم مقالہ ہے اور خوش قسمتی سے یہ ایک خط تھا، جو میں نے اپنے پریذیڈینٹ کی خدمت میں لکھا تھا، تو میں جانتا ہوں کہ یہ ایک بہترین علمی خط ہے، اور میں آپ کو یہ بھی عرض کروں کہ ہم نے ایک اسکیم بنائی تھی۔ بہت پہلے علم سے متعلّق، علمی خطوط کے نام سے سو(۱۰۰) خطوط لکھنے کے لئے ہم نے منصوبہ بنایا تھا، اَب مجھے یہ معلوم نہیں کہ اِس وقت اِن کی تعداد کیا ہے، لیکن غالباً یہ پورے ہو چکے ہوں گے، تو اِس سلسلے میں یہ ایک خط تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اِس کے اندر بہت اچھے نکات ہیں، بہت اچھے نکات ہیں، مثلاً امامؑ کی مبارک ہستی کے سلسلے میں یہ ثبوت کہ آپ خانۂ خدا ہیں اور یہ دلیل کہ خدا کا جو ظاہری گھر ہے وہ اِس بات کی مثال ہے، اِس حقیقت کا نمونہ ہے کہ خداوندِ عالم کا ایک حقیقی گھر بھی ہے اور وہ امامؑ کی شخصیّت ہے۔

پھر یہ بتانا کہ قرآن کے مطابق اگر خانۂ کعبہ امن کی جگہ ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ ضرورت کے مطابق وہاں کوئی امن نہیں ملا اور جس کے سلسلے میں بہت سی مثالیں پیش کی گئیں کہ خانۂ کعبہ آج سے نہیں ہے زمانۂ آدم سے ہے اور اِس کی

تعمیر اِس طرح سے ہوئی تھی کہ آدمؑ جب بہشت میں تھا تو اُس نے دیکھا تھا کہ فرشتے کس طرح عرشِ عظیم کا طواف کرتے ہیں اور عرشِ عظیم کا طواف فرشتے اِس لئے کرتے تھے کہ انہوں نے خلافتِ آدم پر اعتراض اُٹھایا تھا اور کہا تھا کہ: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (۲:۳۰) جب خداوندِ عالم نے یہ اعلان فرمادیا کہ: اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (۲:۳۰) میں روئے زمین پر اپنا ایک نائب مقرّر کرنے والا ہوں، تو اِس پر فرشتوں نے اعتراض اُٹھایا، کیا آپ ایسے شخص کو، ایسی مخلوق کو پیدا کریں گے جو کہ وہ مخلوق رُوئے زمین پر فساد مچائے گی، یوں کہہ کر فرشتوں نے اعتراض اُٹھایا تھا تو خداوندِ عالم نے یہ فرماتے ہوئے اُن کے اِس اعتراض کی تردید کی تھی کہ: اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۲:۳۰) میں ہی خوب جانتا ہوں جو کچھ کہ تم نہیں جانتے ہو۔ پھر بعد میں فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، لیکن اِس کے باوجود اُن کو پشیمانی تھی جبکہ آدمؑ کے فضل و کمال کو محسوس کیا جبکہ آدمؑ اُن کے اُستاد تھے اور آدمؑ نے اُن کو علمِ حقیقتُ الاشیاء سکھایا یعنی چیزوں کی حقیقت کا علم اُن کو سکھایا، تو اِس پر وہ آدمؑ کے بہت ہی قریب آگئے گویا کہ آدمؑ اُن کے اُستاد ہوئے، تو آدمؑ سے اُن کی محبّت ہوئی بعد میں پچھتا گئے، سمجھا کہ انہوں نے اپنے اِس اعتراض میں ایک طرح سے گناہ کیا تھا۔ اِس گناہ سے تائب ہونے کے لئے، توبہ کرنے کے لئے انہوں نے کیا کیا عرشِ عظیم کے گرد طواف شروع کر دیا، یعنی عرشِ عظیم کے گرد گھومنا شروع کر دیا، تو اِن سب چیزوں کو آدمؑ نے ملاحظہ کیا تھا۔ جب آدمؑ رُوئے زمین پر آئے تو اُن کو بھی شوق پیدا ہوگیا کہ اپنے لئے ایک چیز بنائیں کہ جس کا اسی طرح سے طواف کریں جس طرح فرشتوں نے طواف کیا تھا یا طواف کرتے تھے، تو خداوندِ عالم سے انہوں نے درخواست کی کہ وہ زمین پر ایک خدائی گھر بنائیں، خدا نے منظوری دی، چنانچہ انہوں نے اُس زمانے میں اپنی بساط کے مطابق ایک مسجد کا عبادت خانے کا، خانۂ خدا کا ایک نمونہ بنایا۔ [وہ] ایسی عالیشان عمارت تو نہیں تھی، لیکن ایک شخص سے جو کچھ ہوسکتا تھا اُس کے مطابق معمولی سا ایک ڈھانچہ سا بنایا ایک خاکہ سا بنایا، تو اُس کے گرد اُس نے طواف کیا، خدا کی تعظیم کے تصوّر سے اور خدا کا گھر قرار دیتے ہوئے۔ لیکن بعد میں یہ خانۂ کعبہ مٹ گیا طوفانِ نوح سے، پھر بعد میں ابراھیمؑ کے زمانے میں اُس کی دوبارہ تعمیر ہوئی پھر بعد میں کچھ اور اِس پر مصیبتیں آن پڑیں تو اُس کو منہدم کیا گیا وغیرہ اور کرتے کرتے زمانۂ رسولؐ آیا لیکن اُس سے قبل بہت سے بُت اُس میں بھر دیئے گئے۔ اب اِن تاریخی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن میں دیکھا جائے تو قرآن کے اندر خانۂ خدا کی بہت کچھ تعریف ہے، لیکن یہ تعریف سب کی سب خانۂ خدا پر یعنی خانۂ کعبہ پر نہیں بیٹھتی ہے، تو پھر ایسے میں تاویل کی ضرورت پیش آتی ہے اور تاویل کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنوں میں خانۂ خدا امامؑ کی شخصیت ہے، تو اِس سلسلے میں ایک آیت یہ بھی تھی جس کو اِس مقالے میں پڑھا گیا کہ خانۂ خدا وہ ہے جس میں لوگوں کو امان ملتا ہے اور پناہ ملتی ہے اور اُس کی صفت ایک یہ بھی ہے کہ دُنیا بھر کے پھل کھنچ کھنچ کر وہاں آتے ہیں (۲۸:۵۷)۔ اَب قابلِ تعجّب بات ہوگئی کہ کس طرح دُنیا بھر کے پھل کھنچ کھنچ کر خانۂ کعبہ میں جاتے

ہیں، ایسا تو نہیں ہوتا ہے کہ دُنیا بھر کے جتنے پھل ہیں سب کے سب وہاں جائیں، وہاں کوئی منڈی تو نہیں ہے۔ اِس کی تاویل ہے، وہ تاویل یہ ہے کہ جہاں امامؑ کی نورانیت ہے، جہاں امامؑ کی معرفت ہے، جہاں کسی کو امامؑ ملتا ہے اور وہ خوش نصیب انسان رُوحانیت کے اندر امامؑ سے واصل ہو جاتا ہے، گویا کہ تاویل کی صورت میں حجِّ اکبر ادا کرتا ہے، خانۂ خدا کی زیارت کرتا ہے، تو اُس وقت وہ دیکھتا ہے کہ دُنیا بھر کے پھل کھنچ کھنچ کر وہاں کیسے آتے ہیں، تو اِس مقالے کے اندر ایسی بہت سی چیزیں ہیں، میں نہیں چاہتا ہوں کہ سارا مقالہ جو ہے اُس کو (Repeat) کروں، لیکن آپ کو توجّہ دلانے کے لئے یہ کافی ہے کہ اِس مقالے میں یہ بات ہے۔

سنّتِ الٰہی = انبیاء و ائمّہ علیہم السّلام

اَب چونکہ میں نے شروع میں یہ بھی کہا تھا کہ دُوسرے مقالے کے بارے میں بھی ایک دو نکتے بیان کروں، تو دُوسرے مقالے [سنّتِ الٰہی، علم کے موتی، ص: ۳۵] کی اہمیّت یہ ہے کہ آج اِس دُنیا کے اندر اسلام [ہے]، اسلام میں بہت سے فرقے ہیں اُن فرقوں کے آپس میں بحث و مباحثے جاری ہیں، ایک دُوسرے سے بحث کرتے ہیں اور اپنے مسلک کو حق ثابت کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور دُوسرے کو غلط ٹھہرانے کے لئے کوشش کرتے ہیں، چنانچہ ہمیں بھی اِس کی ضرورت ہے کہ ہم جانیں، تو اِس میں [یعنی] اِس دُوسرے مقالے کے اندر یہ کوشش کی گئی ہے کہ خدا کی سنّت کی تعریف کریں قرآن کی روشنی میں کہ جہاں کہیں قرآن کے اندر خدا کی سنّت کا ذکر آیا ہے اُس کا خلاصہ کیا ہے؟ اُس کا مقصد کیا ہے؟ یعنی خدا کی سنّت کا جہاں قرآن میں ذکر ہے اُس میں وہ کونسی چیز ہے جس سے کہ خدا کی سنّت وابستہ ہے، یعنی خدا کی سنّت کیا ہر چیز میں خدا کی سنّت ہے یا اِس میں کوئی اہم چیز ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں پیغمبروں کے دُنیا میں، ہادیانِ برحق کے دُنیا میں آنے کا ذکر آتا ہے تو اسی کو خدا اپنی سنّت ٹھہراتا ہے، کہتا ہے کہ میری سنّت یہ ہے کہ میں کسی وقت بھی انسانوں کو ہادیٔ برحق کی ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑتا، یہ ہے اللہ کی سنّت، اَب یہ اللہ کی سنّت ہوگئی۔ سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا خدا کی جب ایک سنّت ہے اور رسولؐ کی بھی سنّت ہے تو کیا رسولؐ کی سنّت اللہ کی سنّت کے خلاف ہے یا اُس کے مطابق ہے؟ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ اللہ کی عادت الگ ہے اور رسولؐ کی سنّت جدا ہے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے۔ اِس کے لئے کوئی جرأت نہیں کرسکتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہے سوائے اِس کے کہ وہ یہ کہے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی دو الگ الگ سنّتیں کیسے ہوسکتی ہیں، بلکہ وہ ایک ہی سنّت ہے جو سنّت اللہ کی ہے، تو پھر وہی سنّت اُس کے رسولؐ کی ہے، بات یہاں پر آ کر ٹھہر جاتی ہے اور اِس بحث کا ماحاصل یہی ہوتا ہے۔ اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک زندہ ہادی کو لوگوں کے درمیان رکھتا ہے تو پھر رسولؐ کی سنّت یہ کیسے ہوسکتی ہے کہ ایک کتاب، ایک قول، ایک عمل اور یہ اور

وہ، بہت ساری چیزیں رسولؐ کی سنّت قرار پائیں، یہ کیسے ممکن ہے تو اِس بحث کے اگلے حصّے میں جو ہم کو نتیجہ ملا تھا وہ یہ تھا کہ اللہ اور رسولؐ کی سنّت ایک ہے اور اللہ کی سنّت کے بارے میں یہ پتا چلا تھا کہ بس اللہ کی سنّت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ پیغمبروں کو یعنی ہادیوں کو بھیجتا رہا ہے، اور اُس کی اِس سنّت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ پھر اِس کے نتیجہ کے طور پر ہونا یہ چاہئے کہ رسولؐ بھی خدا کی سنّت یا کہ اُس کے دستور اور قانون کے مطابق اپنا ایک جانشین مقرّر کرے تو اِس بحث کا یہی ما حاصل ہوتا ہے اور اِس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے تو دیکھا آپ نے کہ جو لوگ سنّت کے جاننے یا سنّت پر عمل کرنے سے فخر کرتے ہیں وہ فضول ہے اور بیجا ہے، اصل میں خدا و رسولؐ کی سنّت یہ ہے کہ امام اور ہادی لوگوں کے درمیان موجود ہو، اور الحمدللہ اسماعیلیوں میں یہی بات ہے، تو اِس دُوسرے مقالے کا مقصد یہ ہے۔ انہوں نے دونوں عزیزوں نے اچھی طرح سے آپ کو بیان کیا لیکن میرا مقصد تھا اِس کو بہت ہی مختصر الفاظ میں [بیان کروں] اور میرا مقصد یہ بھی تھا کہ ہو سکے تو آپ کبھی اِن مقالوں کو کسی طرح سے بار بار پڑھنا، چونکہ یہ یعنی حکمت کی چیزیں ہیں، تاویل کی چیزیں ہیں، ایک بار کے پڑھنے سے شاید بعض حضرات کو سمجھنے میں کمی رہے تو میں اِن الفاظ کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اور دُوسرے عزیزوں کو ذرا موقع دینا ہے، یا علی مدد، شکریہ۔

سورۂ لہب:

پھر آپ کو تکلیف دوں گا، انہوں نے ابولہب سے متعلّق سورت پڑھی اور اِس کا ترجمہ بھی کیا، اور ساتھ ہی ساتھ مختصر تاویل بھی بتائی، تاہم اِس کے اندر مزید تشریح کرنے کی ضرورت ہو تو میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں میں نے اِس کے لکھنے کے سلسلے میں، بہت سے قرآن کے ترجموں کو سامنے رکھا، تو عجیب بات ہے کہ کسی ترجمہ میں کچھ تھا، تو کسی میں کچھ تھا۔ بہت سے ترجموں میں اِس پہلی آیت کو اِس طرح پیش کیا گیا تھا کہ: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱:۱) ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔ اِس میں گویا کہ اللہ یہ ارادہ کرتا تھا کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود بھی مر جائے، جس طرح ایک آدمی کسی کو گالی دیتا ہے یا بددُعا دیتا ہے، اگر اِس ترجمہ کو فرض کر لیا جائے تو مطلب اِس کا یوں ہوگا کہ خدا اِرادہ فرماتا ہے کسی کی ہلاکت کے لئے اور کسی کے ہاتھ ٹوٹ جانے کے لئے تو پھر فی الفور ہی خدا کے فرمانے کے ساتھ ساتھ اور اِس اعلان کے ساتھ ساتھ اُس آدمی کے ہاتھ کو ٹوٹ جانا چاہئے اور اُس کو مر جانا چاہئے کسی تاخیر کے بغیر۔ کیونکہ وہ خدا ہے اور [وہ] کسی چیز کو چاہتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے، وہ کُن فیکون کا مالک ہے تو جب وہ حقیقتاً کسی چیز کے لئے ارادہ کرتا ہے تو اُس کے ارادے کی تکمیل کے لئے کون سی تاخیر ہو سکتی ہے۔ ہم انسان ہیں کسی چیز کو چاہتے ہیں تو ہمارا چاہنا ضروری نہیں ہے کہ پورا ہو جائے ہو سکتا ہے کہ ہم غلط معنوں میں چاہتے ہوں اور حق کے بغیر چاہتے ہوں تو ہمارا جو چاہنا ہے یہ تو خدا

کے حضور میں پیش ہو جائے گا اور خدا منظور کرے تو ہمارا جو چاہنا ہے [وہ] پورا ہو جائے گا، دُنیا میں ہو گا یا آخرت میں ہو گا یا دیر سے ہو گا، لیکن فی الحال تو نہیں ہو گا۔ لیکن اِس کے برعکس ۔ اجب کسی چیز کو چاہتا ہے تو اُس کو ایک دم سے ہو جانا چاہئے تو دیکھا ترجموں میں جو فرق ہے تو اُس میں کس طرح ہم حق کو پائیں، حق کی تلاش کیسے کریں، تو جن لوگوں نے خبریہ کے طور پر ترجمہ کیا ہے وہ صحیح ہے۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا، تو اَب اِس میں سوال کریں گے کہ اِس خبریہ میں بھی تو ہم یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اللہ کے اِس کلام کے ساتھ ساتھ یا اِس خبریہ کے ساتھ ساتھ وہ مر گیا ہو اور ہلاک ہو گیا ہو، لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جسمانی طور پر ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے تھے یا جسمانی طور پر ابولہب ہلاک ہو گیا تھا، اِس کا مطلب یہ ہے کہ رُوحانی طور پر ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے تھے، اور رُوحانی طور پر خود ابولہب ہلاک ہو گیا تھا، مر گیا۔

کیونکہ کسی چیز کا ٹوٹ جانا یا مر جانا دو (۲) طرح سے ہے جسمانیت میں اور رُوحانیت میں، تو یہ رُوحانیت کی بات ہے اِس لئے تاویل میں بتایا گیا ہے، کہ پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شناخت کے معاملے میں ابولہب کی عقل و فکر، عقلی و فکری ہاتھ ٹوٹ گئے۔ ایک تو ہاتھ عقل کا ہے اور دُوسرا فکر کا ہے، ابولہب نے اپنے عقلی و فکری ہاتھ سے کچھ گرہ نہیں کھول سکا، کچھ کام نہیں کر سکا، تو اُس کے ہاتھ ٹوٹے ہوئے تھے، رُوحانی طور پر ٹوٹے ہوئے تھے جب ہی تو اُس نے علم کے معاملے میں عقلی و فکری طور پر کچھ نہیں کیا، یعنی پیغمبر کی شناخت اُس سے نہیں ہو سکی اور وہ ہلاک ہو گیا، یعنی رُوحانی طور پر مر گیا۔ جو زندگی صحیح معنوں میں زندگی ہے وہ اُس کو نصیب نہیں ہوئی، تو یہاں تاویل میں ہاتھ سے مُراد عقل و فکر ہے اور ہلاک سے اُس کی رُوحانی ہلاکت ہے، تو پھر یہاں جو فرمایا گیا ہے کہ [سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۳:۱۱۱)] وہ جہنم میں داخل ہو جائے گا، اِس سے دوزخِ جہالت مُراد ہے اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ [وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (۴:۱۱۱)] اُس کی جو بیوی ہے وہ ایندھن کو اُٹھا رہی ہے، اِس کا مطلب جہالت کی باتیں ہیں۔ جہالت کی باتیں گویا ایندھن ہیں، جس سے کہ جہنم کی آگ تیار ہو جاتی ہے اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ [فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (۵:۱۱۱)] اُس کے گلے میں بٹی ہوئی رسّی ہے تو اِس سے تقلید مُراد ہے، تقلید آپ جانتے ہیں کسی چیز کو کہتے ہیں، تقلید ایک لفظ ہے عربی کا، یہ ''قَلَدَ'' سے ہے، ''قَلَدَ'' پٹّے کو کہتے ہیں وہ پٹّا جو کسی کُتے کے گلے میں ہوتا ہے یا کسی دُوسرے جانور کے گلے میں پٹّا ہوتا ہے، تو اُس پٹّے میں سے رسّی کو گزار کر کسی جانور کو آگے یا پیچھے چلایا جاتا ہے، تو یہ تقلید ہے، اسی سے تقلید کی اصطلاح بنی کہ تقلید اِس کو کہتے ہیں کہ حیوان کی طرح کسی چیز کو سمجھے، جانے بغیر کسی کے پیچھے پیچھے چلنا یہ تقلید ہے، لیکن تقلید دو (۲) طرح سے ہے۔ ایک تقلید جو ہے وہ حق پر مبنی ہے اور ایک تقلید جو ہے وہ باطل ہے۔ حق پر مبنی کیا ہے؟ مثلاً ہمارے بچّے، اِس وقت عقل سے اور شعور سے کسی چیز کی تمیز تو نہیں کرتے ہیں، لیکن وہ تقلید کرتے ہیں، جو آپ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں، جو آپ دین کے معاملے میں کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں تو یہ تقلید ہے مفید ہے، اچھی ہے، لیکن اِس کے برعکس دُوسری تقلید وہ خراب ہے وہ کیا ہے؟ ایسے لوگوں کی

پیَروی جن کو حقیقت کی کوئی خبر نہیں ہے، تو وہ اندھے کی تقلید ہے۔

جس طرح کوئی اندھا خود کہیں نہیں جا سکتا ہے تو کوئی بینائی والا شخص دامن پکڑاتا ہے یا ہاتھ سے پکڑ کر اُس کو چلاتا ہے، تو یہ اندھا اُس کے ساتھ ساتھ اُس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے تو تقلید ہے، کو رانہ تقلید جس کو کہتے ہیں یعنی اندھا پنے سے، پیچھے پیچھے چلنا، لیکن میں نے جس تقلید کی تعریف کی وہ اِس لئے قابلِ تعریف ہے کہ کل آپ کے بچّے جو ہیں اِس مقام پر پہنچیں گے وہ آپ سے پوچھیں گے اور عقل و شعور سے اپنے دین کی حقیقتوں کو پائیں گے، سمجھیں گے، تو اِس میں فائدہ ہے، تو خداوندِ عالم نے تقلید کی مذمّت کی ہے، اِس مقام پر وہ ایسی چیز ہے [یعنی] باطل تقلید کی خدا نے مذمّت کی ہے۔ وہ تقلید ایسی ہے جیسے کسی جانور کے گلے میں رسّی ہے آپ اُس کو کھینچتے ہیں وہ جانور ہے اُس کو معلوم نہیں آپ اُس کو ذبح کے لئے لے جاتے ہیں یا کہیں بھگانے کے لئے لے جاتے ہیں یا کسی چراگاہ کی طرف لے جاتے ہیں تو اُس کو خبر نہیں ہے بس وہ رسّی سے مجبور ہے جس طرف کو رسّی کھینچتی ہے تو حیوان اُس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے یہ تقلید ہے۔ خداوندِ عالم نے دیکھا کہ واقعاً ابولہب کی بیوی کے گلے میں کوئی رسّی تو نہیں تھی، لیکن اِس کے باوجود خدا کہتا ہے کہ اُس کی گردن میں رسّی ہے تو جب تک اِس کی تاویل نہیں ہوتو پھر اِس کے کچھ معنی نہیں ہوں گے، جب کہ ابولہب کی بیوی کے گلے میں کوئی رسّی نہیں تھی، کوئی رسّی نہیں تھی، تو اللہ کا یہ فرمانا کہ کھجور کے چھلکوں کی بٹی ہوئی رسّی ہے، اِس سے مُراد یہ ہے کہ وہ باطل کی تقلید ہے اور مضبوط نہیں ہے وہ ٹوٹ جانے والی چیز ہے، تو دیکھا آپ نے قرآن کی باریکیوں کو اور تاویل کے اندازِ بیان کو کہ قرآن کے اندر ہمیشہ تاویل ہوا کرتی ہے۔

اگر آپ ایک ایک کر کے قرآن کی تاویل کی باتوں کو (Catch) کریں گے، تو ایک دن آپ کے پاس ایک بڑا ذخیرہ ہو جائے گا، اور آپ ضرور باور کریں گے کہ قرآن کی ایک تاویل کے جاننے سے بہت کچھ ملتا ہے، یہ تاویل کی باتیں گویا کہ کلیدیں ہیں، (Keys) کی طرح ہیں، چابیوں کی طرح ہیں، یہ چابی اور کلید جو ہے کتنی چھوٹی چیز ہوتی ہے لیکن آپ اُس کو حقیر نہیں سمجھنا، نہیں کہنا کہ یہ ایک چھوٹی سی چیز ہے، حقیقت میں بہت بڑی چیز ہے۔ ایک بہت بڑے دروازے کو کلید کھول دیتی ہے، اور آپ کو سکون کا مقام ملتا ہے یا کوئی خزانہ ملتا ہے، کوئی دولت ملتی ہے، گھر ملتا ہے، تو کلید کے ہونے سے، اسی طرح قرآن کے اندر کبھی یہ نہیں سمجھنا کہ یہ بات جو ہے [وہ] مختصر ہے، یہ بات جو ہے محدود ہے، چھوٹی سی ہے، چھوٹی سی نہیں ہے! ایک ہی بات سے آپ کو بہت زیادہ روشنی ملے گی، بہت زیادہ روشنی ملے گی۔ مثال کے طور پر خانۂ حکمت میں اَب تک جو قرآنی حکمتوں کے سلسلے میں کوشش کی ہے اگر آپ اِن کتابوں میں سے اُس حصّہ کو لیں، اُس علم کو یکجا طور پر لیں جو قرآن سے متعلّق ہے اور پھر اِس کو لے کر آپ قرآن میں دیکھیں بہت سی کلیدیں آپ کو ملیں گی اور بہت سے دروازے قرآن کے اندر [ہیں]۔ مثال کے طور پر نور کے بارے میں خانۂ حکمت کی کتابوں میں سے آپ کو ملے

گا،(Diagrams) ملیں گے،مقالے ملیں گے،کتابیں ملیں گی،،بہت سا کام قرآن پر کیا گیا ہے،تو قرآن کی حقیقتوں پر کیا گیا ہے خطوط میں،کیسٹوں میں،کتابوں میں،(Diagrams) میں۔ یہ ساری کوشش قرآن کے لئے ہے اور قرآن کے لئے کیوں اتنی کوشش کی گئی ہے؟ پیروں کے بعد عرصۂ دراز سے اِس طرف،قرآن پر کچھ کام نہیں کیا گیا ہے، کچھ ذرا ہم جماعت دھوکے میں آگئے ہیں۔ یہ سمجھا گیا ہے کہ جہاں امامؑ ہے تو وہاں قرآن کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آپ اِس کو مانتے ہیں یہ صحیح ہے،یہ صحیح نہیں ہے! قرآن کے سمجھنے سے امامؑ کی محبّت میں اور اُس کی معرفت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ اور زیادہ امامؑ کی محبّت اُس کی شان بڑھتی ہے،اور زیادہ روشنی ملتی ہے اور زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ قرآن کے اندر سب اسماعیلی حقیقتیں ہیں،اسماعیلیت کی باتیں ہیں،امامؑ کی شان میں ہیں،تو کیا کبھی آپ کو اِن باتوں کے سننے سے خوشی نہیں ہوئی،قوّت نہیں ملی،میں سمجھتا ہوں بحیثیت ایک اسماعیلی کے اگر ہم قرآن کو حکمت کے ساتھ پڑھیں تو اِس سے بہت فائدہ ہوگا، یہ فائدہ محدود نہیں،بلکہ پوری جماعت کو[فائدہ ہوگا] اگر ہم اِس کو اچھی طرح سے (Use) کر سکتے ہیں اِس سے کام لے سکتے ہیں تو اِس سے جماعت کو بہت فائدہ ہوگا،بہت انقلاب آئے گا،تو اِس لئے میں یہ گزارش کروں گا کہ علم پر زور دیا جائے۔

دیکھیں! ہم عبادت کو بھی چاہتے ہیں لیکن عبادت بہت مشکل! اُس کے لئے موڈ بنانا اور گریہ وزاری کرنا،پگھل جانا اُس کے لئے جگہ چاہئے وقت چاہئے اور بہت سی شرطیں ہوں،تو پھر عبادت ہو۔ ہم گریہ وزاری کریں،ذرا اپنی خودی کو مٹائیں اور سکون حاصل کریں،یہ مشکل ہے،چاہتے تو بہت ہیں کہ دونوں چیزیں کریں،لیکن کسی وجہ سے اگر دونوں چیزیں حاصل نہیں ہوتی ہیں،تو ایک مجلس میں ایک چیز تو ہو،پھر دُوسری مجلس میں شاید دُوسری چیز ہوگی،میں اور زیادہ زور دیتا ہوں اِس گفتگو میں سے،اِس کے لئے کہ آپ قرآنی علم کے لئے کوشش کریں۔

ٹرانسکرائب:نورالدین نزارعلی ٹائپنگ:اکبرعلی پروف:نسرین اکبر